سلسلۂ تجدید دین نمبر (۱)

تجدید معاشرت

(یعنی تجدید دین کامل)

حصہ اول

(جس میں بتلایا گیا ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے معاشرت کے سلسلہ میں کن کن بنیادی باتوں کی طرف توجہ دلائی، اور کن تجدیدی کوششوں کو واضح فرمایا، اور خود اس سلسلہ میں ان کا تجدیدی کردار کیا تھا)

از

حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ

۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء - ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

ترتیب جدید

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

پہلا ایڈیشن

۱۴۳۱ھ - ۲۰۱۰ء

نام کتاب	:	تجدید معاشرت (یعنی تجدید دین کامل) حصہ اوّل
نام مصنف	:	حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ
صفحات	:	۳۰۲
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
کمپوزنگ	:	محمد اسحاق ندوی سیتاپوری
طباعت	:	کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ
قیمت	:	۱۳۰/روپئے

طابع و ناشر

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر:0522-2741539، فیکس نمبر:0522-2740806

www.abulhasanalinadwi.org

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	عرض ناشر	۱۱
۲	عرضِ حال	۱۹
۳	مصنف کا تعارف	۲۲
۴	دیباچہ	۲۸
۵	مقدمہ از علامہ سید سلیمان ندویؒ	۳۸
	انسان کا حیوانی اور مادّی رُخ	
۶	سراپا مریض	۵۴
۷	معالجوں کی غفلت	۵۵
۸	کامل و حاذق طبیب	۵۶
۹	انسان کا اعضائی نظام	۵۶
۱۰	ایمانی و عملی عناصر	۵۷
۱۱	روحانی فساد	۵۸
۱۲	نیشنلسٹ (قومی) مسلمان	۵۹
۱۳	اسلام کی لفظی و معنوی حقیقت	۶۰
۱۴	اسلام ایک مستقل و مکمل نظام حیات	۶۲
۱۵	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر	۶۳

www.abulhasanalinadwi.org

۱۶	مرض کا علاج اور مسئلہ کا حل	۶۴
۱۷	واحد علاج و تدبیر	۶۶
۱۸	شان مجددیت	۶۶
۱۹	مجددین کا سلسلہ	۶۷
۲۰	نبی اور مجدد کا فرق	۶۸
۲۱	سب سے بڑی دینی و اسلامی خدمت	۶۹
۲۲	عہد بہ عہد تجدید دین کی حکمت و مصلحت	۷۰
۲۳	حضرت تھانویؒ کی تعلیمات و اصلاحات	۷۰
۲۴	منصب تجدید	۷۴
۲۵	تجدید معاشرت	۷۵
۲۶	معاشرتی فساد	۷۷
۲۷	انسانیت یا آدمیت	۷۸
۲۸	انسان سازی	۸۰
۲۹	انسان سازی کے عمل سے عمومی بے توجہی	۸۱
۳۰	اپنا خیال، دوسرے کا خیال نہیں	۸۳
۳۱	امت محمدیہ ایک رہبر امت	۸۵

عہد حاضر کے مجدد و حکیم حضرت تھانویؒ کے احوال و کمالات

۳۲	ظاہر و قالب	۸۸
۳۳	قلب و باطن	۸۸
۳۴	ترک لایعنی	۹۰
۳۵	مہمان و مہمانی	۹۱

www.abulhasanalinadwi.org

۳۶	بات بات میں حکمت وافادہ	۹۳
۳۷	صراط مستقیم	۹۴
۳۸	شان تجدید	۹۵
۳۹	مبعوثیت مجدد	۹۷
۴۰	مخلوق سے استغناء	۹۸
۴۱	مالی استغناء	۹۹
۴۲	امراء سے استغناء	۱۰۱
۴۳	تقویٰ	۱۰۹
۴۴	متحرک تبلیغ	۱۱۲
۴۵	رائے زنی میں تقویٰ	۱۱۳

علمی جامعیت

۴۶	حدیث	۱۱۵
۴۷	تفقہ	۱۱۷
۴۸	تفسیر	۱۱۸
۴۹	قرآن میں ربط	۱۲۱
۵۰	مثال	۱۲۳
۵۱	بڑے پتہ کی بات	۱۲۷
۵۲	بعض اور مثالیں	۱۳۲
۵۳	تفسیری مواعظ	۱۳۳
۵۴	دنیا طلبوں کی ناکامی	۱۳۴
۵۵	طلب دنیا وآخرت میں فرق	۱۳۶

www.abulhasanalinadwi.org

۵۶ لطیف نکات	۱۳۸
۵۷ ایک بڑے شبہ کا ازالہ	۱۴۱
۵۸ تصوف	۱۴۲
۵۹ معقولات	۱۴۳
۶۰ گفتگو میں منطق و حکمت	۱۴۵
۶۱ عام اہل علم و فضل اور مجدد میں فرق	۱۴۸
۶۲ عمل میں حکمت کی مثال	۱۵۰
۶۳ علم کلام	۱۵۳
۶۴ علم کلام کا تجدیدی کارنامہ	۱۵۴
۶۵ دینی شبہات روحانی امراض ہیں	۱۵۷
۶۶ کامل کی تقلید لازم ہے	۱۵۷
۶۷ اصول موضوعہ	۱۵۹
۶۸ پہلا اصول موضوعہ	۱۵۹
۶۹ دوسرا اہم اصول موضوعہ	۱۶۱
۷۰ تیسرا اصول موضوعہ	۱۶۲
۷۱ اصول موضوعہ نمبر ۴	۱۶۳
۷۲ اصول موضوعہ نمبر ۵	۱۶۵
۷۳ اصول موضوعہ نمبر ۶	۱۶۶
۷۴ اصول موضوعہ نمبر ۷	۱۶۷
۷۵ قدم مادہ	۱۷۰
۷۶ ذات وصفات خدا کا سب سے بڑا حاجب	۱۷۱

www.abulhasanalinadwi.org

۷۷	رسالت	۱۷۴
۷۸	کمال قدرت کا مسئلہ	۱۷۴
۷۹	اشتباہ سوم متعلق نبوت	۱۷۵
۸۰	ایک اور فتنہ	۱۷۷
۸۱	اس سے بھی بڑا فتنہ	۱۸۰
۸۲	مسئلہ تقدیر	۱۸۴
۸۳	جبر واختیار	۱۸۷

عملی جامعیت

۸۴	حسن معاشرت کی اہمیت واہتمام	۱۹۳
۸۵	معاملات میں غایت تقویٰ	۱۹۵
۸۶	غیر مالی معاملات میں احتیاط	۱۹۸
۸۷	امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۲۰۰
۸۸	سماج یا جماعت کا اثر	۲۰۰
۸۹	قابل توجہ احادیث	۲۰۲
۹۰	حضرت کا مسلک مواخذہ ومقاطعہ	۲۰۴
۹۱	عہد جدید کے مصلحین	۲۱۰
۹۲	ایک برمحل ملفوظ	۲۱۰

اصلاحی وتجدیدی جامعیت

۹۳	ذلک الکتاب کے مناسب حضرت کی تجدیدی کرامت	۲۱۴
۹۴	تصنیف میں مصنف کا اثر	۲۱۶
۹۵	تعلیم نسواں کی سب سے جامع کتاب	۲۱۷

www.abulhasanalinadwi.org

۹۶	گھریلو زندگی کی فلاح مسرت	۲۱۷
۹۷	اولاد کی پرورش	۲۱۹
۹۸	عورتوں کی بے قیدی	۲۲۰
۹۹	شادی بیاہ کی رسمیں	۲۲۴
۱۰۰	دین میں بے دینی	۲۲۵
۱۰۱	موت کی رسموں کے مفاسد	۲۲۸
۱۰۲	ساتویں حصہ کی تجدیدی شان	۲۲۹
۱۰۳	نکاح میں مقدم خیال	۲۳۰
۱۰۴	عادات و معاشرات کی تحسین	۲۳۰
۱۰۵	نام اور تعریف	۲۳۲
۱۰۶	غرور و شیخی	۲۳۳
۱۰۷	ریاکاری	۲۳۴
۱۰۸	توبہ	۲۳۵
۱۰۹	صبر کے معنی	۲۳۵
۱۱۰	خدا پر بھروسہ	۲۳۵
۱۱۱	سچی نیت کے معنی	۲۳۶
۱۱۲	مراقبہ	۲۳۶
۱۱۳	پیری و مریدی	۲۳۷
۱۱۴	مسلمان کی زندگی	۲۳۹
۱۱۵	مسلمان کی دنیوی ترقی بھی دین ہی سے ہے	۲۴۱
۱۱۶	مسلمانوں کا سب سے بڑا مرض	۲۴۴

www.abulhasanalinadwi.org

۱۱۷	دین کی جان	۲۴۵
۱۱۸	المولد البرزخی	۲۴۶
۱۱۹	قرب قیامت کی نشانیاں	۲۴۷
۱۲۰	پورا مسلمان	۲۴۸
۱۲۱	پورا اور پکا مسلمان بننا بالکل اپنے اختیار میں ہے	۲۵۱
۱۲۲	دین کی ساری بیماریوں کے دو ہی سبب ہیں	۲۵۳
۱۲۳	جن کو دور کرنے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں	۲۵۴
۱۲۴	نفس کے ساتھ برتاؤ	۲۵۵
۱۲۵	عام آدمیوں سے برتاؤ	۲۵۹
۱۲۶	دوستی کس سے کرے؟	۲۶۰
۱۲۷	دوستی کے حقوق	۲۶۱
۱۲۸	عام جان پہچان والوں سے احتیاط	۲۶۱
۱۲۹	باطن کی درستی	۲۶۲
۱۳۰	ظاہر و باطن کا غیر منفک تعلق	۲۶۳
۱۳۱	دنیا کے کام بھی باطن کی خرابی سے خراب ہوتے ہیں	۲۶۷
۱۳۲	عورتوں کا قرآن وحدیث میں خصوصی ذکر	۲۶۸
۱۳۳	عورتوں کی اصلی جگہ گھر ہے	۲۷۰
۱۳۴	ضبط تولید	۲۷۰
۱۳۵	ایک اور شیطانی سبق	۲۷۲
۱۳۶	لباس برہنگی	۲۷۲
۱۳۷	نئی مصیبت	۲۷۲

www.abulhasanalinadwi.org

۱۳۸ ایک آخری ضرورت ۲۷۶

۱۳۹ ایک اہم تجدیدی جزء ۲۷۷

۱۴۰ بعض عیب کی باتیں ۲۷۹

۱۴۱ بعض باتیں تجربہ وانتظام کی ۲۸۰

۱۴۲ بچوں کی پرورش وتربیت ۲۸۲

۱۴۳ بہشتی زیور دراصل اصلاح امت کا سنگ بنیاد ہے ۲۸۷

۱۴۴ نیکیوں کی عام باتیں ۲۸۷

دو سب سے زیادہ اہم تجدیدی خصوصیات

۱۴۵ دین کی قطع وبرید ۲۹۴

۱۴۶ صرف توحید ۲۹۷

۱۴۷ صرف اصول اسلام ۳۰۰

۱۴۸ خود فراموشی ۳۰۱

۱۴۹ اسلام کی دینی ودنیوی برکات سے محرومی ۳۰۱

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد.

پیش نظر کتاب ''تجدید دین کامل'' جس کا سابق نام ''جامع المجددین'' تھا، موضوع کی مناسبت، عصری تقاضوں، فہم اور ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے ''تجدیدِ معاشرت'' کے نام سے پیش کی جارہی ہے، یہ کتاب دراصل حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات، مواعظ، رسائل اور انفرادی ہدایات و تعلیمات پر مشتمل ہے، جن کو مولانا عبدالباری صاحب ندوی نے اپنے اسلوب بیان میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا عبدالباری صاحب ندوی نے ''مجددِ معاشرت'' قرار دیا ہے، اس لیے کہ خود ان کی نظر میں اور سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی نظر میں اسلام دین کامل ہے، جو عقائد، عبادات اور معاملات پر یکساں طور پر محیط ہے، یعنی وہ شعبے جو بعض ادیان کے ماننے والوں کی نظر میں دین ہیں اور وہ شعبے جو دنیا ہیں، اسلام میں یکساں طور پر اہمیت رکھتے ہیں، اور اسلام نے ان کے لیے واضح تعلیمات دی ہیں، لیکن خود مسلمان علماء اور مصلحین کے یہاں ان کے بارے میں وہ فکر نظر نہیں آتی۔ اسی لیے دین کے یہ شعبے یکساں توجہ کے لائق نہیں سمجھے گئے، یا ان کی اصلاح کی اتنی کوشش نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

کی گئی، جتنی ضرورت ہے۔

قرآن مجید میں تو ایک جگہ پوری صفائی سے کل مسلمانوں کو مکمل اسلام میں داخل ہونے اور دین کے تمام شعبوں کی رعایت رکھنے کی دعوت دی گئی ہے اور ایسا نہ کرنے پر ڈرایا بھی گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ، اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ“. (۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اس آیت کے تعلق سے فرماتے تھے کہ اس آیت میں ”کَآفَّۃً“ کا تعلق صرف داخل ہونے والوں سے نہیں ہے بلکہ جس میں داخل ہو رہے ہیں اس سے بھی ہے یعنی اعتقادی طور پر بھی، عملی طور پر بھی، اخلاقی طور پر بھی، اجتماعی طور پر بھی، قانونی طور پر اور شعوری و جذباتی طور پر بھی اسلام میں داخل ہوا جائے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اسلام کی کامل و مکمل زندگی اختیار کرنے پر امتیازی شان اور مغفرت و رحمت سے نوازنے کو فرما رہا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا وَّیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّئَاتِکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ“. (۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے اور تقوی اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے اندر ایک ”شان امتیازی“ پیدا کر دے

---

(۱) سورۂ بقرہ/۲۰۸ (۲) سورۂ انفال/۲۹

www.abulhasanalinadwi.org

گا، اور تمہاری خرابیوں کو تم سے دور کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ عظیم فضل والا ہے۔

تقویٰ کا لفظ قرآن مجید میں بڑے وسیع معنی میں آتا ہے، وہ عقائد سے لے کر اعمال واخلاق، سیرت وطرز زندگی سب پر حاوی ہے، اور صرف عقائد واعمال ہی نہیں جذبات واحساسات، تعلقات ومعاملات، معاشرت سب میں تقویٰ کی شان پیدا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

عام طور پر مصلحین امت کی توجہ عقائد اور عبادات اور عبادات میں بھی نوافل پر زیادہ مرکوز رہی ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات، خطبات اور رسائل کا اگر جائزہ لیا جائے، تو اندازہ ہوگا کہ حکیم الامت نے پوری زندگی کو اور خاص طور پر معاشرتی زندگی کو موضوع بنایا ہے۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی اس خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی اصلاحات کی خاص شان یہ ہے کہ وہ ہمہ گیر ہیں، اصلاح امت کی کوشش میں علمی وعملی زندگی کے ہر گوشہ پر ان کی نظر تھی، بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک، فاسقوں سے لے کر صوفیوں، درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں، دولتمندوں تک، خریداروں سے لے کر تاجروں تک، طالب علموں سے لے کر استادوں اور مدرسوں تک، غرض ہر صنف امت اور ہر جماعت کے کاموں تک ان کی نظر دوڑی، پیدائش، شادی بیاہ، غمی اور دوسری

www.abulhasanalinadwi.org

تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نگاہ پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا کھوٹا الگ کیا، اور رسوم و بدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو صراط مستقیم سے ہٹایا، تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، معاملات، اخلاق، عبادات، اور عقائد میں دین خالص کی نظر میں جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی، فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمان کی زندگی کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق بھی اپنے جانتے پورا سامان مہیا کر دیا، اور خصوصیت کے ساتھ اس فن احسان و سلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے، تجدید کی، جو دنیا میں کس مپرسی میں اور ہندوستان میں بحالت غربت تھا اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آ گئی تھی۔''

مولانا عبد الباری صاحب ندوی نے حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی ان جامع تعلیمات کی روشنی میں انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو جامع المجدد دین قرار دیا، مسلمانوں کا عام مرض معاشرت کا غیر اسلامی ہونا قرار دیا۔
وہ لکھتے ہیں:

''جب تک حضرت کی خدمت وصحبت اور اصلاح وتعلیم تک رسائی نہ ہوئی تھی، دین اور دینداری، ولایت وبزرگی کا اونچا سے اونچا معیار خود علیہ الرحمہ کے الفاظ میں بس یہی سمجھ میں آتا رہا کہ ہاتھ میں تسبیح لے لی، ٹخنوں سے اونچا پاجامہ اور گھٹنوں سے نیچا کرتا پہن لیا، اشراق، چاشت اور تہجد کی نفلیں پڑھ لیں بس ہو گئے قائل، باقی معاملات اور معاملات سے بھی بڑھ کر

www.abulhasanalinadwi.org

معاشرت کو بقول حضرت رحمۃ اللہ علیہ "دین کی فہرست ہی سے نکال دیا"

"سمجھتے ہیں نماز روزہ، حج وزکوۃ، ذکروشغل، تلاوت قرآن، نفلیں بس ان چند چیزوں کے متعلق احکام ہیں، آگے جو چاہیں کرتے پھریں، جس کے معنی آج کل آزادی کے ہیں، سوخوب سمجھ لو کہ تم کو ہرگز ہرگز آزاد نہیں چھوڑا گیا ہے۔"

آگے فرماتے ہیں:

"شریعت نے ہماری رفتار، گفتار، نشست وبرخاست، لین دین، کھانے پینے ہر چیز سے تعرض کیا ہے، شریعت مکمل قانون ہے۔"

ایک بڑے اسلامی مفکر کی رائے ہے کہ موجودہ دور میں اسلام کی تعلیمات پر متفرق طور پر عمل ہورہا ہے، مختلف طبقات نے اسلام کی تعلیمات کو بانٹ رکھا ہے، کوئی کسی جز پر عمل کررہا ہے، کوئی کسی حصہ کو اختیار کئے ہوئے ہے، اور یہی تفریق وتقسیم ان کے زوال کا بنیادی سبب ہے، اور معاملات میں غیر اسلامی طور طریقے دینی حلقوں میں بھی پائے جاتے ہیں اس میں ایک دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی۔ جو چیز فساد ذات البین کا ذریعہ بنتی ہے، یہ چیز اس قدر نقصان دہ ہے کہ حدیث میں اس کو "الحالقۃ" دین کو مونڈ دینے والی قرار دیا گیا ہے، سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو روزہ، نماز، صدقہ سے افضل کام نہ بتاؤں، حضرات صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ضرور فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باہم صلح کرانا ہے، اور آپس کا بگاڑ دین کو برباد کردیتا ہے:

"ألا أخبركم بافضل من درجة الصيام والصلاة والصدقة، قالوا: بلىٰ يا رسول الله، قال اصلاح ذات،

www.abulhasanalinadwi.org

وفساد ذات البين الحالقة."

یہ بات بڑی فکر اور توجہ کی ہے کہ دین کے ایک حصہ کو اختیار کیا جائے اور دوسرے حصہ کو چھوڑ دیا جائے کہ کوئی کسی شعبہ میں بہت آگے ہے مگر دوسری طرف بالکل بے خیالی سے کام لے رہا ہے یا یہ کہ اپنی اپنی فکر لگی ہے دوسروں کا خیال اور فکر نہیں، جب کہ حدیث شریف میں آتا ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

"لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِهٖ."(۱)

"کہ وہ شخص پورے ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

اسی طرح ایک دوسری صحیح حدیث ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَیَدِهٖ."(۲)

"کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کی تکلیفوں سے اس کے مسلمان بھائی محفوظ رہیں۔"

اور صحابی رسول حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ."(۳)

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی نماز قائم کرنے پر، زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر

---

(۱) صحیح بخاری و مسلم کتاب الایمان

(۲) صحیح مسلم کتاب الایمان

(۳) صحیح بخاری و مسلم کتاب الایمان

www.abulhasanalinadwi.org

خواہی پر۔''

اسلام کامل جو عقائد سے معاملات، اخلاق، زندگی کے سارے احوال بلکہ مقاصد زندگی اور اس کے نشانوں پر بھی مشتمل ہے، یہ جامعیت جب وجود میں آجائے گی تو مسلمان فلاح سے نوازے جائیں گے۔

کتاب کے موضوعات پر نظر ڈالنے سے حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی تعلیمات میں مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر فرد کے لیے یکساں طور پر رہنمائی ہے۔ مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانویؒ کی تعلیمات میں انسان کے معاشرتی حقوق کا جائزہ لے کر اس کا بہترین نچوڑ پیش کر دیا ہے یہاں تک کہ مرنے کے بعد اس سے متعلق جو اسلامی تعلیمات ہیں اس کا بھی ذکر کیا ہے، اس طرح اسلامی معاشرتی زندگی کے بہت سے مخفی اور مستور گوشے اس میں ابھر کر سامنے آگئے ہیں، یقیناً یہ حضرت تھانویؒ کا اہم تجدیدی کارنامہ کہا جائے گا، اور ان کے اس تجدیدی کارنامہ میں حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ کی قلمی شرکت خود ان کے لیے بڑے شرف وسعادت اور عظیم اجر وثواب کی بات ہے کہ انہوں نے اس کو عام فہم بنا کر پیش کیا، اور سینکڑوں ہزاروں صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ ایک کتاب میں پیش کر دیا، کہ ہر ایک کے لیے اتنے بڑے ذخیرہ کا مطالعہ کرنا اور صحیح فہم کے ساتھ قبول کرنا آسان نہ تھا۔

مولانا عبدالباری ندوی چونکہ طویل مدت تک فلسفہ کے استاد رہے ہیں اس لیے ان کا اسلوب کتاب کے شروع میں فلسفیانہ ہو گیا ہے، لیکن بعد میں عام فہم ہو گیا ہے اسی طرح یہ کتاب عوام کے ساتھ خواص کے لیے بھی مفید ونافع ہے، امید ہے کہ قارئین ان کی فلسفیانہ تمہید سے دشواری محسوس کر کے اپنا مطالعاتی سفر ختم نہیں کر دیں گے، بلکہ پوری کتاب سے استفادہ کریں گے تاکہ دین کے مختلف شعبوں میں

www.abulhasanalinadwi.org

جو اسلامی تعلیمات ہیں ان سے ناواقفیت نہ رہے، اس لیے کہ بدعات کا ظہور ناواقفیت سے ہی ہوا کرتا ہے، اور یہی چیز بے حقیقتی، دین سے دوری کا سبب بنتی ہے۔

یہ کتاب ۱۹۹۳ء میں باری پبلیکیشن سے شائع ہوئی تھی، اور اس سے پہلے بھی ہندوستان و پاکستان کے مختلف اشاعتی اداروں سے طبع ہوئی، اور اب مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے نام کے تھوڑے تغیر کے ساتھ جو موضوع کے اعتبار سے کیا گیا ہے شائع ہو رہی ہے۔

ہم حضرت مولانا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندان گرامی جناب فضل الباری صاحب اور جناب حافظ احمد الباری صاحب کے مشکور ہیں کہ انہوں نے اشاعت کی اجازت دی، اور مولوی محمود حسن حسنی ندوی کے لیے بھی اللہ سے دعا گو ہیں کہ انہوں نے کتاب کی تصحیح اور ترتیب جدید میں دلچسپی لی اور مراجعت و تحقیق کا بھی کام کیا، واللہ الموفق وھو یھدی السبیل.

محمد واضح رشید حسنی ندوی
سکریٹری مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
ندوۃ العلماء لکھنؤ

۸رشوال المکرّم ۱۴۳۰ھ

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، أما بعد!

حضرت مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ ان عبقری لوگوں میں سے ہیں جن کا شمار اس دور کے ماہرفن اساتذہ و مصنفین میں ہوتا ہے، جنھوں نے ندوی ہونے کے باوجود عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے شعبۂ فلسفہ ونفسیات میں نہ صرف مسند درس کے عہدہ پر فائز رہے بلکہ اس کے صدر بھی رہے، اس وقت سیکڑوں ذہین طلباء نے آپ سے استفادہ کیا، اور ملازمت کی مدت انتہائی شان وشوکت، نیک نامی وشہرت کے ساتھ پوری کی۔

آپ نے متعدد انگریزی کتابوں کے کامیاب و سلیس اردو میں ترجمے کیے اور دو ایسی کتابوں کی تصنیف کی جو اسلامی علم کلام میں گراں قدر اضافہ ثابت ہوئیں، ایک تو ''مذہب وعقلیات'' ہے، جسے حضرت مولانا تھانویؒ نے ''اسلام کا آہنی قلعہ'' فرمایا، اور مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کی زبان میں ''فلسفہ نے مولانا کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا''

دوسری کتاب ''دلائل و معجزات اور عقلیات جدیدہ'' ہے جو مولانا کی ظرف نگاہی، تحقیق اور پختگیٔ ایمان کی اعلیٰ مثال ہے، اور جدید فلسفیانہ علم کی روشنی میں معجزات کے ثبوت کا ایک نادر و بے مثال تحفہ ہے۔

مولانا نے اپنی زندگی کے آخری دور میں ایک کتاب ''مذہب اور سائنس''

www.abulhasanalinadwi.org

تصنیف کی، جوان کے مطالعہ کے نچوڑ اور ان کے ذہن کی صفائی اور دراکی کا اعلیٰ نمونہ ہے، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب سابق وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی نے اس کتاب کو سراہا ہے، اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے لکھا ہے کہ "اس کتاب میں مولانا کا قدیم شبلوی اسلوب پھر جاگ اٹھا اور ان کے اشہب قلم کو اپنی بھولی ہوئی راہیں یاد آ گئیں، یہ کتاب ان کے عالم ہوش اور صلاحیت فکر وتحریر کی یادگار ہے، جس میں جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں ایمان بالآخرۃ کے لیے قطعی و حتمی ثبوت ہے، اور ان کی ذاتی قابلیت خداداد صلاحیت اور ذہانت اور ان کی بے پایاں محنت وکاوش کا نتیجہ ہے۔

شباب کی گرمی میں جب کمی آئی تو ایمان کی حرارت نے موصوف کو مولانا تھانوی علیہ الرحمہ کے آستانہ پر پہنچا دیا اور پھر وہ انھیں کے ہو کر رہ گئے، ۱۹۴۵ء میں جب ملازمت کی مشغولیت سے یکسوئی حاصل ہوئی تو مولانا تھانویؒ کی سیکڑوں تالیفات وتصنیفات میں غواصی کر کے ان سے وہ روشن اور تابناک اور قیمتی موتی نکالے جس کا استعمال دین ودنیا کی کامیابی وفلاح کا سرمایہ ہے، اور آخرت کی کامیابی کا یقین مضمر ہے، انھیں قیمتی موتیوں سے جدید سائنسی معلومات اخذ کر کے متعدد کتابیں عصری اسلوب اور زبان میں تصنیف کیں، جس کے مطالعہ سے آپ کو خود یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ان کتابوں کے بتائے ہوئے طریقۂ کار کو اختیار کرنے سے انسان کا ظاہر وباطن کس تیزی وسرعت سے سنورنے میں معاون ثابت ہوتا ہے، اور درحقیقت مولانا کی کتابوں میں دینی علوم کے خزانے اور جواہر پارے پائے جاتے ہیں، اور مسلمانوں کے لیے صحیح ہدایت اور مخلصانہ رہنمائی ملتی ہے۔

ہمارے لیے یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کی یہ معرکۃ الآراء کتاب جس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، پہلی بار مجلس تحقیقات ونشریات

www.abulhasanalinadwi.org

اسلام لکھنؤ سے شائع ہونے جارہی ہے، اس ادارہ سے حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کا تعلق بڑا گہرا رہا اور اس کے آغاز کے وقت ہی ان کی کتاب ''مذہب وسائنس'' شائع ہوچکی تھی، ہم اس سلسلہ میں مجلس کے ذمہ داران کے خصوصیت سے شکر گذار ہیں۔

اخیر میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے مولانا مرحوم کی کتابوں کی اشاعت میں دلچسپی اور تعاون میں کسی بھی قسم کا حصہ لیا، اللہ تعالیٰ انھیں بلند مراتب سے نوازے، آمین۔

فضل الباری

پسر حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصنف کا تعارف

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم.

یوں تو علامہ سید سلیمان ندویؒ ومولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ومولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کے علمی وعملی کارناموں کے سلسلہ میں جتنا کچھ لکھا ہے وہ بہت کچھ کافی ہے، تاہم کچھ باتیں جو راقم سطور کی نظر میں ان کو اپنے تمام معاصرین میں ممتاز کرتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

دین کے معاملہ میں کسی بھی حالت میں اور کسی سے بھی کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، بالخصوص اولاد کے سلسلہ میں راقم سطور نے ان کے معاصرین میں دین کے لیے اتنا سخت کسی کو نہیں پایا۔

حضرت اقدس والد صاحب کی برکت سے بیسویں صدی کے اکابر علماء اور اہل اللہ کی خدمت میں متعدد بار حاضری اور قیام کی سعادت حاصل ہوتی رہی، تاہم اولاد کے سلسلہ میں صرف اللہ ہی کے لیے محبت کرنے اور صرف اللہ ہی کے لیے عداوت کرنے کا جذبہ جتنا حضرت اقدس والد ماجد کے اندر پایا، دوسری جگہ کم پایا، اپنی اولاد کو دین سے وابستہ کرنے کے لیے جتنی امکانی صورتیں تھیں وہ سب اختیار فرمائیں، ابھی راقم سطور کی عمر ۶؍ سال کی تھی اور برادران کی عمر ۸؍ اور ۱۰؍ سال کے اندر، ہم سب بھائیوں کو گھر سے بہت دور حضرت مولانا ابرارالحق صاحب جنھوں نے

www.abulhasanalinadwi.org

اسی وقت مدرسہ اشرف المدارس کی بنیاد ڈالی تھی، کی خدمت میں ڈالدیا، بدقسمتی کہ ہم میں سے کوئی ان کی خواہش کے مطابق ان کی ڈالی ہوئی راہوں پر نہ چل سکا۔

پھر حضرت اقدس مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں ڈالدیا، افسوس حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کی بے پایاں شفقت ومحبت کے باوجود حضرت اقدس والد ماجد صاحب علیہ الرحمہ کی آرزؤں کو پورا نہ کر سکے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا، اگر ہم میں کا کوئی بھائی نماز میں مسجد نہ حاضر ہوتا تو اس کا کھانا بند کردیتے، دور سے آنے والے اعزہ اگر نماز کے پابند نہ ہوتے تو انھیں گھر میں قیام وطعام کی اجازت نہ تھی، کچھ مکانات کرایہ پر اٹھانے کے لیے تھے، اگر کوئی مسلمان کرایہ دار آتا تو سب سے پہلے اس کی نماز اور جماعت کے بارے میں سوال کرتے اور اگر اطمینان نہ ہوتا تو کرایہ پر مکان نہ دیتے، اس سلسلہ میں ایک واقعہ ذہن میں ہے وہ عرض ہے کہ:

ایک بڑے افسر مسلمان مکان کرایہ پر لینے کی غرض سے آئے، حسب عادت حضرت والد ماجد نے ان سے نماز کے بارے میں دریافت فرمایا، ان افسر صاحب نے کہا کہ اجی مولانا! آپ کو اپنے کرایہ سے مطلب ہے کہ میری نماز سے۔ راقم سطور بھی اس وقت وہاں موجود تھا، حضرت اقدس والد صاحبؒ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا اور فرمایا:

"مجھے اپنے کرایہ سے نہیں صرف اور صرف آپ کی نماز سے مطلب ہے۔"

کوئی مسلمان آپ سے ملنے آتا تو اس کا نام پوچھتے اور بڑے افسوس کے ساتھ فرماتے:

"نام سے تو مسلمان لگتے ہیں آپ! صورت ایسی کیوں نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

بناتے جو دور سے مسلمان معلوم ہوں!''

اگر کوئی معمولی ملازم دیندار ہوتا تو اس کو سینہ سے لگاتے اور اولاد سے زیادہ اس سے محبت فرماتے، اولاد اگر دین پر نہ چلتی تو اس سے غیروں سے زیادہ بے تعلق ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے دین کے ساتھ دین و دنیا کی انتظامی صلاحیت ایسی عطا فرمائی تھی کہ صبح سے شام تک اور رات سے صبح تک زندگی کا جو نظام بنایا تھا، جب تک ہوش و حواس میں رہے رائی برابر فرق نہیں آیا، یوں فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہر کام کا وقت اور ہر چیز کی جگہ مقرر کرلو، کبھی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔''

راقم سطور نے معمولی معمولی چیزیں ان کے نظم کی ایسی دیکھیں جو دوسری جگہ کم دیکھنے میں آئیں، مثلاً وضو کرنے کا لوٹا رکھنے کی جگہ مقرر تھی، گھڑی رکھنے کی جگہ مقرر تھی، حتی کہ بیت الخلاء جانے کا وقت مقرر تھا۔

طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی نفاست اور ایسی نظافت عطا فرمائی تھی کہ بس دیکھتے رہیے، لباس سادہ مگر بہت صاف، کپڑے پر کوئی شکن نہیں، بستر پر چادر میں اگر کوئی شکن ہو یا بے ترتیب اونچی نیچی ہو، یا پلنگ کچھ ٹیڑھا ہو تو سر میں درد ہو جاتا، حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے جو حالات کتابوں میں پڑھے بعینہٖ وہی حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے دیکھے۔

اپنے آپ کو اس قدر کمتر خیال کرتے کہ باوجود حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے اجل خلفاء میں ہونے کے کسی کو بیعت نہ فرماتے، پاکستان میں پاکستانیوں کو مولانا محمد حسن صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرماتے اور ہندوستانیوں کو مولانا شاہ وصی اللہ صاحب جب تک حیات رہے ان کی طرف، اور شاہ

www.abulhasanalinadwi.org

صاحب کے وصال کے بعد حضرت اقدس مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرماتے، راقم سطور کی نظر میں ایک صاحب ہیں، کشمیر میں فاضلی صاحب جنھوں نے کسی بھی جگہ جانے سے انکار کیا اور مجبوراً ان کو بیعت کیا، اور مجاز بھی فرمایا۔

اپنے مخدوم زادوں کا اور اپنے سے بہت چھوٹے علماء کا ایسا احترام فرماتے جیسا کہ مخدوم کا احترام کیا جاتا ہے۔

مخدوموں اور مخدوم زادوں یعنی علماء اور ان کے جانشینوں سے بھی دین کی بات باوجود احترام کے سختی سے بے تکلف کہہ دیا کرتے تھے۔

اپنے اعمال کو ہمیشہ ناکافی اور ناکام سمجھتے رہے، اور دنیا میں کچھ نہ کرنے کا ہمیشہ احساس فرماتے رہے، راقم سطور نے مرض الموت میں عیادت کے لیے آنے والے حضرات سے دین کا کچھ کام نہ کرسکنے کے لیے بڑے افسوس کے ساتھ ذکر کرتے سنا، ایک مرتبہ مولانا منظور صاحب نعمانیؒ عیادت کے لیے تشریف لائے تو ان سے لپٹ کر بچوں کی طرح بلکتے ہوئے فرمایا:

''مولانا! زندگی رایگاں گئی، وقت سفر آگیا، زاد راہ کچھ نہیں، بڑی ضرورت ہے اس سیہ کار کے حق میں دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ اپنے اس حقیر بندہ پر رحم فرمائے، اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ فرمائے۔''

مولانا منظور صاحب نعمانی بھی دیر تک روتے رہے۔

وصال کے بعد مولانا محمد منظور صاحب نعمانی تعزیت کے لیے تشریف لائے تو فرمایا:

''کتابوں میں اکابر اہل اللہ کا جو حال پڑھا وہ حال حضرت مولانا عبدالباری ندوی نور اللہ مرقدہ کا آنکھوں سے دیکھا۔''

www.abulhasanalinadwi.org

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن چند لوگوں سے بہت متأثر اور بہت خوش رہے، ان میں حافظ اقبال صاحب دام اقبالہ سرفہرست ہیں، حافظ صاحب مدظلہ العالی کو ان کے یہاں آنے اور ملنے کی ہر وقت اجازت تھی، اپنی وصیت میں انھوں نے انتقال کے بعد غسل دینے کی وصیت حافظ صاحب مدظلہ العالی اور مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب مدظلہ العالی کو اور نماز جنازہ حضرت مولانا علی میاںؒ کے لیے فرمائی تھی، وہ اللہ نے ان کی خواہش کے مطابق پوری فرمائی۔

راقم سطور کی نظر میں اور سمجھ میں والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بیسویں صدی عیسوی کے ''عمر بن خطاب'' تھے۔

ان کے شیخ و مربی حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز نے ایک مرتبہ فرمایا:

> ''مولانا عبدالباری صاحب چاہتے ہیں کہ شیطان مرجائے اور یہ ممکن نہیں۔''

اس ایک جملہ سے حضرت اقدس والد صاحب علیہ الرحمہ کے دینی مزاج کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبہ ایمانی ودینی کی بہترین جزا عطا فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھردے، آپ سب سے عاجزانہ درخواست ہے کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا فرمائیں۔

چودھویں صدی ہجری کے متفق علیہ مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کی خدمات اظہر من الشمس ہیں، دین ودنیا کے ہر شعبہ میں جو اصلاحات حضرت نے فرمائیں اور جو لاکھوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں، جن کے مطالعہ واستفادہ کے لیے بڑا وقت درکار ہے، اور ہر شخص کے لیے ممکن نہیں، ان تعلیمات کو اختصار کے ساتھ اس طرح والد صاحب نے جمع فرمادیا کہ اگر آدمی اپنے

www.abulhasanalinadwi.org

روزمرہ کے کاموں سے آدھا گھنٹہ کا وقت بھی نکال کر ان کا مطالعہ کرلے تو حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمہ کی تعلیمات واصلاحات سے پوری طرح استفادہ کرلے گا، والد ماجدؒ کے وصال کے بعد سے مسلسل لوگوں کے کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں خطوط آتے رہے، کچھ اپنی نااہلی اور کچھ وسائل کی کمی سے لوگوں کی خواہش پوری نہ ہوسکی، اب اللہ کے فضل سے اور خواہشمندوں کی دعاؤں سے بہتر طریقہ پر آپ حضرات کی خدمت میں یہ تصانیف پیش کی جارہی ہیں، اگر کوئی کمی یا خامی محسوس ہو تو بے تکلف متنبہ فرمایا جائے۔

احقر العباد

احمد الباری

پسر حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ أولا و آخرا والصلوة والسلام علی نبیہ المصطفی محمد دائما أبدا، أما بعد!

سنایا یہ جاتا ہے کہ دین دنیا کی راہ مارتا اور فتنہ وفساد برپا کرتا ہے لیکن دیکھا یہ جا رہا ہے کہ دینی بے زاری کا جنون جتنا بڑھتا جاتا ہے، فتنہ وفساد اتنا ہی زور پکڑتا جاتا ہے، انفرادی و اجتماعی، سیاسی ومعاشی، اقوامی وبین اقوامی ہر طرح کی راحت و عافیت، سلامتی وآسودگی کھوتی جاتی ہے، بلکہ کھوچکی، ایسے مجنوں کا حال ہو رہا ہے جو جوش جنوں میں خود اپنے جیب وگریباں کو تارتار اور اپنے ہی بدن کو نوچ نوچ کر لہولہان کر رہا ہو، جنگ عظیم کے بعد جنگ جہانگیر کی مصیبتیں دنیا ابھی بھگت ہی رہی ہے، کہ جنگ جہاں سوز اور ایٹم بم کے بعد ہائیڈروجن بم کا عذاب سر پر منڈلا رہا ہے، کل ہی (۲۶ر فروری) ''پانیر'' میں ایک مضمون ''جہنم بم'' کے نام سے دیکھا، کہ ہائیڈروجن بم ایٹم بم سے ہزار گنا طاقتور (اور ''صدق'' میں ایک ماہرِ سائنس کا مضمون چھپا کہ اس سے لاکھوں گنا بڑھا ہوا) ہوگا، ایٹم بم اگر ۱۰ ر میل مربع پر تباہی نازل کرتا تھا تو ہائیڈروجن بم تین چار سو مربع میل کو جہنم کی آگ میں جھونک دے گا، مشہور ترین ماہرِ سائنس آئن سٹائن کا تو دعویٰ ہے کہ ساری فضا میں اس کا زہر پھیل کر کسی متنفس کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ (صدق ۱۰ ر مارچ ۱۹۵۰ء)

آخرت کی جہنم سے پہلے دنیا ہی کو جہنم بنا دینے والا یہ لادینی جنون یورپ میں کلیسا کے منسوخ (آؤٹ آف ڈیٹ) وہ بھی مسخ در مسخ دین کے تجربہ سے شروع ہوا، پھر یورپ ہی کے سیاسی وسائنسی غلبہ کے ساتھ دنیا بھر میں پھیل کر بالآخر دنیا و

www.abulhasanalinadwi.org

آخرت دونوں کے خسران وہلاکت کا سامان بن گیا ہے۔

جس کے جوابدہ دنیا و آخرت دونوں جگہ مسلمان ہیں، ان کے پاس دنیا کی نوپیدا ہیئت اور انسانی فطرت کے قالب میں ڈھلا ہوا آخری (لیٹسٹ) کامل وقیم دین موجود تھا، جو زندگی کی ہر راہ میں ہر طرح کے عوج وکجی سے پاک متوازن و مستقیم ضابطہ حیات تھا، اور بالکل اپنی مکمل و مستند شکل میں محفوظ، مگر ہم بجائے اس کے کہ انفرادی و اجتماعی، ظاہری و باطنی اعتبار سے کسی معتد بہ درجہ تک اس دین کو دنیا کے کسی حصہ میں بھی عملاً پیش کرتے رہتے، خود ہی لادینی کے سیلاب میں عملاً بہہ چلے اور اپنے ہاتھ کی مشعل پھینک کر اندھوں کے پیچھے ہو لیے۔

بس کہیں کہیں سے تقریری وتحریری، عقلی وکلامی رنگ میں دین کی حمایت یا مدافعت ومعذرت (اپالوجی) کی سی آوازیں سنائی پڑ جاتی ہیں، نقار خانہ میں طوطی کی آواز، خالی رجز خوانوں نے دنیا ہی کا کب اور کون سا میدان سر کیا ہے، چہ جائیکہ دین کا تو دعوتی مزاج ہی اصلاً عمل ہی عمل ہے، وہ کان کے راستہ سے کم اور آنکھ کے راستہ سے زیادہ راہ پاتا ہے۔

یہی راز ہے کہ آج کل کی لادینی وفرنگی جماعات سازی کی وبا وشور وغوغا کی بجائے دینی وانبیائی راہ کا پہلا قدم ہمیشہ خاموش افراد سازی رہی، مجموعہ کی کارکردگی و درستی ہمیشہ اجزا کی درستی پر موقوف ہوتی ہے، موجودہ معاشی ومعاشرتی، سیاسی وقومی مصائب ومشکلات کا بڑا سرچشمہ افراد سازی کے بغیر جماعات سازی اور انسان سازی سے زیادہ قانون سازی (۱) کی اُلٹی گنگا ہے۔

---

(۱) اس لادینی عہد میں پاکستان کی ہمت وسعادت ہزار ہا ہزار ستائش وآفرین کی سزاوار ہے کہ اس نے اصولاً ''دینی دستور'' کو تسلیم کر لیا بشرطیکہ اس کے ماتحت دستور سازی کی بھی ہو۔

لیکن جس چیز سے حکومت وعوام دونوں کے خواص بے فکر معلوم ہوتے ہیں وہ ''مسلمان سازی'' ہے، اگر مسلمان مسلمان ہی نہ بنے تو اسلامی دستور پر چلانے چلنے والے کیا آسمان سے اتریں گے؟ سب سے زیادہ ادھر توجہ کی ذمہ داری حضرات علماء پر ہے۔ (مؤلف)

www.abulhasanalinadwi.org

اسلامی احکام وتعلیمات کا بہت بڑا حصہ بالکلیہ افراد کی نفس انفرادی و اختیاری ہمت وقوت کا طالب ہے، اس حصہ کی انفرادی تکمیل ہی سے جو جماعت ازخود وجود میں آجائے وہی "کَانَ حَقّاً عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ" کی نصرت حق کی حقدار اور ایمان وعمل صالح پر موعود "استخلاف فی الارض" کی صالح ہوگی، ورنہ غیروں کی نقالی میں عرب وعجم ہر جگہ نام کے اسلامی ملکوں میں بھی ہر آئے دن کیسے کیسے عبرت وذلت کے تازیانے غیروں ہی کے ہاتھ سے لگتے رہتے ہیں۔

غرض آخرت تو آخرت مسلمانوں کے دنیوی احیاء ونشأت کا مدار بھی تمامتر دو اٹل حقیقتوں پر ہے، ایک جماعت سازی وقانون سازی سے اہم واقدم افراد سازی ومسلمان سازی، دوسرے مسلمان سازی بھی کامل مسلمان سازی، یعنی ایمان وعمل صالح کے تمام ابواب دین میں معتد بہ حد تک پورا پورا مسلمان بننا بنانا، ایمان کے بعد نماز، روزہ اور حج کے سوا زکوٰۃ کی خالص عبادت تک حقوق عباد کے مصالح سے خالی نہیں، غور کیا جائے تو نماز (خصوصاً جماعت ومسجد کے تاکیدی احکام) اور روزہ وحج کے بہت سے احکام میں بھی کتنے حقوق عباد ملحوظ ومرعی ہیں، باقی دیگر دیانات (نکاح وطلاق وغیرہ) اور معاملات ومعاشرات کے بے شمار احکام وتعلیمات کا تو سارا دفتر کہنا چاہیے کہ بندگانِ خدا ہی کے حقوق وفرائض کا دفتر ہے، بلکہ ایمان ہی کی عملی شرح، جیسا کہ نص حدیث سے ظاہر ہے کہ "ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے ہیں، جن میں ادنیٰ درجہ راستہ سے کانٹے وغیرہ کسی اذیت کی چیز کا دور کرنا ہے۔"

لیکن کیسی ستم ظریفی ہے کہ ہم جب مسلمان ہی نہیں، ولی وبزرگ بھی بننا بنانا چاہتے ہیں تو ساری سعی وفکر گھوم گھما کر بالعموم نوافل ومستحبات اور وظائف کے کچھ معمولات بڑھانے کے اندر ہی رہ جاتی ہے، رہے معاملات ومعاشرات، اخلاق وعادات ان کے فرائض وواجبات تک کی تعلیم وتربیت، عمل واہتمام کی طرف

www.abulhasanalinadwi.org

توجہ شاذ ہی ملے گی، مدرسہ سے لے کر خانقاہ تک جہاں چلے جایئے یہی دردناک نظارہ سامنے ہوگا۔

حضرت جامع المجدد دین (مولانا تھانویؒ) کی تجدید دین میں اسی جامعیت کو پاکر کہ وہ دین کامل کے تمام ابواب واجزاء کے مدنظر کامل مسلمان سازی وافراد سازی کا کامل نظام ہے، یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس سراپا شرور وفتن کے دور میں حق تعالیٰ نے دراصل دین حق کی حجت پوری طرح فرمادی، امت کے ہاتھ میں ایسا قدآدم آئینہ دے دیا ہے جس میں ایک طرف ہر صنف اور ہر طبقہ کا ہر ہر فرد خود اپنا دینی سراپا اور اس کا ایک ایک داغ دھبہ دیکھ اور دور کرسکتا ہے اور دوسری طرف گم کردہ راہ دنیا کے لیے اسلام کے کمال وجمال کی دید کا آئینہ بن جاسکتا ہے۔

بس یہی باتیں دل میں سماکر خیال ہوا کہ یہ ناکارہ کسی اور کارکا تو ہے نہیں، اسی قدآدم آئینہ کو تجدید دین کے چوکھٹے میں پہنا کر ''امۃ مخرجۃ'' کی خدمت میں پیش کردے کہ شاید ''اُخرجت للناس'' کے فراموش کردہ فریضہ کی جوابدہی کی ازسرنو کوئی چونک پیدا ہوجائے، گو بڑے دکھ سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ من حیث امت یا قوم قرآن مجید کی عجیب تعبیر میں ہمارا کچھ ایسا ہی عجیب حال ہورہا ہے کہ ''سیدھی راہ دیکھیں بھی تو ادھر کا رخ نہیں کرتے، اور ٹیڑھی راہ دیکھ کر اس پر دوڑنے لگتے ہیں۔'' تاہم افراد و احاد کے سینے الحمدللہ اب بھی حق جوئی وحق پذیری سے خالی نہیں، خدا سے قوی امید ہے کہ ان کو اپنی دنیا ودین دونوں کے سنوارنے کا خزانہ اس کتاب میں نقد دام ہاتھ آئے گا، اور ان کی دعا مؤلف ہذا کے حق میں انشاء اللہ آخرت ومغفرت کا بڑا سہارا ہوگی، اس نامہ سیاہ کے لیے یہ دولت ہی کیا کم ہے!

جو کچھ بن پڑا محض حق تعالیٰ کے فضل وتوجہ کی قدم قدم پر دست گیری سے اس دست گیری کی توثیق فرمائی، میں سب سے اول منت پذیر ومنت گذار حضرت

www.abulhasanalinadwi.org

محترم مولانا شاہ سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت جامع المجدد دین) کا ہوں کہ پورا مسودہ ملاحظہ فرما کر نہ صرف اپنی تصویب و تحسین سے اطمینان بخشا بلکہ مستقل و مبسوط مقدمہ سے حضرت علیہ الرحمہ کی تجدیدی و اصلاحی جامعیت کی جو اہمیت اس بے علم مؤلف نے پائی اور پیش کی تھی اس پر اپنے علم و تحقیق کی مہر ثبت فرمادی۔

محبّ قدیم و محترم مولانا عبدالماجد دریابادی زید مجدہ کی حضرت حکیم الامت کے تحریری کارناموں پر جیسی وسیع و عمیق و دقیق نظر ہے اور جتنا علمی استفادہ انھوں نے ان سے فرمایا ہے کم کسی کے حصہ میں آیا ہوگا، انھوں نے بھی خاکسار کی درخواست پر کتاب کے معتدبہ حصہ پر نظر فرما کر ''خوب اور بہت خوب'' کے صداقت نامہ سے ممنون فرمایا، وہ نرے مصنف ہی نہیں، ماشاء اللہ فن تصنیف کے خصوصاً جدید فنی آداب کے بھی نکتہ شناس ہیں، اس نقطۂ نظر سے تمہید (انسان کا حیوانی اور مادّی رخ) کی بعض جزئیات کے حذف کا مشورہ دیا، جس پر بے چوں و چرا عمل ہوا۔

اول و آخر قلب پر بہت زیادہ اثر حضرت مخدوم و محترم سراپا لطف و کرم مولانا شاہ محمد حسن صاحب امرتسری ثم لاہوری بارك الله فی بر کاتھم و متعنا اللّٰہ بطول بقـائھم کا ہے، جو نہ صرف ظاہر و باطن علم و عمل کے جامع اور حضرت جامع المجدد دین کے اخص خلفاء میں ہیں بلکہ حضرت کے تجدیدی و اصلاحی مذاق و مسلک کے خاص پہچاننے والے، مخدوم ممدوح کی نظر سے اس سلسلۂ تجدید کی کچھ چیزیں جب سے گذاری گئیں، اور ''تجدید معاشرت'' کا مسودہ خود حاضر ہو کر پیش کرنے کی سعادت ملی، اس وقت سے شاید ہی کوئی مکتوب مبارک ان کے متعلق غایت اشتیاق و استفسار سے خالی ہوتا ہو، اور ان کی نافعیت و مقبولیت کی قوی امیدوں اور قلبی۔ لاکھوں لاکھ۔ دعاؤں سے برابر نہ نوازا جاتا رہا ہو

www.abulhasanalinadwi.org

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش و اتم است
زانکہ لطف شیخ زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

آگے تجدید تصوف کے دیباچہ کی موعودہ تجاویز درج کی جاتی ہیں، جو خود حضرت علیہ الرحمہ کی چیزوں کی ذرا از سر نو خاص ترتیب و تہذیب ضروری تسہیل اور مناسب مقدمات کے ساتھ اشاعت کے لیے پیش نظر ہیں:

(الف) ملفوظات جو کئی ہزار صفحات میں ہیں، ان کے مکررات حذف کر کے مضامین کی مفصل فہرست کے ساتھ تین تین سو صفحات کے حصوں میں اشاعت، آغاز مطبوعہ آخری ملفوظات یعنی الافاضات کی جلد ہفتم سے ہوگا یا اور جو غیر مطبوعہ دستیاب ہوں، نام اشرف المجالس ہوگا۔

(ب) مواعظ مضمون وار ترتیب اور حسب ضرورت تسہیل و تلخیص اور فہرست مضامین کے ساتھ بنام اشرف المواعظ۔ مواعظ اور ملفوظات کی اشاعت اس لیے مقدم ہے کہ دین کی طلب و قبول اور خود اپنی اصلاح کے خیال کو پیدا و بیدار کرنے میں یہ اکسیر کا حکم رکھتے ہیں، پھر ہر طبقہ و مذاق کے لیے نہایت درجہ دلچسپ۔ ان کی ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اشاعت پڑھنا پڑھانا، سننا سنانا بجائے خود انشاء اللہ مسلمان بننے بنانے کا بڑا محرک ہوگا۔

(ج) کلام مجید کو ترجمہ کے ساتھ اور سمجھ کر پڑھنے کا رجحان الحمدللہ روز افزوں ہے، لیکن اس میں گمراہیوں تک کی غلطیوں کا جیسا اندیشہ بلکہ تجربہ ہے، اہل بصیرت سے مخفی نہیں، اس لیے سفر و حضر میں ساتھ رہنے کے لائق ایسی حمائل کی بڑی ضرورت ہے جس میں ترجمہ وہ ہو جو بیان القرآن میں بین السطور کے علاوہ قوسینی تشریحات کے ساتھ فرمایا گیا ہے، اور حاشیہ پر وہ تفسیری فوائد حرفِ (ف) کے تحت درج ہیں، جہاں حاشیہ کی گنجائش سے زیادہ ہوں مختصر

www.abulhasanalinadwi.org

کیے جائیں، نیز ترجمہ کے قوسینی تشریحات کو جہاں بین السطور کی گنجائش سے زیادہ ہوں حاشیہ پر ضرور لیا جائے،(۱) نام اشرف الحمائل۔

(د) اشرف التفاسیر کے نام سے ان آیات کی تفسیر جو مواعظ کا عنوان یا مواعظ کے اندر ہیں اور جن میں بیان القرآن سے کوئی خاص بات زائد ہے۔

(ہ) اسی طرح اشرف الاحادیث کے نام سے وہ احادیث جو مواعظ اور التکشف اور حیات المسلمین وغیرہ میں بہ کثرت ایسی ملتی ہیں جن میں حضرت کے فہم واستنباط نے کوئی خاص پہلو پیدا فرمایا ہے یا جن کے نفس ترجمہ میں ایک آدھ قوسینی فقرہ ہی نے معنی ومطلب کو بالکل روشن یا دیگر احادیث وآیات سے ظاہری تعارض کو رفع فرمادیا ہے۔

(و) اشرف الفتاویٰ کے نام سے حوادث الفتاویٰ اور ایسے فتاویٰ کا مجموعہ جن میں حضرت کے تفقہ کی کوئی خاص تجدیدی واجتہادی رائے ہو۔

(ز) تربیت السالک کے اہم انتخابات تبویب اور فہرست کے ساتھ بنام اشرف السلوک جو ہر شیخ وطالب، پیر ومرید کے حرز جاں بنانے کے لائق ہوں گے۔

(ح) اشرف العلوم کے نام سے حضرت کے خاص علوم موہوبہ اور دیگر متفرقات۔

(ط) ایک تمنا یہ ہے کہ ساری امت کے استفادہ کے لیے یہ چیزیں عربی میں بھی شائع ہوسکتیں اور بعض انگریزی میں کہ غیر بھی محروم نہ رہتے۔

''تجدید معاشرت'' اور ''تجدید تعلیم وتبلیغ'' کا خلاصہ ہی عربی میں اور ''تجدید تصوف'' اور ''تجدید معاشیات'' کا عربی وانگریزی دونوں میں آجائے تو انشاء اللہ حضرت کی تجدیدی وتعلیمی خصوصیات کا نچوڑ آجائے گا اور اپنے پرائے سب اسلام

(۱) اس خدمت کو احقر کی درخواست پر محب فاضل وجوان صالح مولانا اسحاق صاحب سندیلوی سلمہ (جو بعد میں مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء بھی ہوئے) جو ہر طرح اس کے صالح ہیں، الحمد للہ پوری فرما چکے ہیں، صرف احقر کی نظر ثانی باقی ہے، لیکن اس کے مصارف طباعت کی سکت راقم ہذا کے وقف سلسلۂ تجدید دین میں نہیں۔ (مؤلف)

www.abulhasanalinadwi.org

کے کمال و جمال کی ایک جھلک تو دیکھ ہی سکیں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ خدمات تنہا اپنے بس کی کسی پہلو سے بھی نہیں، خصوصاً سن و صحت کے اس انحطاط و زوال بلکہ اختتام کے وقت کہ ۶۰ ر سال کا سن ہو چکا اور کم وبیش ۳۵ ر سال سے دمہ دم کے ساتھ ہے اور اس سال تو ۵، ۶ ر مہینے کی مسلسل علالت اور اس کے باقیات نے بالکل ہی توڑ دیا، تاہم اگر کسی ایک با اخلاص و باہمت رفیق کار کی مستقل رفاقت میسر آجائے تو انشاء اللہ بشرط حیات بہت کچھ ہو سکتا ہے، کم از کم کام کی صورت بندھ کر سلسلہ آگے چلتا رہ سکتا ہے، مالی اعتبار سے الحمد للہ اپنی ذات کے لیے کوئی منفعت مدنظر نہیں، اصل نفع سب انشاء اللہ اسی مد میں صرف ہوتا رہے گا، گو سمندر کے پیاسے کے لیے یہ قطرہ سے زیادہ نہیں، تاہم اپنی حقیر ہمت و وسعت کے دیکھتے یہ بھی بہت اور محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔

متفرق اور غیر مستقل افراد سے کام لینے کا تجربہ ناکام رہا، حکایت و شکایت دونوں کے طور پر ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ خود حضرت علیہ الرحمہ سے نسبت و عقیدت رکھنے والے حضرات الحمد للہ یوں تو سیکڑوں ہزاروں ہیں اور بہتوں سے براہ راست خود اس نیاز مند کو شرف نیاز حاصل ہے اور ان تجاویز پر تحسین و آفریں بھی بہت فرمائی، بعض کتابیں تک لے گئے لیکن مہینوں رکھ کر جوں کی توں واپس فرما دیں۔

ان سطور کے ملاحظہ کے بعد بھی اگر کوئی صاحب ہمت فرمائیں تو تفصیلات پر مکاتبت یا مخاطبت فرمائیں، انشاء اللہ جس وقت کی بھی خدمت ہوگی۔

یہ دیباچہ بھی اور ایک مقدمہ ہی بن گیا، عذر بھی اس درازنفسی کا اس کے سوا کچھ نہیں کہ ؂

مصلحت نیست مرا سیری ازیں آب حیات
ضاعف اللہ بہ کل زمان عطشی

عبدالباری ندوی

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از- حضرت محترم مولانا شاہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ جب ضرورت پیدا ہوتی ہے تو اس کے دفعیہ کا بھی سامان پیدا کر دیتے ہیں، رات کے اندھیرے میں چاند اور تاروں کے چراغ جلا دیتے ہیں، گرمی اور اُمس جب شدت کو پہنچ جاتی ہے تو ابر رحمت نازل فرماتے ہیں، جہاں بیماریاں وہیں اس کی دوائیں اگاتے ہیں اور تدبیریں بتاتے ہیں، بالکل یہی حال امراض باطنی اور احوال نفسانی کا ہے، جب فساد ظاہر ہوتا ہے، صلاح کی تدبیر ابھرتی ہے، جب ظلمت انتہا کو پہنچتی ہے سپیدۂ نور طلوع ہوتا ہے، ضلالت کے ساتھ ہدایت، کفر کے ساتھ ایمان، آزر کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام اور فرعون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوتا ہے۔

اسی اصول پر دنیا میں تاریکی کے ہر دور میں نبوت کا نیا نور چمکا اور دنیا کو روشن کر گیا، آخر حضور رسالت مآب خاتم النبیین محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پاک پر جب شریعت اتمام پر پہنچی اور دین کامل ہو گیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی، تو نسل انسانی کو اس شریعت کی راہ دکھانے اور اس دین کے مسائل کو بتانے اور نئے نئے زمانہ کے نئے نئے فتنوں سے محفوظ رکھنے اور دین و شریعت کو تحریف وتبدیل سے بچانے اور شکوک وشبہات کو مٹانے کے لیے ہر دور میں ایسی ہستیاں ظاہر فرمائی جاتی رہی ہیں، جو دین کو اپنے اصلی جادہ پر قائم رکھ سکیں، اور اس کے چشمۂ صافی کو گرد و غبار سے صاف کر کے مصفا رکھیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

مقصود یہ ہے کہ زمانہ ہمیشہ حرکت میں ہے اور اس کے ساتھ ہر چیز حرکت میں ہے، اس حرکت سے لوگوں کے خیالات واعمال میں گھٹاؤ بڑھاؤ پیدا ہوتا رہتا ہے، نئی نئی تحریکیں نمایاں ہوتی ہیں، نئی نئی بدعتیں ظاہر ہوتی ہیں، نئے نئے خیالات لوگوں کے دلوں میں جگہ پاتے ہیں، زبان، طرز تعبیر، طریق استدلال میں تغیر ہوتا رہتا ہے، اور یہ سب کے سب مل کر ایمانیات اور یقینیات میں شک وشبہ کی راہیں کھولتے ہیں، اس لیے اس قادر مطلق نے جس دین کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے، مخصوص انسانوں کے ذریعہ دین کی حفاظت کے وعدہ کو پورا فرماتے رہتے ہیں۔

یہ تحریف وتبدیل اور خیالات کا اتار چڑھاؤ اور اعمال کا بگاڑ ہر زمانہ میں الگ الگ راہوں سے اور انوکھے اور نت نئے دروازوں سے داخل ہوتا رہتا ہے، اس لیے ہر زمانہ کا فسادِ عمل اور سوءِ اعتقاد ایک طرح کا نہیں ہوتا، کبھی یہ فساد قیصری وکسروانی حکومتوں کے قاعدوں اور قانون کی راہ سے آیا، کبھی یونانی وعجمی علوم وفنون کی صورت میں آیا، کبھی ہندوشام ومصر کے سابقہ مذہبوں کے اختلاط نے دین میں گنجلک پیدا کی، اور کبھی کسی ملک کے رسم ورواج نے شریعت کی جگہ لے لی، کبھی غیر شرعی عصری تحریکات نے دلوں اور دماغوں کو متعفن کیا، غرض کبھی سیاست کی راہ سے کبھی علم وفن کی راہ سے، کبھی تہذیب وتمدن کی راہ سے، کبھی حکومت کی راہ سے، کبھی عقل پرستی اور خردنوازی کے ذریعہ سے، کبھی غیر دینی اقتصادی وتمدنی نظامات کے واسطہ سے، بلکہ کبھی خود غلوئے دین اور تشدد فی الدین کی راہ سے دین میں تحریفات وبدعات پیدا ہوتے رہے ہیں، اس لیے ہر زمانہ کے مفاسد کے لحاظ سے دین کے مجددین کا ہر عصر میں ظہور ہوتا رہا ہے اور انھوں نے خداداد قوت عمل اور ربانی محبوبیت اور انسانی مقبولیت پا کر زمانہ کی مشکلوں کا پورا مقابلہ کر کے اصل دین کے چہرہ سے زمانہ کے گرد وغبار کو صاف کیا ہے اور پھر دین کی حقیقت کو بے غبار کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ہر صدی میں ایسے مجدد کے ظہور کی حدیث حسب ذیل ہے:

www.abulhasanalinadwi.org

عن أبي هريرة رضي الله عنه في ما أعلم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يبعث في أمتي على رأس كل مائة من يجدد لها دينها. (۱)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ میری امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے کو پیدا کرے گا جو اس کے لیے اس کے دین کو نیا کر دے گا)۔

یہ روایت ابوداؤد کی ہے، حاکم نے مستدرک، کتاب الفتن میں اور بیہقی نے مدخل میں اس کی دوسری روایتیں کی ہیں۔

بعض محدثین نے گو اس حدیث کی سند میں کلام کیا ہے خود اسی ابوداؤد کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک رفع میں راوی کو تردد ہے، مگر ایسی بہت سی حدیثیں ہیں جن کی سند میں کلام کیا گیا ہے مگر واقعہ نے ان کی صداقت کی توثیق کر دی ہے، یہی حال اس حدیث کا بھی ہے اور تاریخ اسلام اس کی صداقت کی شاہد ہے۔

اس موقع پر ایک شبہ کا دفعہ کرنا ضروری ہے، عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ ہر صدی کے سرے پر ایک ہی مجدد پیدا ہوتا ہے، لیکن لفظ "مَنْ" جیسا کہ محققین نے اصول فقہ میں ثابت کیا ہے کہ کسی خاص کے لیے ہونا اس کا ضروری نہیں، (۲) بلکہ عموم بھی اس سے سمجھا جاتا ہے، یعنی اس سے ایک، دو اور چند بھی سمجھے جا سکتے ہیں، جیسے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ کی آیت میں "آمَنَّا" اور "هُمْ" کی جمعیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ "مَنْ" کے لیے ایک کا ہونا ضروری نہیں، اس لیے بالکل ممکن ہے کہ مختلف ملکوں میں یا مختلف اصلاحوں اور مختلف مفاسد کے مقابلہ میں تجدید دین کے لحاظ سے ایک ہی وقت میں کئی مجدد ظہور کر سکتے

---

(۱) ابوداؤد کتاب الملاحم۔

(۲) ضروری نہیں لیکن زبان کا عام استعمال یہی ہے، اور اس حدیث تجدید میں تو "ہر صدی کے سرے" کی قید بے تکلف بول رہی ہے کہ اس سے مقصود کسی بہت خاص نمایاں فرد کی بعثت ہے ورنہ کچھ نہ کچھ لوگ تو ہر صدی کے ہر حصہ ہی میں ایسے پائے جاتے ہیں جو تھوڑی بہت دین کی تجدیدی خدمت انجام دیتے ہیں۔ (مؤلف)

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں اور یہی وجہ ہے کہ علماء نے بعض دفعہ ایک ہی وقت میں کئی بزرگوں کو مجدد مانا ہے۔

حدیث میں "علی رأس کل مائة" آتا ہے، یعنی ہر صدی کے سرے پر، سرا ابتدا اور انتہا دونوں پر بولا جاتا ہے، چنانچہ بعض شارحین ابوداؤد نے لغت سے دونوں استعمالوں کو ثابت کیا ہے، اس لیے "رأس کل مائة" کا صحیح ترجمہ صدی کے سرے پر کے بجائے تخصیص کے ساتھ ابتدا اور انتہا پر نہیں آنا چاہیے۔

ایک اور بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ صدی کے سرے پر مجدد کی پیدائش ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس وقت اس کے تجدیدی مشن کا آغاز ہوتا ہے، جس کو حدیث میں بعثت کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیدائش کے چالیس برس کے بعد مبعوث ہوئے۔

ایک اور نکتہ کو بھی کھول دینا ضروری ہے، حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ مجدد دین کو نیا کر دے گا یعنی رسوم و بدعات وفسادات کی کہنگی کو دور کر کے اصل دین کو ظاہر کرے گا، اس لیے مجدد کی بڑی پہچان جس سے خواص اس کو پہچان اور عوام جان سکتے ہیں کہ اس کی تعلیم و تلقین اور جدوجہد اور دعوت و تبلیغ سے زمانہ کی ظلمتیں اور خیالات کی بدعتیں اور اعمال کے مفاسد دور ہو کر وہ اصل دین نمودار ہو جائے جس کی صحیح تصویر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نگارخانۂ کتاب وسنت میں محفوظ ہے۔

چونکہ اس حدیث کا سہارا لے کر بعض دفعہ مدعیان باطل نے نئے نئے دعوے کیے ہیں یہاں تک کہ نبوت کے حدود حرم تک پہنچنے کی کوشش کی ہے اور اسلام میں نئے نئے فرقوں بلکہ امتوں کی بنیاد ڈالنی چاہی ہے، اس لیے یہ لغزش گاہ بھی ہے اور اس مقام پر قلم اور قدم کو بہت پھونک پھونک کر چلنا چاہیے، اسی لیے ضرورت ہے کہ بتا دیا جائے کہ نبی کی ضرورت اصل احکام کے من جانب اللہ انسانوں تک پہنچانے کے لیے ہے، یعنی نبی اللہ تعالیٰ سے پا کر بندوں تک پہنچانے میں واسطہ ہے، وہ عقل وقیاس اور علم وفہم سے نہیں کہتا، بلکہ وہ جو کچھ کہتا ہے وحی سے کہتا ہے اور خدا سے پا کر کہتا ہے، اس کی وحی و

www.abulhasanalinadwi.org

تعلیم ہر خطا سے پاک اور وہ خود ہر غلطی سے معصوم ہے، مگر مجدد کا یہ حال نہیں ہے، بلکہ کتاب وسنت اور وحی ورسالت کے احکام وپیغام کو سمجھ کر اور اپنی فراست ایمان، صفائے ذہن، عقل مستقیم اور قیاس صحیح اور رائے صواب سے صحیح غلط میں تمیز کرتا ہے، دین کو غیر دین سے، ارشادات الٰہی کو ایجادات انسانی سے، سنت کو بدعت سے ممتاز کرتا ہے، اور اپنی علمی وعملی زندگی کی طہارت ونزاہت اور ثبات واستقامت اور نبی کی اتباع کامل اور اقتدائے تام سے محبوبیت ومقبولیت کی شان پیدا کرتا ہے۔

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ نبی کو ماننے اور اس پر ایمان لائے بغیر انسان اصل شریعت سے محروم رہتا ہے، اور کفر سے لپٹا رہتا ہے، اس لیے اس پر نعیم آخرت کا ہر دروازہ ہمیشہ کے لیے بند اور عذاب آخرت کا ہر دروازہ ہمیشہ کے لیے کھل جاتا ہے، لیکن مجدد کے نہ ماننے سے وہ صرف کتاب وسنت کی صحیح ترجمانی سے محروم (۱) رہتا ہے، اور بدعات وفسادات کی آمیزشوں سے بچ نکلنے میں اس کو مشکلیں پیش آتی ہیں، اس لیے ہوسکتا ہے کہ جنت تک پہنچنے میں اس کو عذاب کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑے، ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾۔

اسی وجہ سے نبی اور مجدد کی دعوتوں کی نوعیت میں بھی فرق ہے، نبی ہر شخص کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اور نبی کی نبوت پر ایمان لانا ایمان کا جزء ہے جس کے بغیر کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا، کیونکہ نبی کو نبی مانے بغیر اس کے واسطہ سے آئے ہوئے احکام الٰہی اور کلام ربانی تک رسائی نہیں ہوسکتی، لیکن مجدد اپنی شخصیت کی دعوت نہیں دیتا، یہاں تک کہ مجدد کو مجدد ماننا ایمان کا ادنیٰ جزو بھی نہیں ہے، خصوصاً کسی ایک زمانہ کے کسی خاص مجدد کو مجدد تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں۔ (۲)

---

(۱) یہ محرومی بھی کتنی بڑی محرومی ہے کہ دولت ایمان رکھ کر بھی اس کے دینی ودنیوی ثمرات وبرکات سے گویا عملاً محروم ہی رہتا ہے۔ (مؤلف)

(۲) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) نے تجدید دین والی مذکورہ حدیث کو پیش کر کے بڑی بلیغ بات لکھی ہے کہ "تجدید دین اسلام میں بہت بلند مقام اور مخصوص رتبہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، اس لیے تجدید دین کا کام اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً آپ کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

اسی فرق سے دوسرا فرق بھی پیدا ہوتا ہے، نبی کو اپنا نبی ہونا، یقینی اور قطعی طور سے معلوم ہوتا ہے اور اس کو اللہ کی تعلیم اور خبر سے اس واقعہ کا ہونا یقینی بدیہی معلوم ہوتا ہے جس کے لیے اس کو دلیل کی بھی ضرورت نہیں، لیکن مجدد کو اپنا مجدد ہونا ظن وتخمین سے زیادہ معلوم بھی نہیں ہوتا، بلکہ اگلے زمانہ کے مجددین کا مجدد ہونا بالعموم ان کی وفات کے بعد ان کے پاکیزہ کارناموں اور مقدس حالات اور تجدیدانہ مساعی سے خواص امت پر یہ ظاہر ہوا، اور اس کے بعد لوگوں نے مان لیا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی صدی کے خاتمہ کا مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۱ھ) کو اور دوسری صدی کا مجدد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۴ھ) کو مانا۔

تیسری صدی میں امام ابوالحسن اشعریؒ اور پھر امام الحرمینؒ اور پھر امام غزالیؒ کو بہتوں نے اس منصب کے قابل قرار دیا، اس کے بعد اہل حدیث نے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ساتویں صدی کا مجدد بتایا، ہندوستان میں دسویں صدی کے خاتمہ پر حضرت شیخ احمد سرہندیؒ، پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے بعد ایک جماعت نے مولانا اسماعیل شہیدؒ کو اس منصب کا اہل تسلیم کیا۔

حافظ سیوطیؒ نے نویں صدی میں ایک نظم میں ان بزرگوں کے نام گنائے ہیں جن کو بعض خواص امت نے مجددوں میں شمار کیا ہے، چنانچہ حافظ سیوطیؒ کے بتائے ہوئے اسماء مبارکہ یہ ہیں؛ نوی صدی میں انھوں نے صرف اپنے متعلق امید ظاہر کی ہے مگر ان کے معاصر امام سخاویؒ بھی اس عہدہ کے دعویدار ہیں، اس لیے دونوں کے نام لکھے جاتے ہیں:

۱-	پہلی صدی	عمر بن عبدالعزیزؒ (المتوفی ۱۰۱ھ)
۲-	دوسری صدی	امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) امت کے چند اولوالعزم افراد سے لے گا، جن کی کوششوں اور مسیحانفسی سے دین میں جان پڑے گی اور اہل دین میں نئی زندگی پیدا ہوگی۔" (سیرت سید احمد شہیدؒ جلد دوم ص/ ۵۲۵ (محمود)

www.abulhasanalinadwi.org

۳-	تیسری صدی	حافظ بن شریح، امام ابوالحسن اشعریؒ
۴-	چوتھی صدی	امام باقلانیؒ، امام سہل بن ابا ابو حامدؒ
۵-	پانچویں صدی	امام غزالیؒ
۶-	چھٹی صدی	امام رازیؒ، رافعیؒ
۷-	ساتویں صدی	ابن دقیق العیدؒ
۸-	آٹھویں صدی	امام بلقینیؒ یا حافظ زین الدین عراقیؒ
۹-	نویں صدی	حافظ سیوطیؒ یا امام سخاویؒ

حافظ سیوطیؒ شافعی تھے اس لیے انھوں نے زیادہ تر نام شافعیوں کے لکھے ہیں، محدثین نے جو فہرست پیش کی ہے اس میں چوتھی صدی تک کے محدثین کے نام گنائے ہیں (۱):

۱-	پہلی صدی	ابن شہاب زہریؒ و قاسمؒ بن محمد و سالمؒ و حسن بصریؒ و محمد بن سیرینؒ (امام باقر)
۲-	دوسری صدی	یحییٰ بن معینؒ امام الجرح والتعدیل
۳-	تیسری صدی	نسائیؒ صاحبِ سنن نسائی
۴-	چوتھی صدی	حاکم صاحبِ مستدرک و حافظ عبدالغنی مصریؒ

اس کے بعد دسویں صدی میں صاحبِ خلاصۃ الاثر نے شمس الدینؒ بن شہاب الدین کا نام لیا ہے جن کو ان کے اہل زمانہ وقت کا مجدد سمجھتے تھے، گیارہ سے لے کر چودہ تک کا زمانہ ہندوستان کا ہے، اس موقع پر ایک بات اہل نظر کو صاف نظر آئے گی کہ دینی قطبیت کا مرکز دوسرے اسلامی ملکوں سے ہندوستان کو منتقل ہو گیا، چنانچہ دینی و مذہبی خدمت، علوم و فنون کی خدمت، حدیث و تفسیر کی خدمت اور ہدایتِ

---

(۱) اصل بات وہی معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح کے سارے اکابر نے اپنی اپنی جگہ کوئی نہ کوئی تجدیدی خدمت انجام دی ہے، لیکن اگر حدیث تجدید کو قبول کیا جائے تو "صدی کے سرے" کی قید و تخصیص کسی تخصیصی مجدد کو بھی ضرور مقتضی ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

www.abulhasanalinadwi.org

خلق واحیاء سنن وردّ بدعات کے لحاظ سے ہندوستان تمام دوسرے اسلامی ملکوں پر سبقت لے گیا ہے، کیونکہ ان صدیوں میں ہندوستان میں جو ہستیاں نمایاں ہوئیں، ان کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں ملتی، مثلاً گیارہویں صدی کے آغاز میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ المتوفی ۱۰۳۴ھ اور بارہویں صدی کے وسط میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ المتوفی ۱۱۷۶ھ اور تیرہویں صدی کے وسط میں مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلویؒ اور مولانا سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ۔(۱)

بیرون ہند حجاز میں کچھ ایسے بزرگ گذرے ہیں جن کے فیض سے علوم حدیث کو دنیائے اسلام میں رواج ہوا اور ان کی برکت سے ہندوستان اور حجاز یکساں مستفید ہوئے، چنانچہ گیارہویں صدی میں ابراہیمؒ بن حسن کردی نزیل مدینہ، اور بارہویں صدی میں شیخ صالح بن محمدؒ بن نوح نزیل مدینہ کے نام بعض محدثین نے لیے ہیں، شیخ ابراہیمؒ بن حسن کردی کے صاحبزادہ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ کے استاذ ہیں۔

(۱) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تیرہویں صدی ہجری کے مجدد کی حیثیت سے امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ کی شخصیت کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علماء و مبصرین کے ایک بڑے گروہ کا خیال ہے کہ حضرت سید احمد صاحبؒ تیرہویں صدی کے مجدد تھے اور اگر تجدید دین کوئی چیز ہے تو آپ کی ذات سے اس کا ظہور ہوا، سید صاحبؒ کی تجدید کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے اصول ومبادی میں اپنی جامعیت میں اور اپنے نظام وترتیب میں اور اپنے نتائج وآثار میں اسلام کی اصل دعوت سے بہت مشابہ اور قریب ہے اور حقیقت میں کسی ایسی ہمہ گیر اور بنیادی کوشش پر تجدید کا لفظ (جس کے معنی اصل دین کو نیا اور تازہ کردینا ہے) منطبق ہوتا ہے، سید صاحب کا اصل کام جس کی تاریخ وتفصیل کئی سو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے، اسی نقطے سے شروع ہوتا ہے، جو اصل اسلامی دعوت کا نقطۂ آغاز ہے اور ہمیشہ اس کی ہر تجدیدی کوشش کا نقطۂ آغاز رہے گا یعنی صحیح اور کامل مسلمان پیدا کرنا، اسلام کی دعوت کو نئے سرے سے اسی قوت اور روح کے ساتھ پیش کرنا، جس طرح اس زمانہ میں اس کی ضرورت ہے۔" (سیرت سید احمد شہیدؒ جلد دوم ص/۵۲۵-۵۲۶)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے تیرہویں صدی ہجری کے مجدد کی حیثیت سے حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی جماعت کو گردانا ہے، جس میں ان کے ساتھ ان کے خلیفہ مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور دوسرے خلیفہ مولانا عبدالحی بڈھانوی کی اصلاحی خدمات ہیں جو ان ہی کی تجدید کے سایہ میں ہیں اور یہ ایسی تجدید تھی جس کے اثرات بہت بعد تک رہے، یہاں تک کہ بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس (م ۱۳۶۳ھ) نے ایک موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے یوں فرمایا کہ ہم لوگ آج بھی حضرت سید صاحبؒ کی تجدید کے سائے میں ہیں۔ (ملاحظہ ہو کاروان زندگی حصہ اول) (محمود)

www.abulhasanalinadwi.org

گیارہویں صدی کے مجدد وقت حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو مجدد کے لقب سے سب سے پہلے ملاّ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے ملقب کیا جو شاہجہاں کے عہد کے سب سے بڑے عالم تھے، اور جن کی تصنیفات دنیائے اسلام میں شائع و رائج ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس لقب کو ایسا مقبول کیا کہ زبانِ خلق پر ان کا نام ہی مجددِ الف ثانی قرار پایا۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کارنامے سب کے سامنے ہیں، اور انھوں نے خود بھی اپنے متعلق اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں ادھر اشارہ کیا ہے، حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی ذات سے ہندوستان میں دین اسلام نے جو قوت و توانائی پائی اور عقائد اسلام جس طرح رسوم و بدعات سے پاک ہوئے اور بہت سی مردہ سنتیں جس طرح ان کے دم قدم سے زندہ ہوئیں اور اب تک ہیں وہ محتاج دلیل نہیں، حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ساتھ حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ کا نام لینا بھی مناسب ہوگا، گو یہ دونوں ہستیاں یک جان و دو قالب ہوگئی تھیں (۱)، اور ان میں سے جن کو چاہو مجدد کے وصف سے متصف مان لو۔

ان بزرگوں کی تاریخ پیدائش و وفات کا حال ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا:

۱- حضرت شیخ احمد سرہندیؒ	پیدائش:	۹۷۱ھ	وفات:	۱۰۳۴ھ
۲- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	//	۱۱۱۴ھ	//	۱۱۷۶ھ
۳- حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ	//	۱۱۹۳ھ	//	۱۲۴۶ھ
۴- حضرت سید احمد شہیدؒ	//	۱۲۰۱ھ	//	۱۲۴۶ھ

(۱) جیسا کہ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تحریر فرمایا ہے یہ دونوں ہستیاں یک جان و دو قالب ہوگئی تھیں اس میں ایک تیسری شخصیت مولانا عبدالحی بڈھانویؒ کا نام بھی لے لیا جاتا تو مناسب ہوتا، مولانا محمد جعفر تھانیسری صاحب "سوانح احمدی" حضرت سید احمد شہیدؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: "جس تاریخ سے یہ دونوں بزرگ (مولانا شاہ محمد اسماعیل و مولانا عبدالحی بڈھانویؒ) داخل خدام ہوئے تھے اس تاریخ سے تا مرگ بلا کسی دینی ضرورت کے آپ کی خدمت بابرکت سے ایک دم بھی علاحدہ نہیں ہوئے اور حق تو یہ ہے کہ ان بزرگوں نے سید صاحبؒ کو خوب پہچانا تھا ان کی جاں نثاری اور فرماں برداری ضرب المثل ہے۔" (کاروان ایمان و عزیمت ص/۳۶ از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ) (محمود)

www.abulhasanalinadwi.org

بہر حال اوپر کی تفصیلوں سے ظاہر ہے کہ کسی مجدد کا مجدد ہونا کوئی اذعانی اور یقینی مسئلہ نہیں ہے اور نہ اس کے دعوے پر موقوف ہے، بلکہ خواص امت کو اس کے دینی کارناموں کی بنا پر یا اسی شخص کو اپنی کوششوں کی مقبولیت کی بنا پر یہ گمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صدی کا مجدد بنا کر بھیجا ہے۔

عصر حاضر یعنی چودھویں صدی کے مجدد کی تعیین کے لیے بھی وہی معیار ہوگا جو اگلوں کے لیے تھا، یعنی ان کے کارنامے اس منصب جلیل پر سرفراز ہونے کی گواہی دیتے ہیں، اور اس تعیین میں نیک نیتی سے دو شخصوں کی راہیں حسب عقیدت ومحبت مختلف ہو سکتی ہیں، اور ان میں سے کسی ایک پر اعتراض اور ایراد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ مسئلہ محض گمان وتخمین اور قیاس کا ہے۔

اس صدی کے بزرگوں میں سے مرشدنا حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ایک خاص ممتاز حیثیت ہے، علوم ظاہر وباطن کی یکجائی، اور تمام کمالات علمی وعملی کا ان میں اجتماع، ایک طرف فقہ وفتاویٰ کی مسند نشینی، دوسری طرف تصنیف وتالیف وتحریر ووعظ وتقریر سے ہدایت خلق، ردّ بدعات، دفع شبہات، ابطال رسوم اور تیسری طرف اپنے انفاس قدسیہ سے باطنی فیوض وبرکات کا اجراء اور اسلام کے عقائد واعمال کو زمانہ کے تہہ بہ تہہ ظلمات کے گرد وغبار سے پاک کرنا ایسے اوصاف ہیں جن کا اجتماع ان کے محبین ومعتقدین کے خیال میں اس درجہ پر ہے کہ وہ منصب تجدید کی حد تک پہنچتا ہے۔(۱)

حضرت والا کی ولادت ۱۲۸۰ھ میں ہوئی، مراتب درس وتعلیم سے فراغت ۱۳۰۰ھ میں ہوئی، اور ۱۳۰۱ھ میں قطب وقت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مقدس ہاتھوں سے دستار بندی ہوئی، اور اسی سال ۱۳۰۱ھ سے کانپور میں بیٹھ کر درس وتدریس

(۱) حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے معاشرتی جزئیات کو جس طرح زندہ کیا اور احیاء اسلام کی انفرادی واجتماعی جو کوششیں کیں اور تزکیہ وتربیت کے میدان میں جو تجدیدی خدمات انجام دیں تو ان کے معاصرین نے بھی ان کو مجدد ملت کہا، کسی نے مجدد معاشرت کہا، جس کو خود حضرت نے تسلیم کیا اور مجدد تصوف وسلوک کہا گیا، دعوت وارشاد کے میدان میں اور بھی شخصیتیں ہیں جیسے حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی، اسی طرح تعلیم وتبلیغ کے میدان میں بعض دوسری شخصیتوں کی خدمات سامنے آئیں۔ (محمود)

www.abulhasanalinadwi.org

اور وعظ وتقریر اور تالیف وتحریر کا آغاز فرمایا اور اسی سال قطبِ آفاق حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے فیضِ دیدار سے مسرور ہوئے اور اسی سال فریضہ حج سے مشرف ہوئے اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت ہو کر اور فیوض گوناگوں سے بہرہ اندوز ہو کر ۱۳۰۲ھ میں واپس ہوئے۔

ان تاریخوں کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ "علی رأس مائة" کی ظاہری مطابقت بھی واضح ہو جائے، حضرت مولانا کے دینی وعلمی وروحانی واصلاحی کارناموں کو دیکھ کر خواص امت کو حضرت کے مجدد وقت ہونے کا گمان حضرت کی زندگی ہی میں ہو چکا تھا اور بعض صاحبوں نے ہمت کر کے آپ سے دریافت بھی فرمایا تو اس طرح اس کا جواب دیا جس طرح حدودِ شرع کے اندر احتیاط کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، چنانچہ زبانی وتحریری دونوں قسم کی روایات اس بندۂ ہیچ مداں تک پہنچی ہیں، "الافاضات الیومیہ" سے مؤلف ہذا نے حضرت کے حسب ذیل ملفوظ اس کتاب کی تمہید (انسان کا حیوانی اور مادّی رخ) میں نقل کیا ہے، ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا:

> "کیا حضرت مجدد وقت ہیں؟ فرمایا: احتمال تو مجھ کو بھی ہے مگر اس سے زائد نہیں، جزم اوروں کو بھی نہیں کرنا چاہیے، ظن کے درجہ میں گنجائش ہے، باقی قطعی یقین تو کسی مجدد کا نہیں ہوا، جس پر جتنا اور جس درجہ کا فضل ہو جائے "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ."

اس سے زیادہ واضح عبارت کمالات اشرفیہ صفحہ ۲۰۰، ملفوظ ۱۱۸۷ میں ہے:

> "ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجدد وقت ہیں؟ فرمایا: کہ چونکہ نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں، اس لیے اس کا احتمال مجھ کو بھی ہے، مگر اس سے زائد جزم نہ کرنا چاہیے، محض ظن ہے، اور یقینی تعین تو کسی مجدد کا نہیں، الحمد للہ حمدا کثیرا مبارکا فیه علی هذا الاحتمال."

www.abulhasanalinadwi.org

مسئلہ کی حقیقت اس حد تک ہے، مگر حضرت والا کے ایک معتقد خاص اور صحبت یافتہ اور اجازت یافتہ باا ختصاص نے جن کا تعلق حضرت مولانا سے پندرہ سال رہا اور جو ماشاء اللہ خود بھی عالم وفاضل اور مشرقی و مغربی فلسفہ کے ماہر اور متعدد کتابوں کے مصنف ومترجم ہیں اور ساتھ ہی حضرت کے یمن صحبت اور فیض و برکت سے باطن کی دولت سے بھی مالا مال ہیں، حضرت کی تجدیدات اور اصلاحی کارناموں پر چار ضخیم (۱) تالیفات ترتیب دیں، اور ان میں تمام ایسے شواہد ودلائل جمع کردیئے ہیں جن سے یہ احتمال قوی سے قوی تر ثابت ہوسکے، چنانچہ یہ کتاب اسی سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، اس میں مؤلف نے حضرت والا کی ان تجدیدی واصلاحی کوششوں کو جوامت مرحومہ کی ہر نوع وہر صنف کے لیے مفید ہیں پورے استقصاء کے ساتھ جمع کردیا ہے، ان کو پڑھ کر خاص وعام ہر شخص حضرت کے ان اصلاحی کارناموں کو تجدیدی رنگ میں پاکر ان کے مجدد وقت ہونے کے قوی سے قوی تر احتمال کے ماننے پر مجبور ہوگا، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے کہ حضرت والا کے ان تجدیدی کارناموں پر ایک فاضل ولائق شخص نے ظن وتخمین کو قوی کرنے کے لیے شواہد ودلائل بھی یکجا کردیئے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو کسی زمانہ میں کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ."

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کسی کو یہ شبہ نہ گذرے کہ اس تحریر یا تالیف کا مدعا کسی شخص کی مجددیت کے دعویٰ کی تشہیر یا منصب تجدید کی دعوت وتلقین ہے، بلکہ یہ مؤلف کی عقیدت مندانہ تعبیر ہے کہ وہ حضرت کی اصلاحی مساعی کو "تجدیدات" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی اصلاحات کی خاص شان یہ ہے کہ وہ ہمہ گیر ہیں، اصلاح امت کی کوشش میں علمی وعملی زندگی کے ہر گوشہ پر ان کی نظر تھی، بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک، فاسقوں سے لے کر صوفیوں، درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر

(۱) ۱-تجدید معاشرت (تجدید دین کامل) ۲-تجدید تصوف وسلوک۔ ۳-تجدید تعلیم وتبلیغ ۴-تجدید معاشیات۔

www.abulhasanalinadwi.org

امیروں، دولت مندوں تک، خریداروں سے لے کر تاجروں تک، طالب علموں سے لے کر استادوں اور مدرسوں تک، غرض ہر صنف امت اور ہر جماعت کے کاموں تک ان کی نظر دوڑی، پیدائش، شادی بیاہ، غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نگاہ پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا کھوٹا الگ کیا اور رسوم و بدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا، تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، معاملات، اخلاق، عبادات اور عقائد میں دین خالص کی نظر میں جہاں کوتاہی نظر آئی، اس کی اصلاح کی، فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمان کی زندگی کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق بھی اپنے جانتے پورا سامان مہیا کر دیا، اور خصوصیت کے ساتھ اس فن احسان و سلوک کی، جس کا مشہور نام تصوف ہے، تجدید کی، جو دنیا میں کسمپرسی میں اور ہندوستان میں بحالت غربت تھا، اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آ گئی تھی، جو دوکاندار صوفیوں کے ہاتھوں کسب معاش کے فنون میں سے ایک فن کی صورت بن گیا تھا اور جہاں اس کی تعلیم ہوتی تھی وہاں وہ یا محض چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا تھا یا اوراد و ظائف کے ایک نصاب کا، سلف صالح نے اس فن کے جو ابواب و مسائل منقح کر کے لکھے تھے وہ بالکل فراموش ہو گئے تھے، اور خصوصیت کے ساتھ سلوک کی حقیقت اور غایت بالکل چھپ گئی تھی اور جہاں کسی قدر اس کا نام و نشان تھا وہاں علم و نظر میں وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود کی ناقص تعبیر پر اور اعمال میں صرف ذکر و فکر و مراقبہ کی چند تعلیمات پر بالکلیہ قناعت تھی، خانقاہوں میں سماع و اعراس و محافل کے سوا اس کا کوئی حقیقی مظہر باقی نہیں رہا تھا، طریقت و شریعت کو دو متقابل حریف ٹھہرا کر ان میں سے ایک کی توہین و تحقیر کی جا رہی تھی۔

یہ تو ان کا حال تھا جو دین کے مدعی تھے، باقی عوام تو ان کی زندگی دین سے خالی ہو کر رسوم و بدعات کی نذر ہو گئی تھی، مسلمان کی زندگی کے کسی گوشہ میں بھی دین اور خالص دین کا تخیل نہ تھا، اخلاق کی تعلیم اور معاملات، معاشرات کی تصحیح دین کا مل

www.abulhasanalinadwi.org

کے دائرہ سے باہر ہو گئی تھی۔

تعلیم جدید کی نئی آب و ہوا نے تفرنج اور فرنگی مآبی کا وہ زہر پھیلا دیا تھا جس سے دینی عقائد و اعمال کی ہر چیز پر مردنی چھا گئی تھی، اور جہاں دین کا کچھ خیال زندہ تھا، شکوک و شبہات کی کثرت و شدت نے اس پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔

ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے ایک گوشہ میں ایک دوربین زندہ دل مرد درویش بیٹھا ہوا مسلمانوں کے سارے احوال اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر نظر ڈال کر حق و باطل، نیک و بد اور صحیح و غلط کے درمیان تفرقہ کی لکیر بنانے میں مصروف تھا، اس کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی، اور اس کو دیکھ دیکھ کر موجودہ مسلمانوں کی زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں غلطیاں تھیں وہ ان کو درست کرنے میں مشغول تھا، اس نے پوری زندگی اس میں صرف کی کہ مسلم کی تصویر حیات کو اس شبیہ کے مطابق بنائے جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔

اس یقین کو جو مسلمان کے سینوں میں چودہ سو برس سے نقش تھا کہ دین ہی ان کی دینی و دنیاوی دونوں ترقیوں کا کفیل ہے لیکن جس کو تعلیم جدید نے یورپ کی نقالی میں شک سے بدل دیا تھا، اس حکیم الامت نے دوبارہ پیدا کیا اور بتایا کہ حقیقت میں ترقی جس کی اس وقت دم بدم پکار ہے، اونچے محلوں، بھرے خزانوں، بیش قیمت لباسوں، گراں بہا سامانوں، بڑی بڑی تجارتوں، اعلیٰ ملازمتوں، اونچی تنخواہوں، شاہانہ احتراموں، اعزازوں اور خطابوں کا نام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے ساتھ بلند اخلاق، شریف عادات اور پاک و صاف قلب کا نام ہے، جو آب و گل سے وابستہ اور فانی کا طالب نہ ہو، اور حرص و ہوا، حب مال اور حب جاہ کا گرویدہ نہ ہو جس میں اخلاق کے ساتھ خالق کی رضا کے لیے خلق کی خدمت کا جذبہ ہو۔

فقر و تصوف، علم و فن اور تمدن و سیاست، زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان اپنی غرض و غایت اور اصول و مبادی کو چھوڑ کر ہندی و عجمی و یونانی و افرنگی تصور حیات کی

www.abulhasanalinadwi.org

تقلید میں مصروف ہو گئے اور اب تک مصروف ہیں، اور اسی کی رونق کو اپنے کاشانہ کی عظمت جانتے ہیں، فقر و تصوف میں ہندی و یونانی تصورات جوگ و اشراق کی تقلید ہے، علم و فن میں عجمی و یونانی مذاق کی پیروی ہے، تمدن و سیاست میں ایرانی و رومی رنگ کی آمیزش ہے، کیا عجیب بات ہے کہ وہ دین جو قیصریت و کسروانیت کے رنگ کو مٹانے آیا تھا، اسی کے نام لیوا چالیس برس کے بعد خود ہی قیصریت و کسروانیت کے رنگ میں آہستہ آہستہ ایسے رنگ گئے کہ اس کے امراء و حکام خلفاء راشدین کی نیابت کی جگہ قیصر و کسریٰ کی جانشینی پر فخر کرنے لگے، وہی تعیش، وہی سونے چاندی اور ریشم و حریر اور طاؤس و رباب کی زندگی مسلمان امراء و حکام کی زندگی کا مقصد بن گیا، بیت المال ان کا ذاتی خزانہ ہو گیا اور سلطنت ان کی موروثی ملکیت جاگیرداری اور زمینداری، اسلامی اصول کے بجائے قیصر و کسریٰ کے طرز کی پیروی جاری ہو گئی۔

یہ تو عہد گذشتہ کا حال تھا، عہد حال میں یورپ کے تمدن اور سیاست کی نقالی ہماری اسلامی سلطنتوں کا فخر ہے، ہمارے دارالسلطنتوں کے سامنے پیرس کے خاکے ہیں، ہماری خواتین کے سامنے انگلستان و فرانس کی عریانی و رنگینی اور بے حجابی ہے، ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں میں رقص و سرود اور ظاہری پوشاک و وضع کی اور طرز ماندو بود میں فرنگی مآبی زندگی کی کامیابی کا سب سے اعلیٰ تخیل ہے، غرض مسلمانوں کے دل و دماغ اور ذہن و تصور سے زندگی کی وہ غایت اور حیات کا وہ مقصد جو اسلام نے پیش کیا تھا یکسر مخفی اور پوشیدہ ہے۔

علم و فن پر غور کیجئے تو ہماری قدیم تعلیم اب تک یونان کی تقویم پارینہ کی پرستش میں اور تعلیم جدید یوروپین ضلالت و گمراہی خیال کی عکاسی میں مصروف ہے، اور سوائے تقلید و نقالی کے کوئی مجتہدانہ تصور ہمارے سامنے نہیں ہے، ہمارے سامنے جب اعلیٰ تمدن اور اعلیٰ سلطنت داری کا تخیل آتا ہے تو یورپ کی ایک ایک سلطنت اپنی پوری ہوش ربائی اور باطل آرائی کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتی ہے اور یہ حقیقت ہمارے سامنے سے گم

www.abulhasanalinadwi.org

ہو جاتی ہے کہ اسلام کا تصور سیاست اور تصور تمدن اور تصور علم وفن اپنا خاص ہے اور اسی کو دوبارہ پیدا کرنا اور دنیا کے سامنے لانا ہماری قومی وملی غرض وغایت ہے۔

سلوک اور فقر وتصوف جو درحقیقت اعلیٰ دین اور اعلیٰ اخلاق کا اصطلاحی نام تھا وہ ترک عمل اور چند رسوم ورواج کا مجموعہ ہو کر رہ گیا اور پیدائش سے لے کر موت تک کے تمام طرق حیات پر بدعات اور رسوم شرک وکفر کے تہہ بہ تہہ پردے پڑے ہیں، جن کی بزرگوں کی متروکہ وراثت کے نام سے ہم اب تک بقا کے درپے ہیں۔

ان حالات میں بڑی ضرورت تھی کہ اس اصلاح وتجدید کے خاکے کو جس کو ایک مصلح وقت اپنی تصنیفات ورسائل میں سپرد کر گیا ہے اور جن پر زبان کی کہنگی اور طریق ادا کی قدامت کا پردہ پڑا ہے، ان کو موجودہ زمانہ کے مذاق اور تقریر وتحریر کے نئے انداز کی روشنی میں اجاگر کیا جائے، سلسلہ تجدیدات اور اصلاحات کے نام سے چار جلدوں میں اسی خدمت کو انجام دیا گیا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے، اس وقت دنیا اور ہندوستان وپاکستان رفتار سفر کے جس موڑ پر ہے، ضرورت تھی کہ عین اس وقت یہ فرض انجام پاتا، سو بحمد اللہ تعالیٰ وہ عین وقت پر ایک سعادت مند قلم سے انجام پا رہا ہے، یہ کتابیں مسلمانوں کی حقیقی اصلاح وترقی کے متعلق حرف اخیر کی حیثیت رکھتی ہیں، دل سر بہ سجود ہے اور ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دیں کہ وہ اس آئینہ میں اپنے خط وخال کو دیکھ کر اپنی شکل کو پہچانیں اور غلط اور گمراہ دنیا کے پیرو ومقلد بننے کے بجائے دنیا کے امام وپیشوا بنیں اور ایک نئے تمدن، نئے طرز حیات، نئے مقصد زندگی اور نئے آئین سلطنت کی بنیاد ڈالیں۔

بیا تا گل بر افشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم وطرح نو در اندازیم

اور اس وقت کی غمزدہ اور مصیبت سے بھری ہوئی امن کی جویا اور سکینت کی پیاسی دنیا کو امن وسلامتی کا پیغام دیں اور انفرادی واجتماعی زندگی کی تکمیل کریں جو دنیا و

www.abulhasanalinadwi.org

آخرت کی صلاح وفلاح کی کفیل ہو اور سیاست اور ملک داری کو حرص وہوس، جھوٹ اور دغا اور مکر وفریب سے آزاد کریں۔

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد
من وساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

اسلام نے یہ بانگ دہل بتایا ہے اور تاریخ نے اس کی تائید کی ہے کہ حکمرانی کے استحقاق کے لیے اخلاقی جوہر لازم ہے، حبِّ مال اور حب جاہ یہ دولبالب زہر کے پیالے ہیں جو شربت زلال کی شکل میں حکام اور لیڈران کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، اگر کسی نے اس کی طمع میں آکر ان کو پی لیا تو نہ صرف ان کی بلکہ پوری ملت کی موت کا باعث بن جاتے ہیں، اس لیے وہ حکومتِ صالحہ جس کی دعوت، اسلام کا آئین دیتا ہے وہ ایثار واخلاص اور خدمت خلق کے للّٰہی جذبات سے تعمیر پاتی ہے، لیکن ان جذبات کی آفرینش اور مال وجاہ کی محبت سے قلوب کی حفاظت اس تقویٰ کے بغیر ممکن ہی نہیں جو قرآن سے ہدایت یابی کی پہلی شرط ہے، "ھدیً للمتقین" بے انصافی، کینہ پروری، رشوت خوری، پرمٹ فروشی، دوست نوازی، بلیک مارکٹنگ جن کی بدولت ہندوستان و پاکستان کی بنیادیں ہل رہی ہیں، وہ حاکموں اور عہدہ داروں اور وزیروں اور سوداگروں اور تاجروں اور زمینداروں اور کسانوں کی انھیں اوصاف عالیہ سے خالی اور محروم ہونے کے سبب سے ہیں، اور اس کا اصل سرچشمہ اس خشیت الٰہی اور جزائے "یوم الدین" سے بے گانگی ہے جس سے قلوب تزکیہ وتصفیہ کے آب صافی سے پاک وصاف ہوتے ہیں۔

اجتماعی کاموں کو چھوڑ کر انفرادی کام بھی تزکیہ قلب اور تصفیہ اخلاق کے بغیر فوز حقیقی سے محروم رہتے ہیں، افراد کے قلوب جب تک عناد وحسد، بغض وکینہ، عجب و غرور، ریا ونمائش سے خالی اور اخلاص وایثار، توکل واعتماد علی اللہ اور صبر وثبات سے معمور نہیں ہوتے، دنیا میں کامیابی سے اور آخرت میں اجر وثواب سے ہمکنار نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

ہوتے، اور یہ ایسے اصول ہیں جو ایک طرف اصول وتعلیمات دین اور دوسری طرف اجتماعی وانفرادی مبادی نفسیات سے ثابت اور مؤید ہیں۔

شخصی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی اس کے کاموں کی غایت رضائے الٰہی کی طلب اور احکام الٰہی کی تعمیل اور اعلاء کلمۃ اللہ کے بلند تخیل کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی، غیر فانی ملت کا مقصد حیات ایسے ہی غیر فانی مقاصد ہو سکتے ہیں، ورنہ محض دنیاوی فوز وفلاح یعنی دولت وحشمت، عیش کی زندگی اور اسباب راحت کی فراوانی اور بلند محلات اور خدم وحشم کی کثرت، تو وہ پست ومبتذل مقاصد ہیں جو زندگی کا فریب اور حیات انسانی کا سراب ہیں، ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ.

كل شيء ما خلا اللّٰهَ باطلٌ

سید سلیمان ندوی

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان کا حیوانی اور مادّی رُخ

زمغربی نظرے دام کن بدوست نگر
کہ تا بدیدۂ کامل کمالِ او بینی

سراپا مریض

ایک پرانا مریض سر سے پاؤں تک طرح طرح کے امراض کا شکار بستر پر پڑا ہے، آس پاس گوناگوں تعلقات کے ہمدردوں تیمارداروں اور طبیبوں کا ہجوم ہے، بہت زیادہ وہ ہیں جن کو براہ راست خود مریض کی ذات اور اس کی صحت و شفا سے دلچسپی نہیں، البتہ اس کے نام سے ان کے جاہی و مالی، ذاتی و اجتماعی بہت سے منافع وابستہ ہیں، اس لیے قدرتاً اس کی برائے نام زندگی کے خواہاں ہیں، جس سے ان کا کام چلتا رہے، بلکہ مریض کے پوری قوت وصحت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہونے اور پورے مالکانہ تصرفات کی صورت میں ان کے جاہی و مالی مقاصد میں رخنہ پڑ جانا یقینی ہے، لہٰذا یہ اپنی خیریت اسی میں جانتے ہیں کہ مریض کی زندگی کا بس اتنا نام رہے کہ پڑے پڑے سانس لیتا اور ان کے کام چلاتا رہے۔

کچھ ایسے بھی ہیں جو متمنی تو مریض کی کامل صحت وقوت کے ساتھ شفایابی کے ہیں، لیکن غلط فہمی سے توجہ صرف دل و دماغ کے معالجہ پر مرتکز ہے، باقی جسم کے تمام ظاہری و باطنی اعضاء و جوارح سے (جن سے کام لینے ہی کے لیے دل و دماغ کی

www.abulhasanalinadwi.org

صحت وقوت مطلوب ہو سکتی تھی) غفلت ہے اور وہ ناکارہ وشل ہو رہے ہیں، ایک اور جماعت ہے جس کی توجہ کا مرکز زیادہ تر ظاہری وجسمانی اعضاء وجوارح کی صحت و قوت ہے، کہ سوءِ فہم سے بظاہر عملی جدوجہد کا مدار ان ظاہری آلات ہی پر ہے، یہ قدرتاً دل و دماغ یا روح کی متصرفانہ اہمیت سے غافل ہیں، دوسرے اس جماعت کے اطباء نے محض کتابیں پڑھ کر مطب کھول دیا ہے، کسی حاذق طبیب کے پاس کچھ عرصہ نسخہ نویسی کی مشق سے جو ذوقی ووجدانی بصیرت ہوتی ہے اس سے بالکل محروم ہیں۔

معالجوں کی غفلت

بڑا غضب یہ ہے کہ معالج قریب قریب سب کے سب ''مویشی ڈاکٹر'' ہیں، جو انسان وحیوان میں ظاہری وجسمانی مماثلت کی بنا پر تشخیص وعلاج میں انھیں اصول وتجربات سے کام لے رہے ہیں جن کو مویشیوں یا جانوروں کے معالجہ میں کامیاب دیکھا ہے، مریض کی انسانی خصوصیات یا ذہنی وروحانی ممیّزات کی اہمیت ان کی نظر میں کہنا چاہیے کہ اتنی بھی نہیں جتنی ایلوپیتھ ڈاکٹروں کے مقابلہ ہومیوپیتھ کی جسمانی امراض میں ذہنی ودماغی علامات وکیفیات پر ہوتی ہے، بلکہ اسی طرح ان کا الٹے استہزا واستخفاف ہے جس طرح اکثر ایلوپیتھی والے ہومیوپیتھی کی ہنسی اڑاتے ہیں، غرض آدمی کو ظاہراً وباطناً جانور (۱) قرار دے کر علاج کا طریقہ ونتیجہ وہی ہے جو گائے بیل کی دوا ہو، اور اسی مقدار میں کسی انسان مریض کے حلق میں اتار دینے کا ہو سکتا ہے۔

---

(۱) یہ وہ ہیں جو مغربی وفرنگی تہذیب وتمدن، علوم وفنون، انکشافات وایجادات کی ظاہری چمک دمک اور وقتی و عارضی سیاسی ومعاشی غلبہ وتسلط سے مغلوب ومرعوب ہو کر یہ سمجھ بیٹھے کہ مسلمانوں کا علاج بھی یہی تعلیم وتہذیب، یہی سیاسیات ومعاشیات ہے، حالانکہ اس کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسان کو سرے سے انسان ہی نہیں بس ایک اعلیٰ درجہ کا حیوان (Higher animal) یا بڑھیا جانور تصور کیا گیا ہے، اور اس لیے قدرتاً اس تعلیم وترقی کی نظر وتوجہ تمام تر انسان کے حیوانی یا مادّی رخ پر ہے۔ (مؤلف)

www.abulhasanalinadwi.org

کامل وحاذق طبیب

سارے مجمع میں کامل وحاذق طبیب فقط ایک ہے، جس کی نظر بوقت واحد قلب وقالب دونوں کے ایک ایک مرض ومعالجہ پر ہے، وہ مریض کی پوری قوت و صحت کے ساتھ شفایابی کا مخلصانہ دل وجان سے طالب ہے، خود مریض کی انسانی خصوصیات وممیّزات ہی سے آگاہ نہیں بلکہ اس کا خاندانی معالج ہے، اس لیے خاندانی مزاج اور موروثی اثرات سے بھی خوب واقف ہے، اس کی کوشش ہے کہ ظاہری و باطنی، ذہنی وجسمانی کوئی روگ ایسا باقی نہ رہے، جو اس سے انسان کامل کے کمالات ومطالبات کے ظہور میں مخل ہو، نسخہ بھی ایسا مرتب کردیا ہے جس کے اجزاء میں تمام چھوٹے بڑے امراض کی دقیق رعایتیں ملحوظ وموجود ہیں، پیشکش کتاب مسلمانوں کے امراض کا یہی نسخہ ہے۔

انسان کا اعضائی نظام

مطلب یہ کہ جس طرح خود انسان ایک عضوی کل (Organic Whole) یا اعضائی وحدت ہے، یعنی باوجود اندرونی بیرونی، بڑے چھوٹے اعضاء وجوارح کی کثرت کے پھر بھی سب کا مرجع ومحور ایک ہی زندگی یا حیاتی وحدت ہے، اور یہ زندگی اپنے تمام تر کمال مقصد کو اسی وقت پورا کرسکتی ہے جب کہ سارے اعضاء وجوارح اپنا اپنا کام پورا کررہے ہوں، اسی طرح انسان کا دین کامل (اسلام) بھی ایک عضوی نظام ہے کہ جب تک کوئی فرد وجماعت اس نظام کے سارے اعضاء دیانات و معاملات اخلاق ومعاشرات تمام شعبوں میں اپنی زندگی کو اس کے قالب میں نہ ڈھال دے، اس وقت تک نہ دینی ودنیوی فلاح وصلاح کے مطلوبہ انفرادی ثمرات حاصل ہوسکتے ہیں نہ اجتماعی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور جس طرح مثلاً داڑھ کے درد یا جسم کے کسی اور چھوٹے بڑے عضو کے ماؤف یا متأذی ہونے سے سارا جسم دردمند و بیقرار اور بعض صورتوں میں سرے سے بیکار ہو جاتا ہے، اور زندگی اپنے مظاہر کے ظہور یا مقاصد کے حصول سے قاصر رہتی ہے، اسی طرح ایمان و عمل صالح کے کسی چھوٹے بڑے شعبہ کے ماؤف و مریض ہو جانے سے ساری دینی زندگی متاثر و متأذی ہو جاتی اور اپنے مظاہر و مقاصد کا حق ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

ایمانی و عملی عناصر

غرض جس طرح جسم کے سارے چھوٹے بڑے اعضاء و جوارح باہم اس طرح پیوستہ ہیں کہ ہر ایک کی صحت و سقم کا دوسرے پر عمل و ردِّ عمل ہوتا ہے، اسی طرح دین کامل کے بھی سارے ایمانی و عملی عناصر ایک ایسی غیر منفک و باہم پیوستہ وحدت ہیں کہ جب تک سب اپنی اپنی جگہ کارفرما نہ ہوں، دینی زندگی بھی اپنے دنیوی و اخروی مظاہر و مقاصد کی نمود و تکمیل سے عاری رہتی ہے۔

چہ جائیکہ جب دین کے سارے عقائد و اعمال ہی ماؤف و مختل ہوں، تو پھر وہ دین اتنا ہی دین ہوگا جتنا وہ آدمی جو سر سے پاؤں تک امراض کی گٹھری ہو، ہاتھ پاؤں جذام سے سڑگل رہے ہوں، سماعت و بصارت ختم ہو رہی ہو، دل و دماغ جواب دے رہے ہوں، بس بستر پر ایک لاش پڑی ہو، زندہ بلا شبہ اب بھی اس کو کہا جائے گا اور آدمی بھی کہا جائے گا، بیل بکری نہ کہا جائے گا(۱) لیکن کیا اس سے آدمیت یا انسانیت کے وہ اغراض و مصالح بھی پورے ہوں گے جو اس کی تخلیق میں مضمر تھے،

---

(۱) جو حضرات ایسے مسلمانوں کو مسلمان ہی نہیں کہتے ان کی غلطی واضح ہے، ہیں یہ بہر حال مسلمان ہیں اور اس لیے آخرت میں ان کا معاملہ یقیناً وانصافاً غیر مسلموں سے الگ ہوگا، مومن خواہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا ہو، اس کے ساتھ سرے سے غیر مومن ہونے کا معاملہ کیسے درست ہو سکتا ہے! (مؤلف)

www.abulhasanalinadwi.org

اسی کو حضرتِ مجدد وقت و معالج کامل فرماتے ہیں کہ:

''جیسے آپ کسی سے کہیں کہ ہم کو ایک آدمی کی ضرورت ہے، اور وہ ایسے آدمی کو چار پائی پر ڈال کر لائے جس کے اندر تمام بیماریاں موجود ہیں، آنکھیں بھی نہیں، کان بھی نہیں، ہاتھ پیر بھی بیکار ہیں، عقل بھی درست نہیں، البتہ جاندار ہے کہ اگر کوئی مار ڈالے تو قانون سے اس کو پھانسی ہو جائے، مگر کیا ایسے آدمی سے آپ کی کوئی غرض پوری ہو سکتی ہے اور آپ کہیں گے کہ اس گوشت کے لوتھڑے کو کیوں لائے ہو؟''

روحانی فساد

بس کچھ ایسا ہی بالعموم آجکل ہمارا انفرادی و اجتماعی دین و ایمان رہ گیا ہے کہ نہ عقائد صحیح، نہ عبادات درست، نہ معاملات بجا، نہ اخلاق و معاشرت ٹھیک، اکثر افراد و جماعت میں بس ایک مبہم و مجمل ایمان کے سوا کوئی شے ایسی نہ ملے گی جس کی بنا پر مومن کو غیر مومن یا مسلم کو غیر مسلم سے ممتاز کیا جا سکے، حضرت کی مثالیں تو عجیب دل نشین ہوتی ہیں، ایسے ایمان و اسلام والوں کو حضرت کے نزدیک مسلمان کہنا ایسا ہی ہے جیسے:

''ایک پیسہ رکھنے والے کو مالدار کہنا، بلکہ ایسا کہنے والے کو پاگل کہا جائے گا، بس جب ہم دین کے بہت سے کام چھوڑے ہوں تو اس حالت میں یہ دعویٰ کرنا کہ ہم مسلمان ہیں، ایسا ہی ہے جیسا ایک پیسہ رکھنے والے کا مالدار ہونے کا دعویٰ (گو وہ سرے سے بے پیسہ والا نہ سہی)۔

www.abulhasanalinadwi.org

اسی طرح خوبصورت وہ ہے جس کی آنکھ ناک سب درست ہوں، اگر کسی خوبصورت کی ناک کٹی ہو تو اس کو خوبصورت کون کہے گا۔"(۱)

خصوصاً جدید لادینی تأثرات و رجحانات سے مغلوب ہو کر ہمارے ایک طبقہ کا حال یہ ہو گیا ہے کہ غفلت و جہالت کی بنا پر نہیں، جان بوجھ کر بلا تحقیق و تفکر عقلیت و اجتہاد کے دعوے کے ساتھ دینی مسلمان کی جگہ قومی مسلمان بن گیا ہے، جس کا اصلی پیش نہاد اپنے فرنگی استادوں کی طرح انفرادی یا اجتماعی مادی ترقی و تعیش یا سیاسی و معاشی غلبہ و تسلط ہے۔

نیشنلسٹ (قومی) مسلمان

یہ قومی مسلمان نہ پورے اسلامی عقائد و ایمانیات کا قبول کرنا ضروری جانتے ہیں، نہ سارے اسلامی دیانات و عبادات کی پابندی لازم ہے، معاشیات کا تو گویا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں، بس اتباع ہوا اور اعجاب رائے کے زور میں ایمان و عمل کی جو بات اپنی مرضی و مطلب کے موافق نہ ہوئی بے تکلف کہہ دیا کہ کیا مسلمان ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے، ان کا اسلام بالکل مولانا روم کی مشہور حکایت والا شیر ہو گیا ہے جس کو اکثر حضرت علیہ الرحمہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ:

"ایک شخص بدن گودنے والے کے پاس گیا کہ میری کمر پر شیر کی تصویر بنا دو، اس نے سوئی لے کر ایک طرف کو چا دیا، اس نے کہا ہائے مر گیا، کیا بناتا ہے، کہا دُم، کہا کہ کیا بے دُم کا شیر نہیں ہوتا، اس نے چھوڑ کر دوسری طرف سوئی کا کوچا دیا، دریافت کیا کہ اب کیا بناتا ہے؟ کہا کان، کہا کیا بوچے شیر نہیں ہوتے، اس نے

---

(۱) تاہم اس کا شمار ہو گا آدمیوں ہی میں گو بدصورت اور نکٹا آدمی سہی۔ (تسہیل المواعظ ص/۱۴)

www.abulhasanalinadwi.org

تیسری طرف سوئی کا کوچا دیا، پوچھا اب کیا بنا تا ہے؟ کہا پیٹ، کہا کیا یہ کھاوے گا، اس نے چوتھی طرف کو چا دیا، دریافت کیا اب کیا بنا تا ہے؟ کہا سر، کہا بے سر کا بھی تو بن سکتا ہے؟ اس نے سوئی پھینک کر کہا:

شیر بے گوش و سر و شکم کہ دید
ایں چنیں شیر خدا ہم نامزید"

تو واقعی اس قسم کا شیر، خدا نے بھی نہیں پیدا کیا ہے اور نہ اس قسم کا اسلام عطا کیا ہے کہ جس ایمان وعمل کو چاہو چھانٹ دو اور پھر شیر اسلام بنے رہو۔

اسلام کی لفظی ومعنوی حقیقت

اسلام کی تو لفظی ومعنوی حقیقت ہی یہ ہے کہ وحی ونبوت یا خدا کے حکم و حکمت کے مقابلہ میں بندہ اپنی رائے و ہوا، یا عقل وخواہش سے دست بردار ہو جائے، مرد مومن کی زندگی آفاق وانفس دونوں کے خلاف پیہم "اصغر واکبر" جہاد ہے، جس کا کام توپ وتفنگ کے لیے سینہ سپر رہنا ہو وہ سوئی کے کوچوں کو کیا خاطر میں لاسکتا ہے، ورنہ پھر شیر اسلام بننے کا حوصلہ ہی بے معنی ہے!

چوں نداری طاقت سوزن زدن
بس تو از شیر زیاں ہم دم مزن

دنیا میں تو اگر مارکس اور لینن بھی کسی خاص سیاسی ومعاشی اصول وتصور (آئیڈیالوجی) کا علم بلند کریں اور اس کی حکومت قائم کرنا چاہیں تو اس کے خلاف افراد کو ذاتی وشخصی رائے وخواہش کا علم بغاوت بلند کرتے رہنے کا حق نہیں، لیکن مسلمان بنے رہنے کے لیے نہ ایمان وعقیدہ کے کوئی خاص تصورات (آئیڈیالوجی)

www.abulhasanalinadwi.org

قبول کرنا ضروری ہے نہ احکام و اعمال کے کسی خاص ضبط و ضابطہ (ڈسپلن) کے ماتحت رہنا لازم، نہ اس کے میدان کارزار یا چھوٹے بڑے جنگ و جہاد کے سپاہیوں کی کوئی خاص وضع و قطع یا وردی، جس فرد کا جو وردی جی چاہے پہن لے، جو ترمیم احکام وضوابط میں چاہے کر ڈالے، اور جو ایمان و عقیدہ چاہے اختیار کر لے۔

غرض پرانے مسلمان اگر اپنی غفلت و جہالت سے نام کے مسلمان رہ گئے ہیں تو یہ نئے قومی مسلمان تحقیق و اجتہاد کے دعوے کے ساتھ ''بے گوش و سر و شکم'' کے شیر بنے رہنا چاہتے ہیں جس سے ''شیر نیستاں'' کے آثار و اوصاف تو کیا ظاہر ہوتے ''شیر قالین'' کی تصویر بھی نہیں مکمل ہوتی۔

کوئی مشین اسی وقت تک خوبی کے ساتھ چلتی اور اپنا مقصد پورا کرتی ہے، جب تک اس کے اکثر و اہم پرزے اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہوتے اور اپنا اپنا کام خوبی سے انجام دیتے ہیں، کسی ایک آدھ پرزہ میں کوئی اتفاقی خرابی اگر رونما بھی ہو تو صرف اس کے درست کر دینے سے کام چل جاتا ہے، لیکن جس مشین کے سارے چھوٹے بڑے پرزے فرسودہ و زنگ خوردہ ہو رہے ہوں، اس کو جب تک از سر نو کھول کر ایک ایک پرزہ کی جانچ پڑتال اور پوری صفائی و درستی (اُوَرہالنگ) نہ ہو، محض ایک آدھ بڑے چھوٹے پرزے کو ٹھیک کر دینے سے کام نہیں چل سکتا، نہ ایسی مشین اپنے اصل مقصد کے اعتبار سے کارآمد و کارگر رہ جاتی ہے۔

ہماری ملّی و اسلامی زندگی کی مشین کا یہی حال ہو گیا ہے، کہ ایمان و عمل صالح کے اکثر و اہم پرزے کارگر یا چالو نہیں رہ گئے ہیں، نہ ظاہر درست نہ باطن، نہ عقائد صحیح نہ اعمال، نہ خالق ہی سے تعلق بچا، نہ مخلوق سے، غرض نہ انفرادی زندگی میں مسلمان ہونے کا کوئی امتیازی وجود، نہ اجتماعی زندگی میں، بس زیادہ سے زیادہ زبان و قلم پر اسلام اسلام کا نام ہے، جس انجن کے سارے پرزے فرسودہ و زنگ خوردہ اور صفائی و

www.abulhasanalinadwi.org

درستی کے محتاج ہو رہے ہوں وہ خالی انجن انجن کی رٹ لگانے یا کسی ایک آدھ پرزہ کو کچھ بنا دینے سے کیسے چلنے لگ سکتا ہے؟ ہمارے مصلحین جن میں بعض مخلصین بھی شامل ہیں، اکثر اسی غلطی میں گرفتار ہیں کہ ان کی اصلاحی واحیائی نظر پورے اسلام یا "الیوم أکملت لکم دینکم" والے کامل دین پر نہیں۔

اسلام ایک مستقل و مکمل نظام حیات

حاصل یہ کہ دنیا کا کوئی بھی نظام ہو خواہ میکانکی (Mecanical) خواہ عضویاتی (Organic) یا کوئی اور، جب تک اس کے اہم و اکثر اجزاء واعضاء درست وتندرست نہ ہوں، نہ بحیثیت نظام وہ اپنا مقصد ساخت پورا کرسکتا ہے نہ وظیفہ حیات جاری رکھ سکتا ہے۔

اسلام بھی دنیا وآخرت کی فانی و باقی زندگی کا ایک مستقل و مکمل نظام ہے، آخرت کا تو ذکر ہی کیا کہ وہ اصل دین بلکہ عین دین ہے، لیکن یہ آخرت دراصل چونکہ نام ہے دنیا ہی کی زندگی کے نتیجہ وانجام کا، اس لیے آخرت کی کامل خیر وفلاح کے ساتھ اوراس کے ماتحت دنیا کی بھی انفرادی واجتماعی راحت وعزت کی اس نظام زندگی میں قطعی ضمانت ہے، اور یہ کوئی حدیث وفقہ کا استنباطی مسئلہ نہیں، خود قرآن کی صریح و منصوص آیت اور خدائے قرآن کا حتمی وعدہ ہے، انفرادی اعتبار سے سب کا اصل مطلوب پرلطف اور مزیدار زندگی ہے، جس کے متعلق ضمانت ہے کہ "عورت ومرد جو فرد بھی ایمان وعمل صالح کا حق ادا کرے گا اس کو ہم ضرور بالضرور دنیا میں مزیدار زندگی عطا کریں گے۔"(۱) اسی طرح اجتماعی زندگی میں کسی قوم وجماعت کی سب سے بڑی کامیابی وعزت زمین کی فرماں روائی وحکومت ہے اور ہمارے قومی مسلمان

---

(۱) مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً. اس حیات طیبہ کی حقیقت اسی عنوان سے "تجدید تصوف" میں ملاحظہ ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

سب سے زیادہ اسی کے لیے جیتے مرتے ہیں، ارشاد ہے کہ ''جن لوگوں نے ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کی، اللہ تعالیٰ کا ان سے اٹل وعدہ ہے کہ ان کو زمین کی خلافت یا فرماں روائی دے کر رہے گا۔'' (۱) اسی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ضمانت کی اس قوت کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ''اگر صرف ایک بات مان لی جائے تو وہ ایسی ہے کہ عرب و عجم سب کو جھکا دے، یہ ایک بات کیا تھی وہی ''لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ'' جو ہمارے اسلام کی جڑ بنیاد ہے اور جس سے ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کو گنتی کے یہ چار حرف یاد تک نہیں اور جن کو یاد بھی ہیں وہ ان کو بس ایک منتر کی طرح دہراتے ہیں، حالانکہ یہ چار لفظی کلمہ (جیسا کہ آگے اسی کتاب میں معلوم ہوگا) ایمان و عمل صالح کی ساری اسلامی تعلیمات کی جڑ بنیاد ہے اور قوت و طاقت کا ایسا میگزین، جس کے سامنے مادی طاقت کا کوئی بڑا سے بڑا پہاڑ بھی کھڑا نہیں رہ سکتا۔

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

غنیمت ہے کہ نئے پرانے کوئی مسلمان ابھی اتنے بیباک مسلمان نہیں ہوگئے ہیں کہ اپنے خدا یا اس کی کتاب کو زبان کھول کر (معاذ اللہ) جھوٹا یا غلط کہہ دیں، پھر جب قرآن اور اس کا خدا سچا اور یقیناً سچا ہے تو ''استخلاف فی الارض'' کے وعدے کے بالکل خلاف یہ کیا انقلاب ہے کہ کم و بیش ساری روئے زمین پر کم و بیش ہزار سالہ ''استخلاف'' کے بعد اب صدیوں سے روز بہ روز اس کا رخ زوال ہی کی طرف ہے، جہاں جو کچھ حکومت رہ بھی گئی ہے ایمان و عمل صالح کے بل بوتے پر نہیں، محض غیروں کی مصلحت و حکمت کے طفیل و ماتحت، یہی نہیں ذرا عبرت سے اپنی تاریخ

(۱) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ.

www.abulhasanalinadwi.org

کے اوراق دہرائیں تو صاف دیکھ سکتے ہیں کہ جس نسبت سے ایمان وعمل صالح میں اختلاف وزوال آتا گیا اسی نسبت سے ہماری خلافت ارضی بھی اختلال وزوال سے دوچار ہوتی گئی اور ایمان وعمل صالح کے ہمہ گیر و ہمہ جہتی اختلال وزوال کے بعد جہاں کہیں بھی قدم کچھ زمین پر ٹکے ہیں وہی دوسروں کی مصلحت وحکمت عملی کے صدقہ میں۔

مرض کا علاج اور مسئلہ کا حل

مرض کی ذرا یہ تفصیل اور تشخیص، سبب سب تدبیر علاج ہی کے لیے تھی، اور جس طرح سبب مرض اصلاً ایک ہی ہے، ایمان وعمل صالح کے ہر شعبہ میں ضعف و زوال، خلل وانتشار، اسی طرح تدبیر علاج بھی ایک ہی ہے، ہمہ جہتی و ہمہ گیر اصلاح، جس کو اوپر کسی مشین کی ازسرنو درستی (اُور ہالنگ) سے تعبیر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے انفرادی واجتماعی نظام زندگی کی پوری مشین کو کھول کر اس کے ایک ایک پرزے کی جانچ پڑتال کر کے ازسرنو سب کی درستی وصفائی کر ہی کے اس نظام کو پھر سے کارگر وکارآمد بنایا جاسکتا ہے۔

اُور ہالنگ یا کامل وجامع نظام دین کی کامل وجامع اصلاح یا بہ اصطلاح حدیث تجدید(۱) کی، خدمت بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں مجدد وقت (مولانا تھانوی علیہ الرحمہ)(۲) کے ہاتھوں پوری فرمائی گئی ہے، اور اس بنا پر حضرت کو بلا کسی شائبہ مبالغہ وآمیزش عقیدت ''جامع المجدد دین'' کہنا ایک نفس الامری واقعہ و

---

(۱) اور ہالنگ کا لفظی مفہوم بھی تجدید ہی ہے یعنی ازسرنو نیا کر دینا۔ (مؤلف)

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، جن کی اصلاحی وتجدیدی خدمات اور تعلیمات وہدایات کی روشنی میں مصنف علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کے باطنی امراض کی نشاندہی کی اور ان کا علاج بتایا ہے اور مسلم معاشرہ کے مسائل کا تذکرہ کر کے ان کا حل بھی پیش کیا ہے۔ (محمود)

www.abulhasanalinadwi.org

حقیقت کا اظہار ہوگا، اور اس حیثیت سے حضرت کی سیکڑوں کتابوں اور ہزاروں مضامین کی طرف رجوع کیے بغیر بھی جو کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے اور اس کے بعد ''تجدید تصوف وسلوک'' پھر ''تجدید تعلیم وتبلیغ'' اور آخر میں ''تجدید معاشیات و سیاسیات'' کے صرف چند سو صفحات ہی کا اگر بلا اعتقاد و بلا انتقاد، خالی الذہن ہوکر مطالعہ فرمالیا جائے تو انشاء اللہ از خود پکار اٹھیں گے کہ یہ جامعیت بجز حضرت جامع المجدد دین کے نظام تجدید کے اور کہیں موجود نہیں، حضرت کی اصلاحات وتجدیدات دینی زندگی کے بلا استثناء تمام ابواب (عقائد وعبادات، معاملات ومعاشرات، اخلاق وکردار، ظاہر وباطن) سب کو جامع ومحیط ہیں۔

اس علاج کی طرف مختلف دلنشین عنوانات سے جابجا خود حضرت نے متوجہ فرمایا ہے، مثلاً ایک وعظ میں خصوصاً جدید طبقہ کی شکایت فرماتے ہوئے ارشاد ہے کہ:

> ''انھوں نے اسلام کو بالکل نہیں سمجھا کیونکہ اسلام کا مقصود کامل نجات ہے اور وہ حاصل ہوتی ہے کامل اسلام سے، جیسے مالداری سے مقصود عیش وآرام ہے اور وہ حاصل ہوتا ہے خوب مالدار ہونے سے، نہ کہ پیسہ دو پیسہ ہونے سے۔''(۱)

ایک اور موقع پر شکایت ہی کے طور پر فرماتے ہیں کہ:

> ''ہمارے بھائیوں نے اعمال کا بھی ست نکالا ہے، مگر ست کا ست نہیں نکلا کرتا، دین تو سارا کا سارا خود ہی ست ہے، اس کا ہر جزء ضروری ہے، اب آپ دوبارہ اس کا ست نہیں نکال سکتے، ورنہ وہ ست نہ ہوگا، اصل اجزاء کا فوت کرنا ہوگا...... ست اس چیز کا نکالا جاتا ہے جس میں کوئی فضول جزء ہو، اسلام کے اوامر

---

(۱) تسہیل المواعظ ص/۷ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ

www.abulhasanalinadwi.org

ونواہی میں معاذ اللہ کیا کوئی فضول جزو ہے، حضرت عبداللہ بن سلام کو خیال ہوا کہ اگر میں اونٹ کا گوشت نہ کھاؤں تو اسلام کے خلاف تو ہوگا نہیں کیونکہ کھانا فرض تو ہے نہیں اور توریت پر عمل بھی ہو جائے گا جس میں اونٹ کا گوشت کھانا منع ہے، اس پر یہ آیت اتری: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ کہ مسلمانو! مسلمان پورے ہو، ادھورے نہ ہو، اسلام کی حلال کی ہوئی کسی چیز سے پرہیز کرنا دراصل ایمان کا نقص ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی ہلکی سی بھی چیز چھوڑنے کے قابل نہیں، پھر اس کا ست کیسے نکل سکتا ہے۔" (۱)

واحد علاج وتدبیر

غرض مسلمانوں کو اگر اسلام کی دینی ودنیوی برکات سے متمتع ہونا ہے تو ایمان وعمل صالح کے پورے نظام اسلام کو قبول کرنا اور اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کو اس کے قالب میں از سر نو ڈھالنا ہی اس کا واحد علاج وتدبیر ہے۔

شان مجددیت

راقم احقر کو یوں تو حضرت علیہ الرحمہ (۲) کی جوتیوں سے کم وبیش پندرہ سال تعلق کی سعادت نصیب رہی اور تعطیلوں میں یاد نہیں کہ کسی سال اس سعادت سے محروم رہا ہوں، مسلسل مہینوں کی بھی حاضری نصیب رہی، گوناگوں فضائل وکمالات کو آنکھوں سے دیکھا اور معتقد رہا، مجدد ہونے کا بھی سرسری اعتقاد تھا، لیکن ذہن میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی اور نہ اس نظر سے حضرت کی کتابیں پڑھیں، اور پڑھیں بھی

(۱) تسہیل المواعظ ص/ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ
(۲) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ مراد ہیں جن کو مصنف نے اپنا روحانی معالج اور دینی مرشد تسلیم کیا تھا۔ (محمود)

www.abulhasanalinadwi.org

بہت کم تھیں بلکہ سچ یہ ہے کہ حضرت کی زندگی خود اتنی بڑی زندہ کتاب تھی کہ کسی اور طرف نظر بھر کر دیکھنے کا جی ہی نہ چاہا، وفات کے بعد حضرت کی ''مجددیت'' پر ایک مضمون لکھنے کا خیال ہوا، اس خیال کو محب ومحسن قدیم مولانا عبدالماجد دریابادی سلمہٗ نے بھی پسند فرمایا اور وقتاً فوقتاً یاددہانی فرماتے رہے، تاہم دوران ملازمت میں یہ خیال خیال ہی رہا، ختم ملازمت پر جب لکھنے بیٹھا تو بھی ایک مضمون سے زیادہ کا ارادہ نہ تھا، لیکن جب اس نظر سے حضرت کی کتابیں پڑھنا شروع کیں تو بلا مبالغہ یہ معلوم ہوا کہ نادانستہ کسی سمندر میں کود پڑا ہوں جس کی نہ گہرائی کی کوئی تھاہ ہے اور نہ پہنائی کا کوئی ساحل اور صرف ''مجددیت'' کا کیا ذکر ''جامع المجددین'' ہونے کا واقعہ دن دوپہر کا ایک ایسا مشاہدہ تھا جس کو نہ دیکھنے کی صورت بجز ''شپرہ چشمی'' کے اور کوئی تھی نہیں، خلاصہ یہ کہ مضمون پھیلتے پھیلتے کتاب بنا اور کتاب چار کتابیں اور پھر بھی ''داماں نگہ تنگ گل حسن تو بسیار'' کا معاملہ رہا کہ کیا لکھوں کیا چھوڑوں۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

اسی سلسلہ میں مشہور حدیث تجدید پر بھی غور کیا کہ ''اللہ تعالیٰ ہر صدی پر ایسے شخص کی بعثت فرماتا رہتا ہے، جو امت کے لیے اس کے دین کی تجدید کر دیتا ہے۔'' اصل الفاظ یہ ہیں: ''إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ فِيْ أُمَّتِيْ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا.''

مجددین کا سلسلہ

دین کی تکمیل وتحفظ کے بعد نبوت کا ختم ہو جانا بالکل قدرتی امر تھا جب دین کا ہر جہت سے اور ہمیشہ کے لیے اکمال واتمام فرما دیا گیا اور قیامت تک حفاظت کی ضمانت بھی فرمالی گئی تو ظاہر ہے کہ اب کسی نئی وحی ونبوت کی کیا ضرورت رہی، البتہ ایک ضرورت رہ جاتی ہے، امتداد زمانہ سے بشری فطرت، نفس ونفسانیت اور اتباع

www.abulhasanalinadwi.org

ہوا وغیرہ خارجی عوامل کی بدولت کامل ومحفوظ دین کے احکام وتعلیمات کی فہم وتفہیم اور اجراء وعمل میں طرح طرح کے خلل وفساد کا لاحق ہوتے رہنا ناگزیر تھا، کوئی چہرہ بجائے خود حسن وجمال کے خواہ سارے صفات کمال سے متصف ہو مگر خارجی وعارضی گرد وغبار اس کو بھی مکدر کرہی دیتا ہے جس سے صاف کرتے رہنا وقتاً فوقتاً ضروری ہوتا ہے۔

دین کامل کے چہرۂ کمال وجمال سے اسی گرد وغبار کو جھاڑتے رہنے کے لیے بعثت انبیاء کو ختم کرنے کے بعد بعثت مجددین کا صدی بہ صدی سلسلہ جاری فرمایا گیا تاکہ طالبان حق کو کج رویوں سے بچ کر صراط مستقیم ہمیشہ ملتی رہے اور ضالین اور مغضوبین کی گمراہیوں سے محفوظ رہیں، خیر القرون سے جتنا بُعد بڑھتا جاتا ہے، دینی کج راہیاں اور فتنے بھی بڑھتے جاتے ہیں، لہٰذا ہر عہد میں وقت کی کج راہیوں اور گمراہیوں سے محفوظ رہنے کی اسلم واہون راہ مجددِ وقت کو معلوم کرنا اور اس کی تجدیداتِ وقت کی پیروی کرنا ہے، اسی میں سلامتی ہے۔

نبی اور مجدد کا فرق

البتہ نبی اور مجدد میں ایک فرق ہے کہ نبی وقت پر ایمان نفس نجات ومغفرت کے لیے لازم ہے، بخلاف اس کے مجددِ وقت کی یافت وپیروی پر نجات موقوف نہیں، وہ تو انشاء اللہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان کے بعد مرمٹ کر ہو ہی جائے گی، لیکن دین کے اصل وپاک صاف سرچشمہ تک پہنچنا، اس کی کامل وبے غبار تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل کی دینی ودنیوی برکات وثمرات کا پوری طرح حاصل ہونا، اس کے لیے البتہ مجددِ وقت کا پانا اور اس کے دامن کو تھامنا لابدی ہے، بشری لغزشیں اس سے بھی ہوں گی، لیکن دیگر علماء ومحققین کے مقابلہ میں نسبتاً بہت کم، اس لیے مجددِ وقت کی تجدید وتحقیق کا قبول واتباع اسلم واحوط ہر حال میں ہوگا، کیونکہ جو

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عہد میں خاص طور پر اسلامی احکام وتعلیمات کے احیاء و تجدید ہی کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہو، اس کے علم وفہم کی یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر تائید بھی ہوگی۔

غرض بعثت مجددین، ختم نبوت کی کتاب کا ایسا ناگزیر ضمیمہ ہے، جس کے بغیر اس کتاب کا ختم سمجھنا ہی دشوار ہے، اور نہ عقیدۂ ختم نبوت کی اس دشواری کو آسانی سے حل کیا جاسکتا ہے، کہ جب معمولی عقائد واعمال ہی میں اختلال نہیں بلکہ کفر وشرک تک کے دینی مفاسد ہر زمانہ میں نئے نئے پیدا ہوتے رہتے اور روز افزوں ہیں، تو پھر آخر نبوت کی ضرورت کیسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی، ایسی ہی باتوں کا سہارا پکڑ کر خود امتِ مسلمہ میں وقتاً فوقتاً بہت سے متنبّی کھڑے ہوتے رہے۔

سب سے بڑی دینی واسلامی خدمت

بہر حال جن اہل علم وبصیرت حضرات کی نظر حدیثِ تجدید کے مغز ومدعا پر ہے، وہ جان سکتے ہیں کہ وقت کی سب سے بڑی دینی واسلامی خدمت تجدید یافتہ پیغام اسلام کی اشاعت ہے، یوں تو ختم نبوت کے بعد سے برابر اس تجدید دین اور بعثت مجددین کا سلسلہ اسی طرح جاری ہے، جس طرح ختم نبوت سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا تھا، نیز ختم نبوت کے بعد ہی سے تعلیمات دین میں طرح طرح کے مفاسد کی راہ یابی ہر مابعد کی صدی میں ماقبل سے جس طرح بڑھتی گئی وہ بھی معلوم و مسلّم ہے، اور اب تو طول وعرض وعمق، دین کے سارے ابعاد میں یہ مفاسد اس طرح سرایت کر گیے ہیں کہ مشکل سے عقائد واعمال کا کوئی گوشہ وریشہ ان سے محفوظ رہا ہوگا، اس لیے لازماً اب تجدید دین کے لیے ایسے ہی جامع مجدد کی بعثت کا وقت تھا، جس کی تجدیدات ساری کج راہیوں اور گم راہیوں کی تسدیدات پر حاوی ہوں۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مجدد وقت کی اس جامعیت کا اندازہ حضرت کی قریباً ساڑھے بارہ سو کتابوں (۱) کی وسعت اوران کے مطالعہ سے بخوبی فرمایا جاسکتا ہے، دین کے سارے ایمانی وعملی ابواب واحکام کا کوئی چھوٹا بڑا جزء جو ذرا بھی اصلاح طلب ومحتاج تجدید رہا ہو، ایسا نظر نہ آئے گا جو ''جامع المجدد دین'' کی جامع نظر سے نظرانداز ہوا ہو، اہل حضرات کو وقت کی اس اہم واقدم خدمت کی طرف متوجہ نہ پاکر اس نااہل راقم نے اپنی بساط بھر ہزار ہا صفحات کو چند سو صفحوں میں سمیٹنے کی سعی میں یہی پیش نظر رکھا ہے کہ اِس جامع وہمہ گیر ''تجدید'' کے کم ازکم نمایاں خط وخال ایک ہی مرقع میں نظر آجائیں۔

عہد بہ عہد تجدید دین کی حکمت ومصلحت

یوں تو ہر شعبہ میں مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اپنی اپنی رائے وراہ کے مطابق کام کررہی ہیں، لیکن چونکہ اکثر صورتوں میں اسلام کے اصل اصول وتعلیمات اپنی بے غبار اور صاف ستھری تجدید یافتہ شکل میں سامنے نہیں، اس لیے قدرۃً فکر وعمل کے تیر زیادہ تر نشانہ سے باہر ہی گرتے ہیں، عہد بہ عہد تجدید دین کی یہی بڑی حکمت ومصلحت تھی کہ دنیا کا آخری دین ہر عہد کے نو پیدا مفاسد سے پاک ہوکر اپنے اصل جمال وکمال کے ساتھ تروتازہ صورت میں سامنے موجود رہے، تاکہ کم سے کم مخلص اہل طلب دین کی طلب وخدمت میں نادانی سے ترکستان کی راہ پر نہ چل پڑیں، اور غیر مخلصین پر اتمام حجت ہو۔

حضرت تھانویؒ کی تعلیمات واصلاحات

بایں ہمہ اس پر اصرار بالکل نہیں کہ حضرتؒ (۲) کی تعلیمات واصلاحات کو قبول کرنے کے لیے حضرت کے لیے منصب تجدید کا قبول وتسلیم کرنا بھی ضروری ہے،

---

(۱) جن میں کچھ غیر مطبوعہ بھی ہیں، اور ایک طرف اگر ان میں دو دو ورقے رسائل شامل ہیں تو دوسری طرف بڑی بڑی ضخیم کتابیں اور کلاں تقطیع کی سولہ سو صفحات سے زائد کی تفسیر ''بیان القرآن'' بھی شامل ہے۔

(۲) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ مراد ہیں۔ (محمود)

www.abulhasanalinadwi.org

یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ کسی فن کی کتاب کے مصنف کو اس فن کا عالم اور فن کی جامع کتاب کے مصنف کو جامع الفن کہہ دیا جائے، لیکن نفس کتاب سے نفع حاصل کرنے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ مصنف کا نام تک معلوم ہو، حضرت کو مجدد یا جامع المجدد دین کہنے کی بھی یہی حیثیت ہے، کہ حضرت کی اصلاحات وہدایات کی نوعیت تجدیدی اور جامعیت کی ہے، البتہ اہل ایمان کے لیے حدیث تجدید کی تصدیق وتوثیق میں ذوق ایمان ضرور ہے، نیز کمال اسلام کی دید کے لیے کسی حقیر سے حقیر مومن کو بھی اگر کوئی دیدۂ کامل میسر آ گیا ہو تو ایمان کا تقاضا ہے کہ دوسرے ایمانی بھائیوں کو بھی یہ مستعار عینک پیش کردے، بس اصل مدعا اس پیشکش مرقع کا حضرت کے دیدۂ کامل کے ذریعہ دین کامل کی ایک جھلک سامنے کر دینا ہے

کہ تا بدیدۂ کامل کمالِ او بینی

ورنہ خود حضرت کے نزدیک بھی کسی کا مجدد ہونا کسی قطعی دلیل سے معلوم و ثابت نہیں کیا جاسکتا، ظنی دلائل کی بنا پر ظن یا غلبۂ ظن حاصل کیا جاسکتا ہے، چنانچہ ”ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا مجدد کا مجدد ہونا کسی دلیل قطعی سے معلوم ہوتا ہے، فرمایا کہ نہیں دلائل ظنیہ...... یعنی علامات وآثار سے“ ایک اور مولوی صاحب نے ہمت کر کے یہ سوال کر دیا کہ:

> ”کیا حضرت مجدد وقت ہیں، فرمایا: احتمال تو مجھ کو بھی ہے، مگر اس سے زائد نہیں، جزم اوروں کو بھی نہ کرنا چاہیے، ظن کے درجہ میں گنجائش ہے، باقی قطعی یقین تو کسی مجدد کا نہیں ہوا، جس پر جتنا اور جس درجہ کا فضل ہو جائے ”ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ“ (۱)

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۳۶۹ حصہ چہارم

www.abulhasanalinadwi.org

"تفصیل الدین" نام وعظ میں حضرت نے "مجدد دین" کی ضرورت و بعثت کی ایک بڑی مفید تمہید کے ساتھ خود کچھ تفصیل فرمائی ہے، جو مع تمہید قابل ملاحظہ ہے، فرماتے ہیں کہ:

"دین کی تفصیل وتوضیح کے لیے حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر زمانہ میں حاملان دین کو پیدا فرمایا، جو برابر اس کی توضیح کرتے رہے، حتیٰ کہ خیر القرون کے ختم تک (یعنی قرنِ ثالث پر جو تبع تابعین کا زمانہ ہے اور جملہ ائمہ و مجتہدین اس زمانہ میں ہوئے ہیں) ضروری تفصیل وتوضیح اللہ تعالیٰ نے پوری کردی۔

لیکن دو مرتبے باقی رہ گئے، ایک تفریع کہ قیامت تک انھیں اصول پر حوادثِ جزئیہ کی تفریع کرتے رہنا، یہ کام علم وفہم کا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اجتہاد مطلق کو ختم فرمادیا، نہ اس وجہ سے کہ خداوند کریم کی رحمت معاذ اللہ ختم ہوگئی، بلکہ اس لیے کہ خداوند تعالیٰ کا قاعدہ ہے اوران کی عادت مستمرہ ہے، کہ جب کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، اس کو ختم فرمادیتے ہیں، اس عادت کے موافق چونکہ حضرات مجتہدین کے بعد اجتہاد کی ضرورت نہ رہی تھی، اس لیے اس کو ختم فرمادیا، (۱) البتہ تفریع کی ضرورت قیامت تک رہے گی، اس لیے اتنا اجتہاد اور اتنا فہم قیامت تک کے لیے باقی ہے، جس سے مجتہدین کے اصول پر علماء جزئیات کو متفرع کرتے رہیں۔"

(۱) جس طرح حدیث کی جمع وتنقیح کے لیے اب امام بخاری وامام مسلم رحمۃ اللہ علیہم جیسے ائمہ حدیث کی ضرورت نہیں رہی، اس لیے اب ایسے مجتہدین ومحدثین کا پیدا ہونا بے ضرورت اور فالتو ہوتا۔ (مؤلف)

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے بعد مجددین کی ضرورت ملاحظہ ہو کہ:

”دوسرے اس کی بھی ضرورت باقی ہے کہ ہر زمانہ میں حق کو باطل سے ممتاز کردیا جائے، کیونکہ زمانۂ نبوت سے بُعد ہوجانے کی وجہ سے بعض دفعہ حق و باطل مختلط ہوجاتا ہے، خواہ عوام کی بے تمیزی یا اہل غرض علماء کی وجہ سے، تو ایسے وقت میں حق تعالیٰ کسی ایسے مقبول بندہ کو پیدا فرماتے ہیں، جو حق کو باطل سے ممتاز کر کے صراطِ مستقیم کو واضح کردیتا ہے، یہ درجۂ تجدید ہے، جس کے متعلق حدیث میں پیشین گوئی ہے: ”إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ فِيْ أُمَّتِيْ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا“ کہ حق تعالیٰ میری امت میں ہر سو برس کے بعد ایک ایسے شخص کو مبعوث فرماتے ہیں جو دین کی تجدید کردیتا ہے، یعنی حق کو باطل سے ممتاز کردیتا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر صدی پر کوئی نہ کوئی مجدد ضرور رہا ہے۔

تو یہ دو درجے اب بھی باقی ہیں، اور قیامت تک باقی رہیں گے، ایک تفریع، ایک تجدید، اور یہ دونوں خدمتیں الگ الگ ہیں، اور اگر کوئی اللہ کا بندہ دونوں کا جامع ہو تو یہ خدا کی رحمت ہے۔“

وعظ کے جامع مخدوم محترم مولانا ظفر احمد صاحب (۱) نے حاشیہ پر تحریر فرمایا

---

(۱) حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جامع کمالات شخصیت تھے، تبلیغی جماعت میں کام کے آغاز کے وقت اولین لوگوں میں رہے اور بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے دست راست بنے، پھر سیاست میں حصہ لیا، اور اس میں بڑی گرمجوشی دکھائی اور متحدہ پاکستان کی نمایاں و رہنما شخصیت بن کر ابھرے، علم و تحقیق کے میدان میں قدم رکھا تو ”اعلاء السنن“ جیسی معرکۃ الآراء کتاب متعدد جلدوں میں تصنیف کی کہ عرب و عجم کے علماء نے آپ کے علمی رسوخ کو تسلیم کیا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کے بھانجہ اور خلیفہ تھے۔ (محمود)

www.abulhasanalinadwi.org

ہے کہ "حضرت حکیم الامت و مجدد ملت کو یہ جامعیت بھی حاصل ہے، اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل مشہور و معروف عارف و بزرگ مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ "پہلے میں اپنے شیخ مولانا رشید احمد قدس سرہ کو مجدد خیال کرتا تھا، پھر انھوں نے صدی کے خاتمہ پر انتقال فرمایا، اور اب میرے نزدیک موجودہ صدی کے مجدد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ادام اللہ فیوضہ ہیں۔" (۱) اور حضرت کی بکثرت تصانیف و مواعظ وغیرہ کی بنا پر جس طرح دین کے ہر شعبہ میں حق کا امتیاز و ایضاح ہوا ہے، اس کی بنا پر اور بھی بہت سے مقبولین اور اہل اللہ کی یہی خیال ہے کہ حضرت مجدد وقت ہیں۔ (۲)

منصب تجدید

بظاہر ایک عجیب بات یہ ہے کہ اصولاً تو کسی کا مجدد ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، اسی بنا پر حضرت نے خود اپنے کو مجدد سمجھنے سمجھانے کی "درجہ احتمال و ظن" سے زائد اجازت نہیں دی، تاہم اللہ تعالیٰ نے جو کثیر تجدیدی خدمات حضرت سے لی ہیں، ان کا ذکر تجدید ہی کے عنوان و نوعیت سے بارہا فرمایا، مثلاً ایک موقع پر ارشاد ہوا کہ:

---

(۱) حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مراد ہیں، جن کا یہ اعتراف ہے، زیادہ عمر انھوں نے نہیں پائی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تو بعض کام ان کے سامنے آگئے تھے اور بعض دوسرے مصلحین کے کام اس طرح سامنے نہیں آپائے جو بعد میں آئے، جیسے خود ان کے ہی برادر خورد حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کو اللہ تعالیٰ نے عالمی سطح پر رشد و ہدایت کی فضا قائم کرنے کا ذریعہ بنایا، اور وہ دعوت و تبلیغ کے مقبول عام کام کو اپنے اول مربی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی تجدید کا حصہ قرار دیتے تھے کہ آج دنیا کے چپہ چپہ میں اس کی برکات پہنچ چکی ہیں اور خود حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی بھی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (م-۱۳۲۳ھ) کے ارشد تلامذہ اور خواص مستفیدین میں ہیں، بہر حال اس سے انکار نہیں کہ چودہویں صدی ہجری کی یہ دو شخصیتیں نمایاں تجدیدی شخصیتیں ہیں اور ان دونوں کے سرپرست و مربی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہی رہے۔ (محمود)

(۲) وعظ تفصیل الدین ص/۵

www.abulhasanalinadwi.org

> ”طریق بالکل مردہ ہو چکا تھا، لوگ بے حد غلطیوں میں مبتلاء تھے، بحمد اللہ اب سو برس تک تو تجدید کی ضرورت نہیں رہی، اگر خلط ہو جائے گا تو پھر کوئی اللہ کا بندہ پیدا ہو جائے گا، ہر صدی پر تجدید کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے کہ اس مدت کے بعد نری کتابیں ہی کتابیں رہ جاتی ہیں، اب تو خدا کا فضل ہے کہ وضوح ہو گیا، اور کتابیں فی نفسہ تو کافی ہیں، مگر لوگ ان میں تحریفیں کرتے ہیں، کتابیں تو درکنار قرآن پاک جس کو ”ہدیٰ“ اور ”بینات“ فرمایا گیا ہے، اس میں بھی دیکھ لیجیے کہ معانی و مطالب میں کس قدر گڑبڑ مچا رہے ہیں۔“ (۱)

تجدید معاشرت

بات وہی ہے کہ حضرت (۲) کی نفس تجدیدی خدمات اتنی کثیر و واضح ہیں کہ جب ہر دوست و دشمن، معتقد غیر معتقد آنکھ کھول کر بطور ایک نفس الامری واقعہ کو دیکھ سکتا ہے تو خود حضرت اس تحدیث نعمت سے کیونکر آنکھ بند فرما لیتے، اگر کوئی شخص عربی کی ساری درسیات ختم کر کے عالم ہو گیا ہے یا انگریزی کا ایم اے پاس کر لیا ہے، تو وہ عربی و انگریزی سے بالکلیہ جاہل یا میزان خواں یا پرائمر خواں کے مقابلہ میں اپنے کو زیادہ کتابوں کا پڑھا ہوا، یا زیادہ مسائل و معلومات کا جاننے والا تو بہر حال بطور واقعہ و نفس الامر کے ضرور ہی جانے گا، یہ الگ بات ہے کہ اس کی یہ مسائل دانی عند اللہ مقبول و معتبر ہے یا نہیں، نہ اس کو دلائل قطعیہ سے ثابت کیا جا سکتا ہے، اسی کو حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ”اپنے کو اکمل سمجھنا جائز ہے، افضل سمجھنا جائز نہیں“، اسی طرح

---

(۱) الافاضات الیومیہ ۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ ص/ ۳۱۶

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ مراد ہیں۔ (محمود)

www.abulhasanalinadwi.org

اصطلاحی مجدد چونکہ خاص طور سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے، اور اب وحی آتی نہیں، اس لیے نہ کوئی مجدد اپنے مبعوث من اللہ ہونے کا نبی کی طرح خود قطعی دعویٰ کرسکتا ہے اور نہ کوئی دوسرا قطعی دلیل سے اس کے مجدد مبعوث ہونے کو ثابت کرسکتا ہے، باقی نفس تجدیدی خدمات کا بطور واقعہ کے علم واظہار سب کچھ ہوسکتا ہے، ولایت اور اس کے مختلف مراتب کا بھی یہی حال ہے، کہ عنداللہ مقبول ومقرب ہونے کا قطعی علم واثبات کیسے ممکن ہے، تاہم جس طرح کسی شخص کے ایمان وعمل صالح، تقویٰ و طہارت، زہد وعبادت وغیرہ کے غیر معمولی واقعات و حالات کے مشاہدہ واہل بصیرت کی شہادت کے بعد اس کا ولی ہونا مسلّم ہوتا ہے، اور اسی بنا پر اکابر اولیاء کو اولیاء کہا اور مانا جاتا ہے، اسی طرح حضرت کی کثیر وجامع تجدیدی خدمات اتنی ظاہر و باہر ہیں کہ حضرت کی من اللہ مجدد مبعوث نہ ہونے کا صرف ایک بعید بلکہ ابعد احتمال ہی رہ جاتا ہے۔

الحمدللہ کہ اس سلسلۂ بحث میں ایک اور بڑی اہم بات یاد آگئی، جو اصل کتاب ہی میں تفصیل کی تھی، لیکن مقدم وہ ایسی ہے کہ مقدمہ میں اس کا ذکر اور بھی انسب ہوگا۔

اور چیزوں میں حضرت کے مجدد ہونے نہ ہونے کا احتمال وشک خود حضرت کو یا دوسروں کو جو کچھ ہو، ہو، لیکن ایک چیز میں حضرت نے خود بھی اپنے مجدد ہونے کا اظہار ودعویٰ کو شان سے فرمایا ہے اور دوسرے بھی حضرت کی ایک ہی دو مجلسوں کی حاضری یا آج ایک ہی دو مجلسوں کے ملفوظات پڑھ کر تصدیق کرسکتے ہیں، وہ معاشرت کی تجدید ہے، فرمایا: ''مجدد ملت تو خیر لیکن مجدد معاشرت ضرور ہوں'' (۱) مگر معاشرت کو لوگوں نے چونکہ سرے سے دین ہی سے خارج کررکھا ہے، اس لیے

---

(۱) اشرف السوانح ص/ ۱۷، حصہ/ ۲

www.abulhasanalinadwi.org

اس کی تجدید کا سوال ہی کیا، حالانکہ عام شرائع کے علاوہ فرمایا کہ:

''خدمت تجدید میں یہ بھی داخل ہے کہ معاشرت کی بھی اصلاح کی جائے، بعض مجددین ایسے گزرے ہیں، جنھوں نے صرف شرائع کی اصلاح کی ہے، اور بعض نے صرف معاشرت کی، اور بعض نے دونوں کی۔''(۱)

آگے جامع ملفوظات نے حرف حرف بجا فرمایا کہ:

''حضرت اقدس (علیہ الرحمہ) نے دونوں کی اصلاح بدرجۂ اتم فرمائی، "ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء." ع

یار ما ایں دارد و آں نیز ہم''

حضرت کے نزدیک تو یہی نہیں کہ معاشرت بھی شریعت ہی کا جز ہے، بلکہ عبادات، روزہ، نماز وغیرہ جو دین وشریعت کا اصل جز خیال کیے جاتے ہیں:

''بعض وجوہ سے (امور معاشرت) ان عبادات سے بھی زیادہ ضروری ہیں، اس لیے کہ عبادات میں اگر کوتاہی ہو تو خود اپنا نقصان ہے، بخلاف امور معاشرت میں کوتاہی سے دوسروں کو ایذاء ہوتی ہے۔''

معاشرتی فساد

پھر اس مادی ولادینی تعلیم وتہذیب پر مبنی خودغرض معاشرت کا تو کہنا ہی کیا، جس میں اپنے مقابلہ میں نہ دوسروں کا نقصان نقصان ہے، نہ دوسروں کی ایذاء ایذاء، جب انفرادی نقصان وایذاء کا معاملہ ہو تو دوسرے افراد کی ایذاء ونقصان کا سوال ہی نہیں، اور قومی وجماعتی نقصان وایذاء میں دوسری قوم وجماعت کی پرواہ نہیں، یہی

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۱۰۵ حصہ ہفتم

www.abulhasanalinadwi.org

ذہنیت ہے، جس کی ترقی نے اس عہد ترقی کے انسان کو انسان ہی نہیں رہنے دیا، ساری انسانی بستیاں خونخوار درندوں کے جنگل بن کر رہ گئی ہیں، افراد و اقوام سب ہر وقت ایک دوسرے کے مقابل دانت اور پنجے نکالے تیار ہیں، ابھی ہندوستان کی اس ترقی و آزادی کا تازہ تازہ کھیل سامنے ہے کہ پہلے تو ہندو و مسلمانوں نے خونخواری و درندگی کے میدان ہندوستان و پاکستان کے نام سے جیتے، اور اب جب ہندوستان میں مشترک محاذ انگریزوں کا سامنے سے ہٹ گیا، تو خود آپس میں کانگریس، مہاسبھا، سوشلسٹ وکمونسٹ ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں، اور کون کہہ سکتا ہے، جو آج چین میں ہو رہا ہے، وہ کل کہاں نہ ہوگا!

انسانیت یا آدمیت

حضرت مجدد معاشرت علیہ الرحمہ کے نزدیک انسانیت یا آدمیت نام ہی اس حسن معاشرت کا ہے کہ ''اپنے سے دوسرے کو اذیت نہ پہنچے'' (۱) آج کل سیاسیات وقومیات میں اتفاق اتفاق کا غل مچایا جاتا ہے، فرمایا کرتے تھے کہ یہ اتفاق بھی آپس میں اسی وقت ممکن ہے جب دل ملے ہوں، اور دل اس وقت مل سکتے ہیں جب کہ ایک کو دوسرے سے نقصان واذیت نہ پہنچے، حضرت کی مجالس وملفوظات میں سب سے زیادہ روک ٹوک سوءِ معاشرت ہی کی باتوں پر ہوتی تھی، جو دنیاداروں کا کیا ذکر، دوسری جگہ علماء ومشائخ کی مجلسوں میں بھی مطلقاً مفقود ہے، اسی سے لوگوں کو اچنبھا ہوتا تھا کہ:

> ''ہم تو بہت بزرگوں کی مجلس میں گئے، لیکن کہیں ایسی باتوں پر روک ٹوک نہیں دیکھی، (حضرت کا جواب سنیے) ''بھائی میں تو اپنی مجلس کو بزرگوں کی مجلس نہیں بنانا چاہتا ہوں، آدمیوں کی

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۱۴۲ حصہ/۴

www.abulhasanalinadwi.org

مجلس بنانا چاہتا ہوں۔"(۱)

واقعہ بالکل یہی ہے کہ بزرگ تو الحمدللہ اب بھی بہت ہیں، اور ان کی مجالس بھی ہیں، لیکن ان مجالس کو آدمیوں کی مجالس بنانے کا کسی کو بھی خیال نہیں ہوتا۔

"میں تو کہا کرتا ہوں کہ شاہ صاحب بننا آسان، ملک التجار بننا آسان، بزرگ بننا آسان، قطب بننا آسان، مگر انسان بننا مشکل ......، اور یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بزرگ بننا ہو، ولی بننا ہو، قطب وغوث بننا ہو تو کہیں اور جاؤ، اگر انسان بننا ہو میرے پاس آؤ، میں انسان بناتا ہوں۔"

مگر انسان بنانا، دنیا تو دنیا، دین کی تعلیم سے بھی ایسا بے گانہ وخارج ہو گیا ہے کہ آدمی روزہ نماز، ذکر و شغل، ورد و وظائف سب کے لیے اس کے مقابلہ میں آسانی سے تیار ہو جاتا ہے، لیکن آدمی بننے سے بھاگتا ہے، کیونکہ آدمی:

"بننا ایسا ہوگا، جیسا کوئی کہے مربہ بنانا جانتا ہوں، تو ظاہر ہے کہ مربہ جس طرح بنتا ہے، اسی طرح بنے گا، اول تو پھل کے داغ دھبوں کو چاقو سے صاف کیا جائے گا، چھلکا چھیلے گا، پھر دیگچی میں چولھے پر چڑھا کر نیچے آگ جلائی جائے گی، تا کہ اچھی طرح ابل جائے، مابعد چاقو سے اسے کوچا جائے گا، تا کہ قوام اچھی طرح اندر تک اثر کرلے......اتنے قصوں کے بعد مربہ بنے گا، اور کھانے کے قابل ہوگا، اور وہ آثار پیدا ہوں گے جس کو تم چاہتے ہو۔"

بھلا آج کل ایسا "مربہ آدمی" بننے بنانے پر کون تیار ہوگا، یہ مربہ نسبتاً ہمیشہ

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۸۴ حصہ/۷

www.abulhasanalinadwi.org

ہی اتنا نایاب رہا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا ایک عجیب قول اس سلسلہ میں حضرت نقل فرمایا کرتے تھے کہ کسی موقع پر مسجد سے بہت سے نمازی نکل رہے تھے تو فرمایا کہ ''الحمدللہ کہ جنت کی بھرتی ہے، لیکن آدمی اس میں دو ہی ایک ہوں گے (او کما قال)''

تازہ والا نامہ میں مولانا گیلانی مدظلہ العالی نے ہمارے اس آخر زمانہ کے مشہور بزرگ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا اسی نوعیت کا ایک بڑا عجیب ولطیف قول تحریر فرمایا، کسی نے پوچھا حضرت کا آج کل مشغلہ کیا ہے، فرمایا کہ ''انسانیت کی کتاب میں غلطیوں کی کانٹ چھانٹ، اور تصحیح وترمیم، بس یہی کام میرے سپرد ہوا ہے۔''

انسان سازی

چونکہ اسی انسانیت سے متعلق حضرت علیہ الرحمہ کی تجدید کا ذکر اس وقت زیر قلم تھا، اس لیے مولانا گیلانی کو احقر نے جواب میں لکھا کہ آپ نے بڑے وقت پر اور بڑے مزے کی بات سنائی، یہ تو پہلے بھی خیال آتا تھا کہ ''انسان سازی'' حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مذاق تھا، اور حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ نے اس کو تجدید وتکمیل کے درجہ پر پہنچایا لیکن حضرت مرزا صاحب کی ایسی دلچسپ نص اس بات میں دیکھی سنی نہ تھی، باقی ہمارے حضرت علیہ الرحمہ کا تو کہنا چاہیے کہ ساری عمر ایک بڑا مشغلہ ''کتاب انسانیت کی کاٹ چھانٹ'' ہی رہی، جو ولایت و بزرگی سب پر حضرت کے نزدیک جیسی کچھ مقدم تھی، اوپر کے اقتباسات سے واضح ہو چکا، اور ایک سلسلۂ گفتگو میں تو صراحۃً فرمایا کہ:

> ''مطلوبیت میں بزرگی سے مقدم آدمیت ہے، یہاں اس آدمیت کی تعلیم پہلے اور بزرگی کی بعد میں ہوتی ہے۔''(۱)

اس کے ساتھ اکثر کسی کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۱۴ حصہ/۴

www.abulhasanalinadwi.org

زاہد شدی و شیخ شدی و دانشمند
ایں جملہ شدی ولے مسلمان نشدی

اور چونکہ پورا مسلمان ہونا ہی انسان ہونا ہے، اس لیے اس شعر میں یہ تصرف فرماتے کہ:

زاہد شدی و شیخ شدی و دانشمند
ایں جملہ شدی ولیکن انساں نشدی

انسان سازی کے عمل سے عمومی بے توجہی

یہ انسانیت جس کا پتہ ''زاہد وشیخ ودانشمند'' میں بھی شاذ ہی ملتا ہے، قرآن و حدیث وفقہ سب میں اس کا جو درجہ واہمیت ہے، اور خود حضرت علیہ الرحمہ کو اس کا جو تجدیدی وعملی اہتمام تھا، اس کا اندازہ آگے اصل کتاب میں حسن معاشرت واصلاح معاشرت کے کسی قدر ضروری تفصیل سے ہوگا، لیکن کیا اور کس منھ سے عرض کیا جائے کہ اچھے اچھے اہل صلاح وتقویٰ حضرات کو اس انسانیت اور انسان سازی کی طرف سے اس درجہ بے التفاتی دیکھی کہ گویا قرآن وحدیث اور فقہ میں اس کا کہیں کوئی نام ونشان نہیں، صرف معاشرت کے مجدد کے ہاں حسن معاشرت کا یہ اہتمام دیکھا کہ مسجد میں اگر کوئی بدھنی بھری رکھی ہو تو اس کے استعمال کی بھی اجازت نہ تھی، کہ شاید کوئی اپنے لیے بھر کر رکھ گیا ہو، جس کو تلاش کرنے اور دوبارہ بھرنے کی اذیت وِ تکلیف ہو، ساتھ ہی اس کی ہدایت کہ جس کو جلد ہی کام لینا نہ ہو، وہ دیر تک اس طرح بدھنی کو بھر کر مقید نہ کردے کہ دوسرے کام نہ لے سکیں، تا بہ امکان ایسی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو ناپسند فرماتے اور ناراض ہوتے کہ اگر آگے کے نمازی پہلے فارغ ہو کر نکلنا چاہیں تو ان کا راستہ بند ہو، اور ان کو انتظار کرنا پڑے، گھر کے لوگوں کے ساتھ

www.abulhasanalinadwi.org

تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں کبھی کوئی چیز حضرت کی خدمت میں ہدیۃً بھیجی جاتی تو برتن خالی فرما کر لے جانے والے کے ہاتھ ہی فوراً واپس فرمایا جاتا، تاکہ دوبارہ خود ہم کو اس کے منگانے یا کسی اور کام کے لیے اس برتن کے نہ ہونے سے تکلیف نہ ہو، حد یہ کہ لفافے کے اندر خط رکھنے میں اس کا لحاظ فرماتے کہ مکتوب الیہ کو نکالتے وقت دقت نہ ہو! فرمایا کہ لوگ ان امور کو بہت خفیف سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بہت ضروری ہیں، اور فرمایا کہ جب غفلت حد سے بڑھ گئی اور اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی ان امور کا خیال نہیں رہا، تو اس کے متعلق بھی ایک رسالہ لکھنا پڑا، آداب معاشرہ اس کا نام ہے، مجھ کو ایسے جزئیات کا بہت اہتمام ہے، بزرگوں کے ہاں بڑی بڑی باتوں کی تعلیم ہوتی ہے، اور میں چھوٹا ہوں، اس لیے میرے ہاں چھوٹی چھوٹی باتوں کی تعلیم ہوتی ہے۔'' (۱)

بظاہر ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا مقابلہ ذرا اس معاملت و معاشرت سے فرمائیں جس کا دن رات اپنے پرائے، اعزہ واحباب، خورد و بزرگ ''زاہد و شیخ و دانشمند'' سب سے تجربہ ہوتا ہے، کوئی چھوٹی بڑی چیز بلا اجازت و بلا اطلاع اٹھا لینا اور پھر کام نکال کر فوراً نہ رکھ جانا، یا بے جگہ رکھ جانا معمولی بات ہے، خواہ جس کی چیز ہے اس کو وقت اور جگہ پر تلاش کرنے اور نہ پانے سے کتنی ہی اذیت و نقصان ہو، ''ماعون'' و ''مستعار'' چیزوں کو دینا اسلامی معاشرت کا کیسا مامور و ماجور جز ہے، لیکن لینے والے بالعموم نہ حفاظت و اہتمام کے ساتھ ایسی چیزوں کا استعمال ضروری خیال کرتے ہیں، نہ بعد استعمال بلا طلب و تقاضا پر واپس کرنا اپنے ذمہ جانتے ہیں۔

کسی کی حاجت و ضرورت پر قرض دے دینا، کیسی خدمت اور کیسا مفت کا اجر و ثواب ہے، کہ روپیہ کا روپیہ واپس مل جائے اور ثواب مفت میں، ایسوں کا ذکر نہیں، جو سرے سے ادا ہی نہیں کرنا چاہتے یا اس کو ایسا خفیف و حقیر معاملہ سمجھتے ہیں کہ

---

(۱) وعظ عمل الذرۃ ص/۲۴

www.abulhasanalinadwi.org

جب خود اپنے جا و بے جا مصارف سے بچے گا تو دیکھا جائے گا! ذکر ان کا ہے جو ادائیگی کی پوری نیت رکھتے ہیں، ان میں ''شیخ و زاہد و دانشمند'' ہر طبقہ کے کیسے کیسے حضرات سے اور کیسے کیسے تجربات ہوتے ہیں، یہ تو کوئی بات ہی نہیں، وقت پر وعدہ کو پورا نہ کرنا، پھر خود کسی دوسرے وقت اس وعدہ کی اطلاع نہ دینا، اور یاد دہانی پر ہفتہ عشرہ، مہینہ دو مہینے کا غیر متعین وعدہ کر دینا، اب یہ اذیت سہنا قرض دینے والے کی سزا ہے، کہ وہ انتظار کرتا رہے کہ دیکھئے سات دن میں ملتا ہے کہ دس دن میں، ایک مہینہ یا دو مہینے میں!

اپنا خیال، دوسرے کا خیال نہیں

یہ وہ روزمرہ کے ''مشتے نمونہ از خروارے'' تجربات ہیں جو کسی نہ کسی کو ہوتے ہوں گے، اور ان ہی سے مجدد وقت کی اس معاشرتی تجدید کا یقین ہوتا ہے کہ ''معاشرت کا (عقائد و عبادات وغیرہ) تمام اجزائے دین سے کسی سے من وجہ اور کسی سے من کل الوجوہ مقدم و مہتم بالشان ہونا ثابت ہے'' (۱) جب تک حضرت کی خدمت و صحبت اور اصلاح و تعلیم تک رسائی نہ ہوئی تھی، دین و دینداری بولایت و بزرگی کا اونچا سے اونچا معیار خود حضرت علیہ الرحمہ کے الفاظ میں بس یہی سمجھ میں آتا رہا کہ ''ہاتھ میں تسبیح لے لی، ٹخنوں سے اونچا پائجامہ اور گھٹنوں سے نیچا کرتا پہن لیا، اشراق، چاشت اور تہجد کی نفلیں پڑھ لیں، بس ہو گئے کامل'' (۲) باقی معاملات اور معاملات سے بھی بڑھ کر:

> ''معاشرت کو لوگوں نے دین کی فہرست ہی سے نکال دیا ہے،
> سمجھتے ہیں کہ نماز روزہ، حج زکوٰۃ، ذکر و شغل، تلاوت قرآن،

---

(۱) دیکھو آگے اصل کتاب ص/

(۲) الافاضات الیومیہ ص/۲۰۴ حصہ/۴

www.abulhasanalinadwi.org

نفلیں، بس ان چند چیزوں کے متعلق احکام ہیں، آگے جو چاہیں کرتے پھریں، جس کے معنی آج کل آزادی کے ہیں، سو خوب سمجھ لو کہ تم کو ہرگز ہرگز آزاد نہیں چھوڑا گیا ہے، مثل بھینسے اور سانڈ کے کہ جس کے گیہوں چاہیں کھالیں، جس کے چنے چاہیں کھالیں، سو ہم کو ایسا نہیں چھوڑا گیا ہے، بلکہ شریعت نے ہماری رفتار گفتار، نشست و برخاست، لین دین، کھانے پینے ہر چیز سے تعرض کیا ہے، شریعت مکمل قانون ہے۔" (۱)

یہ تو الحمد للہ حضرت جامع المجد دین کی جامع و کامل تجدید ہی کی بدولت ذہن نشین ہوا کہ واقعی "شریعت مکمل قانون ہے" اور نری تسبیح و مصلےٰ والی بزرگی، بزرگی تو کیا ہوتی، صریح حدیث کی رو سے سزاوار جہنم ہے۔

"حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو دو عورتوں کا ذکر کیا گیا کہ ایک نماز روزہ کثرت سے کرتی تھی، (یعنی نوافل، کیونکہ کثرت اسی میں ہوسکتی ہے) مگر اپنے ہمسایوں کو ایذاء پہنچاتی تھی، اور دوسری زیادہ نماز روزہ نہ کرتی تھی (یعنی ضروریات پر اکتفا کرتی تھی) مگر ہمسایوں کو ایذاء نہ پہنچاتی تھی، آپؐ نے پہلی کو دوزخی اور دوسری کو جنتی فرمایا۔"

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی اذیت سے سارے مسلمان محفوظ رہیں۔" (۲) اس سے بڑھ کر یہ کہ "الدین النصیحۃ" دین سراپا خیر خواہی ہے۔

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۲۰۴ حصہ/۴

(۲) المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده.

www.abulhasanalinadwi.org

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کے بناؤ بگاڑ پر خود مسلمانوں کی صلاح و فلاح موقوف نہیں، بلکہ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ کی رو سے ساری دنیا کے بناؤ بگاڑ کی ذمہ داری مسلمانوں پر عاید ہے۔

امت محمدیہ ایک رہبر امت

امت محمدیہ مثالی (آئیڈیل) یا نمونہ کی امت ہے، یہ امۃ مخرجہ و امۃ مبعوثہ ہے جو نکالی اور اٹھائی ہی گئی ہے ساری انسانیت کے معروف و منکر کی نگرانی و رہنمائی یا ہدایت و امامت کے لیے،(۱) جس کو ایمانیات و معاملات اور اخلاق و معاشرات میں شعبۂ زندگی کے لیے نمونہ بننا ہے، خصوصاً معاملات اور اخلاق و معاشرت میں کیونکہ دوسروں اور غیروں سب کی نظر براہِ راست انھیں باتوں پر پڑتی ہے، اسی بنا پر حضرت علیہ الرحمہ ان کو عقائد و دیانات کے مقابلہ میں اظہر فرمایا کرتے تھے، کہ انھیں سے دن رات اپنے پرائے سب کو سابقہ پڑتا ہے، اور انھیں کے تجربہ و کشش سے پھر وہ ایمانیات کو خود بخود قبول کر لیتے ہیں، کہ جس درخت کے پھل ایسے ہوں، اس سے کون اپنے دل و جان کی زمین کو آباد نہ کرے گا۔

ایک دفعہ ریل کے سفر میں ایک غیر مسلم نے اسلام سے اپنی غیر معمولی واقفیت و کشش کا اظہار کیا، یہ دریافت کرنے پر کہ آخر پھر انتظار کیا ہے؟ جو جواب ملا، اس نے شرم سے سر نیچا کر دیا، کہنے لگا کہ "خود اسلام جیسا اور جتنا اچھا ہے، اس کے نمائندے ویسے اور اتنے ہی برے ہیں، اس لیے ان میں ملنے کا جی نہیں چاہتا" جب امام ہی کا رُخ ترکستان کی طرف ہو تو مقتدیوں کو کعبہ کی راہ کون دکھلائے!

غرض راقم احقر کے نزدیک تو دنیا بھر میں جہاں کہیں اور جو کچھ بھی انفرادی و اجتماعی، سیاسی و سماجی، اخلاقی و معاشرتی شر و فساد برپا ہے، اس کی مسئولیت و جوابدہی

---

(۱) ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

www.abulhasanalinadwi.org

سے مسلمان اپنے کو بری نہیں رکھ سکتے، سب سے زیادہ حکومت وسیاست کی راہ سے زمین شر وفساد سے بھر گئی ہے، لیکن اگر مسلمان کوئی چھوٹی سی چھوٹی حکومت بھی اسلام کے نمونہ (آئیڈیل) کی بنا کر آنکھوں کے سامنے کھڑی کر دیتے تو دنیا اس جمہوریت و عوامیت، اشتمالیت واشتراکیت کے نام پر لعنت بھیجتی، جس نے زمین پر امن وسلامتی کی کوئی جائے پناہ نہیں چھوڑی۔

بس وقت کے جامع المجدد دین کی جامع وکامل دین کی جامع وکامل تجدید کا مدعا وماحصل یہی ہے کہ اس دین کے مدعی نام کے مسلمان خود اپنے اور غیروں سب کی دنیا وآخرت کے لیے کام کے مسلمان بالفاظ دیگر کامل مسلمان یا انسان بن جائیں، ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا﴾ مسلمانو! پورے پورے مسلمان بن جاؤ۔ (۱)

اور یہ پورا پورا مسلمان بن جانا کوئی ''جوئے شیر لانا'' بالکل نہیں، حضرت مجدد (۲) کی تجدیدات واصلاحات کی نمایاں خصوصیت یہ نظر آئے گی کہ وہ واقعی ایک بالکل سہل وصاف (سمحاء وبیضاء) ملت اور ایک آسان دین (الدین یُسر) کی تفسیر وترجمانی ہیں، کوئی ایمانی وعملی، اصولی وفروعی، انفرادی واجتماعی تعلیم شریعت کی ایسی نہ ملے گی جس میں کوتاہی کا سبب سراسر ہماری غفلت وبے پروائی کے سوا کچھ اور ہو یا جس کی اصلاح ہمارے اختیار اور سہولت سے اختیار میں نہ ہو، اور جس سے محرومی کا بجز محرومی کے کوئی بھی معقول عذر پیش کیا جا سکتا ہو، ننانوے فیصد احکام یا اوامر ونواہی ایسے نکلیں گے جو ہر شخص کے شخصی وانفرادی ارادہ واختیار سے پورے کیے جا سکتے

---

(۱) یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی تعلیمات وہدایات کی غرض وغایت کل مسلمانوں کو مکمل اسلام کی دعوت دے رہی ہیں کہ ایک مسلمان سچا مسلمان اور صحیح انسان بن جائے اور یہی ان کی تجدیدی جامعیت ہے۔ (محمود)

(۲) تنہا ''حضرت مجدد'' کہا جائے تو حضرت مجدد الف ثانی امام سرہندی رحمۃ اللہ علیہ مراد لیے جاتے ہیں مگر یہاں مصنف کے مرشد ومربی حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ سمجھے جائیں گے۔ (محمود)

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں، بشرطیکہ ارادہ ہو، اور اختیار سے کام لیا جائے۔

اب آگے ذرا توجہ سے اسی خصوصیتِ خاصہ کو پیش نظر رکھ کر اصل کتاب پڑھو اور دیکھو کہ وقت کے دیدۂ کامل نے دینِ کامل کو کس طرح دیکھا اور دکھلایا ہے، اور پھر اس آئینہ سے اپنی صورت درست کر کے ساری دنیا کے لیے انسانی کمال و جمال کی دید کا آئینہ بن جاؤ۔

ز "اشرفی" نظرے وام کن بدوست نگر
کہ تا بدیدۂ کامل کمال او بینی

الحمد لله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لو لا أن هدانا الله.

www.abulhasanalinadwi.org

عہد حاضر کے مجدد و حکیم

حضرت تھانویؒ کے احوال و کمالات

ناسوتی و جسمانی تعلقات و واجبات کا پورا حق ادا کرنے کے لیے جسمانی صحت اور صحیح و سلیم علم و فہم کے لیے صحیح و سالم جسم بھی ضروری ہے، بعض صلحاء اور بزرگوں کو دیکھا کہ کمال علم و اخلاص کے باوجود جسمانی نقص و ضعف کی بدولت علم و عمل میں اعتدال و توازن کے بجائے بس ایک مجذوبانہ و مغلوبانہ رنگ ہوتا ہے، حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا سب سے نمایاں اور بڑا کمال راقم احقر کی نظر میں یہ تھا کہ علم و عمل میں حدود کی رعایت اس درجہ تھی کہ حضراتِ انبیاء کا ذکر نہیں، ورنہ لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور دشوار ہے، اور اس میں یقیناً اس نعمت کو دخل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے "بسطة فی العلم" کے ساتھ "بسطة فی الجسم" کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا، جسمانی خلقت ظاہری و باطنی حواس کی صحت اور نتیجتاً اعتدال افعال اور مزاج کی لطافت میں بھی مجدد امت کی ذات نبی امت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پرتو تھی۔

ظاہر و قالب

قد مردانہ و میانہ مائل بہ درازی، بدن دُہرا، ہڈیاں چوڑی، چہرہ ہموار اور بھرا ہوا، دہن معتدل و متوسط، سرگیں شرمیلی آنکھوں میں سرخ ڈورے، بس جی چاہتا تھا کہ دیکھا ہی کرو، مگر کون آنکھ بھر کر دیکھ سکتا تھا، ہتھیلیاں ایسی نرم کہ مصافحہ کے وقت دست

www.abulhasanalinadwi.org

مبارک چھوڑنے کا جی نہ چاہتا تھا، داڑھی بھری اور گنجان، رنگ ضعیفی میں بھی گندمی، بلکہ کھلتا ہوا تھا، جوانی میں یقیناً سرخ وسفید رہا ہوگا، سر کے بال خفیف سی خمیدگی لیے ہوئے ذرا گھنگرالے، بجز سردی کے موسم کے لباس اکثر سفید استعمال فرماتے، گریبان کھلا رہتا، گاؤ تکیہ پر بائیں جانب ٹیک لگا کر تشریف رکھتے، وقار و ہیبت کا یہ عالم کہ مجلس میں کسی کو سر ہلانے کی ہمت مشکل، لیکن واقفیت و مانوسیت کے بعد سراپا محبت و محبوبیت، زیادہ تعظیم سے نفرت، بے تکلفی وسادگی طبیعت میں ایسی کہ بارش کی وجہ سے راستہ میں اگر پانی زیادہ ہوتا تو جوتا ہاتھ میں لے لیتے، گھر میں حضرت مخدومہ پیرانی صاحبہ کسی کام میں لگی ہوتیں تو کھانا خود نکال کر تناول فرما لیتے، آواز نہ پست نہ بلند، بس ایسی کہ سارا مجمع بے تکلف سن لے، اور گفتگو جلد جلد نہ فرماتے، ہر ہر لفظ ممتاز ہوتا، نماز میں قرأت قرآن کی بھی یہی خصوصیت تھی کہ ہر ہر لفظ نہایت صاف ترتیل واطمینان کے ساتھ ادا ہوتا، ایسا معلوم ہوتا کہ بہت مزہ لے لے کر پڑھ رہے ہیں، نگاہیں نیچی رہتیں، کبھی کبھی کسی خوش نصیب کی طرف اٹھ بھی جاتیں، ہنسی عموماً و عادۃً تبسم سے زیادہ نہ تھی، لیکن کبھی کبھی کھل کر بھی ہنس لیتے، مزاح بھی فرماتے، اور بے تکلفی و شگفتگی کے ساتھ فرماتے۔

قلب وباطن

اس ظاہر وقالب کا باطن کیسے قلب سلیم اور ''السعید من سعد فی بطن أمه'' کی بطنی سعادت اور کیسی معصوم وملکوتی روح سے منور تھا، اس کا اندازہ بچپن کے ایک ہی واقعہ سے ہوسکتا ہے، کہ ذہانت کی شوخی وشرارت تو فرماتے لیکن ہم عمر بچوں کے ساتھ ان کی ناشائستہ حرکات کی وجہ سے کھیل کود میں شرکت نہ فرماتے، حالانکہ یہ جذبہ بچوں میں کتنا قوی وطبعی ہوتا ہے، صرف اپنی ہمشیرہ کے ساتھ گھر کے اندر کھیل لیتے، ۱۲/۱۳ رسال کی عمر ہی سے جاڑوں تک کی راتوں میں منع کرنے کے باوجود اٹھتے

www.abulhasanalinadwi.org

اور وضو کر کے نماز تہجد پڑھتے۔

باقی عقل وحکمت، فہم وفراست اور علم وبصیرت کے جن بے شمار کمالات سے سینہ منور تھا، اس کو ہر صاحبِ نظر ایک ہی مجلس کی حاضری میں کچھ نہ کچھ دیکھ لے سکتا تھا، اور آج بھی ہزاروں صفحات کی تحریری باقیات صالحات کے ہر صفحہ پر دیکھا جاسکتا ہے، جس کی مختصر تفصیل ہی راقم سطور کا مدعا ہے۔

ترکِ لایعنی

گفتگو میں فضول ولایعنی باتوں کا قطعاً گزر نہ تھا، ایک گفتگو پر کیا موقوف، ترک لایعنی کے حسنِ اسلام کا یہ رنگ تھا کہ زندگی کی کوئی جنبش بھی لاطائل یا بے سوچے سمجھے نہ ہوتی، ہر ہر حرکت نپی تلی، ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں اپنی اور سب کی سہولت وراحت اور فراغ قلب کا غایت اہتمام فرماتے، قواعد وضوابط بھی اسی لیے تھے، فرمایا کرتے "میں نے اپنے معمولات میں راحت کی تدابیر اختیار کر رکھی ہیں، یہی میرا اصل مذاق ہے کہ دنیا کی بھی راحت ہو اور آخرت کی بھی، اور صرف اپنی ہی راحت مقصود نہیں، دوسروں کی راحت کا بھی خیال رکھتا ہوں" (۱) اپنی ذات تک تو یہ حال تھا کہ محض "داشتہ آید بکار" کی خاطر زائد از ضرورت معمولی کھانے پینے کی چیزوں کو بھی دیر تک مِلک میں رکھنا پسند نہ فرماتے، ہدیہ کی صورت میں زائد یا بے ضرورت کی چیزوں سے تو اکثر عذر ہی فرمادیتے، یا بانٹ دیتے، کہ ان کی حفاظت اور دھرنے اٹھانے کی فکر کیوں ہو، بس جس طرح زبان غیر اللہ کے ذکر سے پاک تھی، اسی طرح قلب کو غیر کی فکر سے فارغ رکھنا چاہتے، فرماتے کہ "چاہے توفیق یادِ خدا کی نہ ہو لیکن اپنی طرف سے تو قلب کو فارغ رکھنے کی کوشش ہی کرتا ہوں، تاکہ اگر کبھی توفیق ہو تو آسانی سے حق تعالیٰ کی طرف قلب کو رجوع کرسکوں، اور اس وقت کوئی مانعِ توجہ

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۲۶۴ حصہ اول

www.abulhasanalinadwi.org

الیٰ اللہ سے نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ الجھی ہوئی باتوں سے طبیعت پریشان ہوکر متغیر ہوجاتی ہے، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ بات جلد ختم ہوکر یکسوئی حاصل ہو"(۱) بناوٹی تہذیب و تصنع سے طبیعت اتنی نفور تھی کہ اگر کوئی مزاج پرسی کا خط بھی اس طرح لکھ دیتا کہ "سنا گیا ہے کہ خدام والا کا مزاج کچھ ناساز ہے، بدرجۂ غایت تردد ہے، امید کہ کسی خادم کو فرمائیں کہ تاوقت صحت کلی مزاج وہاج کی کوائف عالیہ سے ہر روز بذریعہ ایک گرامی نامہ کے مفتخر وممتاز فرماتے رہیں" تو ناراض ہوتے اور فرماتے کہ اپنا وقت لکھنے میں اور میرا پڑھنے میں ضائع کیا، صرف ایک لفظ کافی تھا کہ طبیعت کیسی ہے، لوگوں کی عادت بے محل اظہار معلومات اور بے سند سنی سنائی خبریں بیان کرنے کی ہوتی ہے، اس کو سخت ناپسند فرماتے، اور فرماتے کہ جس جملۂ خبریہ سے کوئی انشا منصور نہ ہو وہ لغو ہے، غرض ترک لایعنی اور "عن اللّغو ھم معرضون" کا سراپا نمونہ۔

مہمان و مہمانی

مہمان کچھ نہ کچھ کم وبیش روز ہی ہوتے، مگر ان کے ساتھ بھی کسی مصنوعی تکلف وتہذیب کو دخل نہ ہوتا، البتہ راحت کا پورا خیال فرماتے، یہ ناکارہ جب کبھی ایک آدھ ہفتہ کے لیے حاضر ہوتا اور یہ سعادت حاصل ہوتی تو دریافت فرماتے کہ کھانے پینے کے اوقات کیا ہیں، کسی خاص چیز کی تو عادت نہیں، کھانا کبھی اپنے ساتھ کھلاتے، کبھی علیحدہ قیام گاہ پر آجاتا، نفس میں کچھ وسوسہ ہوا تو شاید دوسرے ہی وقت جب کہ ساتھ کھا رہا تھا فرمایا کہ لاکھ بے تکلفی ہو مگر مہمان میزبان کے ساتھ کامل بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ کھا نہیں سکتا، اس لیے دو چار وقت سے زیادہ ٹھہرنے والے مہمانوں کو اکثر علیحدہ آزادی سے کھانے کا موقع دیدیا کرتا ہوں، تب جاکر اس بدگمان نفس نے بھی اس حکمت وراحت کو محسوس کیا، خادموں کو مہمانوں سے کچھ قبول

(۱) اشرف السوانح ص/۱۸۳

www.abulhasanalinadwi.org

کرنے کی اجازت نہ تھی، میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ بھی خدمت کرتے ہیں، اس لیے کچھ ان کی خدمت کا جی چاہتا ہے، فرمایا مجھ کو دے دو، تمہارا نام لیے بغیر دے دوں گا، مصلحت یہ ہے کہ ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو سرے سے کچھ نہیں دیتے، بعض کم دیتے ہیں، بعض زیادہ، تو پھر یہ خادم پہچان پہچان کر خدمت کریں گے۔

پہلے خانقاہی رنگ کی عام مہمانی ہوتی تھی، جو آتا تھا، حضرت ہی کا مہمان ہوتا تھا، لیکن حضرت کی طبیعت میں دوسروں کی راحت و مصلحت کا جیسا اہتمام تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بہت سا وقت ان کے کھانے پینے اور راحت رسانی کے اہتمام میں صرف ہو جاتا اور جس طلب میں وہ دور دور سے سفر اور مصارف برداشت کر کے آتے اس میں خلل پڑتا، جس کا اتنا اہتمام تھا کہ ایک مرتبہ احقر کا قیام خانقاہ سے ذرا فاصلہ پر تھا، تو صبح کی مجلس خاص کے لیے پہلے احقر کو اطلاع فرماتے پھر خانقاہ والوں کو، کہ کچھ پچھڑ نہ جاؤں، ساتھ ہی ہر روز کی اطلاع ان تعلیم فرمودہ الفاظ میں کرائی جاتی کہ ''میں فارغ ہوں آپ کا جی چاہے تو آجائیں'' تاکہ اگر کوئی کسی ضروری کام میں مصروف ہو تو بار نہ ہو، کہ اطلاع پاکر خواہ مخواہ حاضر ہونا ہی ہے، گو کوئی محروم ہی ہوگا، جو حضرت کی مجلس کے ایک لمحہ اور ایک لفظ کو بھی ضائع کرنا پسند کرتا، تاہم خود حضرت والا کی جانب سے دوسروں کی آزادی و سہولت کی اتنی رعایت فرمائی جاتی کہ خود بھی کون اپنی رعایت اتنی کر سکتا ہے، اور کرنا بھی چاہیے، تو ان دقائق پر نظر کس کی جاتی ہے، اس کے علاوہ حاضر ہونے والوں کی اصل غرض تعلیم و تربیت یا اپنے روحانی و باطنی علاج کی ہوتی تھی، اور طبیب کے سر مریضوں کی مہمانی کا بوجھ ڈالنا کیسے درست ہو سکتا ہے، پھر یہ بھی فرماتے کہ جب پیر کے گھر مرید مہمان ہوتا ہے تو غیرت آتی ہے کہ مفت کھا کر چل دیں، خواہ مخواہ نذر دینے کی فکر پڑ جاتی ہے، اور آٹھ آنہ کا کھایا ہے تو استطاعت ہو یا نہ ہو، دل چاہے یا نہ چاہے ایک روپیہ تو دیتے ہی بن پڑتی ہے، ان

www.abulhasanalinadwi.org

مفاسد و مصالح پر نظر فرما کر عام مہمان داری مسدود فرمادی تھی۔

بات بات میں حکمت وافادہ

خلاصہ یہ کہ کوئی چھوٹی بڑی بات حکمت و مصلحت سے خالی نہ ہوتی، اور تعلیماتِ نبوت کی تعلیم فرمانے والے ایک جامع و مبعوث مجدد کی یہی شان ہونی چاہیے کہ اس کی زندگی "لکم في رسول الله أسوة حسنة" کا اس باب میں بھی عکس ہو کہ کوئی حرکت و سکون امت کے لیے افادہ و تعلیم سے خالی نہ ہو، خواہ اس کا درجہ استحباب ہی کا ہو، لوگوں نے معاشرت کو بالکل دین سے خارج کر دیا ہے، اور ہمارے عادات واخلاق، اسلامی تعلیمات سے اس قدر دور جا پڑے بلکہ متضاد ہو گئے ہیں کہ قریباً روزانہ ہی مجلس میں کسی نہ کسی بات پر تغیر ہوتا اور روک ٹوک فرمانی پڑتی، مگر اس تنبیہ و مواخذہ میں حدود سے ذرا تجاوز نہ ہوتا، آواز کچھ بلند اور لہجہ ذرا تیز ہو جاتا، لیکن کیا مجال کہ کوئی لفظ نامناسب زبان پر آجائے، فرماتے کہ "میں اس کو خیانت جانتا ہوں کہ لوگ اپنی اصلاح کے لیے آئیں اور میں اصلاح طلب باتوں پر روک ٹوک نہ کروں" لیکن ساتھ ہی فرماتے کہ عین مواخذہ کے وقت بھی "بحمد اللہ اس کا استحضار رکھتا ہوں کہ یہ شخص مجھ سے لاکھوں درجہ افضل ہے" (۱) اور اس کی مثال میں فرماتے کہ جیسے بادشاہ کسی جلاد کو حکم دے کہ شاہ زادہ کو بید لگائے تو وہ حکم کی وجہ سے بید ضرور لگائے گا، لیکن عین بید لگانے کی حالت میں اس کو یہ وسوسہ بھی نہ ہوگا کہ میں شہزادہ سے افضل ہوں، سبحان اللہ! کیسے نازک مسئلہ کی کیسی دلنشیں مثال ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ رحم و حلم کوئی ایسی صفت ہے کہ غصہ و تغیر کبھی ہونا ہی نہ چاہیے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی صفت بے مصرف یا بے حکمت نہیں پیدا فرمائی، تمام صفات کے استعمال کی ضرورت ہے، اور ان کا حسن و کمال ان کے فنا کر دینے یا ازالہ میں نہیں، بلکہ ان کے امالہ یا صحیح

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۳۴۵ حصہ/۴

www.abulhasanalinadwi.org

استعمال و اعتدال میں ہے، ایک موقع پر فرمایا کہ "کامل وہ ہوتا ہے جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پورا متبع ہو، طریق سنت میں اعتدال ہوتا ہے، افراط و تفریط نہیں ہوتی۔" (۱)

تمام صفات کا اپنے صحیح مواقع پر اعتدال کے ساتھ اظہار ہوتا، کہ لوگ ان کے صحیح استعمال کو جان اور پہچان سکیں، جیسا کہ دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ "اصلی شیخ وہی ہے جس سے غم و غصہ و رنج و راحت وغیرہ کے تمام احوال میں سبق حاصل ہو" (۲) اور حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ تو بار بار نقل فرماتے کہ "مربی وہ ہے جس کا دین انبیاء کا سا ہو، تدبیر اطباء کی سی اور سیاست بادشاہوں کی سی، خوب کہا کہنے والے نے

اے قبائے رہنمائی راست بر بالائے تو
علم و حکمت را شرف از گوہر والائے تو

صراطِ مستقیم

اسلام کی اصل روح صراطِ مستقیم ہے، یعنی زندگی کی ایسی سیدھی راہ جو بے اعتدالی اور افراط و تفریط کے ہر عوج و انحراف سے پاک و نا آشنا ہے، لہٰذا اس راہ سے اگر لوگ منحرف ہوں یا اس میں کچھ پیچ و خم پیدا کر دیں تو صحیح اور تجدید کا پورا حق وہی ادا کر سکتا ہے جو علم و عمل ہر اعتبار سے نقطۂ اعتدال اور حدود کی فہم اور ان پر قدرت رکھتا ہو، اور یہ فہم و قدرت اس کو حاصل ہوتی ہے جو خود کسی حال و مذاق سے مغلوب نہ ہو، اس گئے گذرے زمانہ میں بھی الحمد للہ صلحاء و مخلصین اور اہل اللہ و مقبولین سے دنیا خالی نہیں، لیکن ہر جگہ کسی نہ کسی خاص رنگ کا غلبہ دیکھا، جس میں حدود کی رعایت بہ مشکل ہی ہوتی اور ہو سکتی ہے، بلاشبہ مغلوبیت بجائے خود ایک عذر ہے، جو مقبولیت کا مانع ہے، لیکن

---

(۱) بزم جمشید ص/۷

(۲) او کما قال، ٹھیک الفاظ یاد نہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

مقبول ہونا اور شئے ہے اور مجدد ہونا اور شئے، مجدد کی نظر جب تک کسی امر کے تمام پہلوؤں اور مصالح و مفاسد پر نہ ہو، بالکل ممکن ہے کہ وہ افراط سے تفریط اور تفریط سے افراط کی طرف نکل جائے، اور ایک اصلاح دوسرے افساد کی شکل اختیار کر لے، جیسا کہ آج کل کے اکثر اس قسم کے مصلحین اور ان کی اصلاحات میں دیکھا جا رہا ہے۔

کسی خط میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے راقم احقر سے سوال فرمایا تھا کہ مولانا تھانوی علیہ الرحمہ کا سب سے ممتاز وصف کیا تھا، خاکسار نے جواب میں عرض کیا تھا "علم و عمل ہر شئے میں حدود کی انتہائی رعایت"، ایک موقع پر اسی کو ارشاد فرمایا کہ:

شانِ تجدید

"بعض رسوم اس قدر قلب میں جاگزیں ہو جاتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء و صلحاء بھی باوجود تقویٰ و طہارت ان رسوم سے آگاہ نہیں ہوتے اور ان میں تساہل برتتے ہیں، اور یہ تساہل بوجہ حسن ظن کے پیش آجاتا ہے، (یا بوجہ غلبۂ حال کے نظر ہی نہیں پڑتی) اور وہ عام لوگوں کے اغراض و عقائد پر مطلع نہیں ہوتے، اور ان رسوم کے مفاسد متعدیہ کی طرف جو آل کار ظاہر ہوتے ہیں، بوجہ دقیق ہونے کے ان کی نظریں نہیں پہنچتیں، ان مفاسد کا معلوم کرنا ایسے ہی شخص کا خاص حصہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلع قمع کرنے کے لیے پیدا کیا ہے، چنانچہ حکایت ہے کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے چچا مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث کے گھر تشریف لے گئے، معلوم ہوا کہ عورتوں نے بی بی کی صحنک کی ہے، مولانا شہید نے منع فرمایا،

www.abulhasanalinadwi.org

اس پر ان کے چچا شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ اسمٰعیل یہ تو ایصال ثواب ہے، تو اس میں کیا ہرج ہے، مولانا شہید نے جواب دیا کہ یہ بھی تو اس ''حجر'' میں داخل ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ وَّحِجْرٌ لَّا یَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ﴾ چنانچہ اس میں یہ بھی شرطیں لگائی جاتی ہیں کہ عورتیں کھائیں، مرد نہ کھائیں اور وہ بھی سہاگنیں کھائیں،...... شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ واقعی اب تک یہ بات ہماری سمجھ میں نہ آئی تھی، اور حقیقت یہی ہے جو تم کہتے ہو۔''

''ایسا ہی حضرت سید احمد صاحب رائے بریلویؒ کا قصہ مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے ساتھ ہوا کہ حضرت سید صاحب مفتی صاحب کے گھر تشریف لائے، گھر کے اندر ایک لڑکا ماں کی گود میں باہر لایا گیا، جس کے ہاتھوں میں چاندی یا سونے کے کڑے تھے، اور وہ لڑکا مفتی صاحب کے خاندان کا تھا، حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ مفتی صاحب یہ تو حرام ہے، مفتی صاحب نے فرمایا کہ والدہ سے کہہ دینا کہ سید صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہیں، تھوڑی دیر میں پھر ماما آئی اور مفتی صاحب سے کہا کہ آپ کو والدہ بلاتی ہیں، فرمایا چلو آتے ہیں، پھر تھوڑی دیر میں تقاضا ہوا اور یہی جواب ملا، کئی بار کے بعد سید صاحب نے فرمایا والدہ بلاتی ہیں ہو آیئے، کچھ ضرورت ہوگی، مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضرت کچھ کام نہیں، فضول واہیات کام

www.abulhasanalinadwi.org

کے لیے بلاتی ہیں، سید صاحب نے پوچھا کیا کام ہے، مفتی صاحب نے جواب دیا کہ شادی ہے اور چاول کوٹنے کے لیے موسل میں ڈورا بندھواتی ہیں، سید صاحب نے فرمایا کہ مولانا یہ تو شرک ہے، اس پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ والدہ سے کہہ دو کہ سید صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شرک ہے، یہ باتیں جس مجلس میں ہو رہی تھیں، اس میں ایک شخص نے دلیری سے مفتی صاحب سے کہا کہ سب کچھ سید صاحب ہی فرماتے ہیں، آپ بھی کچھ فرماتے ہیں، آپ نے کس واسطے پڑھا تھا، گویا آپ کچھ جانتے ہی نہیں، اس پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ بھائی یہ سچ ہے کہ ہماری مثال اس صندوق کی سی ہے جو جواہرات سے پُر ہو، مگر وہ صندوق ان جواہرات کی قدر و قیمت کو نہیں پہچانتا، بلکہ جوہری پرکھ کر ہر ایک کی قیمت کو بتاتا ہے، اسی طرح ہم نے سب کچھ پڑھا مگر جو سید صاحب نے سمجھا وہ ہم نے نہیں سمجھا، تو سید صاحب جوہری ہیں اور ہم صندوق۔'' (۱)

مبعوثیتِ مجدد

ان دونوں حکایتوں سے ظاہر ہے کہ عام صلحاء اور اہل اللہ کیا معنیٰ ان میں جو بڑے بڑے محدث و فقیہ ہوتے ہیں ان کا بھی مجدد ہونا ضروری نہیں، وہ تو بقول حضرت مفتی الٰہی بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ''دینی علوم کے جواہر کا صندوق ہوتے ہیں'' باقی ان جواہر کی قدر و قیمت کی پرکھ کے لیے تو جوہری کی نگاہ لابدی ہے، اور اسی لیے یہ ایسے ہی شخص کا خاص حصہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دقیق سے دقیق دینی مفاسد

(۱) مقالات حکمت ص/۱۹۴

www.abulhasanalinadwi.org

پہچاننے کی نظر عطا فرمائی ہو، اور ان کے قلع قمع کرنے کے لیے ہی پیدا فرمایا ہو، وہی بات کہ مجدد بھی نبی کی طرح مبعوث ہوتا یعنی تجدید دین کی خدمت کے لیے پیدا ہی فرمایا جاتا ہے، لہٰذا ہر ولی و بزرگ، محدث وفقیہ تو مجدد نہیں ہوتا، لیکن اکابر مجددین کا کسی نہ کسی درجہ میں مفسر ومحدث وفقیہ وصوفی سب کچھ ہونا ضروری ہے، کیونکہ تجدید دین کے لیے علم دین ضروری ہے، ورنہ تجدید کرے گا کس چیز کی، ہر غیر متعصب صاحبِ بصیرت مجدد تھانوی علیہ الرحمہ کی کتابوں پر ایک نظر ڈال کر دیکھ لے سکتا ہے کہ تفسیر وحدیث وفقہ وکلام، تصوف وفلسفہ کون سا ایسا علم ہے، جس کا دین سے بالواسطہ یا بلاواسطہ کچھ بھی تعلق ہے، اور جس پر مصنف کی نظر نہیں، کسی میں عبور ومہارت تو کسی سے بقدرِ ضرورت واقفیت، مگر غیر معمولی عقل وفہم، فکر وبصیرت کی بناء پر سب کے مغز و تہ تک رسائی۔

ولیس علی اللہ بمستنکر
أن یجمع العالم فی واحد

مخلوق سے استغناء

ایک اور اہم وصف جو دین کی ہر چھوٹی بڑی خدمت کو صحیح طور پر بجالانے کی ضروری شرط ہے، (چہ جائیکہ خدمتِ تجدید) وہ مخلوق سے زیادہ سے زیادہ بے غرضی و استغناء ہے، جس کو انبیاء علیہم السلام کی زبان سے یوں کہلایا گیا ہے کہ "لَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللهِ" (۱) ظاہر ہے کہ جس قدر غیر اللہ یا خلق کا دل ودماغ پر دباؤ ہوگا، اسی قدر علم حق کی فہم کا دروازہ بند ہوگا، اور راہِ حق میں زبان کا کھلنا اور قدم کا اٹھنا دشوار ہوگا، یہ وصف حضرت کی زندگی کے ہر شعبہ میں اس درجہ ابھرا ہوا تھا کہ ناواقفوں کو بعض دفعہ خشکی اور درشتی کا گمان ہوتا تھا، ہمارے ایک فرشتہ صفت وسلیم الفہم

(۱) یعنی میں تم سے قطعاً کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر صرف اللہ پر ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

دوست نے ایک مرتبہ بڑے پتہ کی بات فرمائی کہ حضرت جن باتوں پر متغیر ہوتے اور ناگواری کا اظہار فرماتے ہیں، ہم کو بھی ان پر تغیر ہوتا ہے، مثلاً ایک موقع پر ایک صاحب جو حضرت کے قریب بیٹھے تھے، حضرت کے خط کو گھورنے لگے، اس پر اٹھا دیا اور فرمایا کہ ''اول تو بدون اجازت کسی کے خط کو دیکھنا شرعاً ناجائز ہے، دوسرے اس سے کاتب کا قلب مشوش ہوتا ہے، اور کون بے حس ہوگا جس کو کسی ایسی بیہودہ بات پر ناگواری نہ ہو، لیکن ہم بالعموم اپنی کسی غرض اور نفع وضرر کی کسی امید وخوف کی بناء پر دب اور گھٹ کر رہ جاتے ہیں، لیکن حضرت چونکہ کسی سے کوئی ذاتی غرض نہیں رکھتے، اس لیے ناراضی اور غصہ کے موقع پر آخر نام نہاد حلم ومروت سے کیوں کام لیں، گو ظاہر ہے کہ حضرت بشریت سے خالی نہ تھے، تاہم حضرت کا تغیر ایسے مواقع پر بھی شاذ ہی کبھی خود مخاطب کی تعلیم وتنبیہ کے نفع سے خالی ہوتا ہوگا، البتہ یہ نفع لوگوں کو بالعموم جب ہی ہوتا ہے کہ بیہودہ ونامناسب بات پر کچھ نہ کچھ ناراضی کے لہجہ میں تنبیہ ہو، یوں بھی بقول حضرت ہی کے تادیب کے وقت غلامی کا لہجہ نہیں ہوسکتا، خصوصاً آج کل کے طبائع جیسے پلید و بے حس ہوگئے ہیں کہ محض نرمی کو اکثر خوشامد پر محمول کیا جاتا ہے۔

مالی استغناء

سب سے دشوار مالی استغناء ہے، رائج الوقت پیری ومریدی ایک مستقل معاشی پیشہ بن گیا ہے اور بلا کسی شرط وتحقیق کے مرید کرلینا تو عام دستور ہے، لیکن حضرت کے ہاں اس چیز میں بھی ہر چیز کی طرح حدود وقیود تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھ کو کچھ فوج تھوڑا ہی جمع کرنا ہے، نہ دوکان چلانا ہے'' ہر مرید سے یا بیعت کے وقت تو قطعاً کچھ نہ قبول فرماتے تھے، البتہ ہدیہ کے طور پر اپنے مخلص خادموں سے کچھ قبول فرمالیتے، جن کے اخلاص کا یقین وتجربہ ہوتا، وہ بھی اس کڑی شرط کے ساتھ کہ ''تہادوا تحابوا'' کے تحت محض محبت کی راہ سے پیش کیا گیا ہو، جس میں ثواب کی

www.abulhasanalinadwi.org

بھی نیت یا دعا تک کی درخواست نہ ہو، کسی نے لکھا کہ پانچ روپیہ بھیجنا چاہتا ہوں اور آنے کی اجازت چاہتا ہوں، فرمایا کہ "اب ملاحظہ ہو نا گواری ہو کہ نہ ہو، دونوں کو جمع کیا ہے، اصل میں ہم لوگوں کو طمّاع حریص سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے ان حرکات کی، میں بھی ایسا جواب دوں گا کہ طبیعت خوش ہو جائے گی" (۱) غرض جہاں اس طرح کا کوئی قرینہ یا شبہ ہو جاتا، انکار فرما دیتے یا لینے کے بعد واپس فرما دیتے، بارہا کثیر رقموں تک کے منی آرڈر واپس ہو جاتے، یہ بھی شرط تھی کہ ہدیہ کی مقدار اتنی قلیل ہو کہ پیش کرنے والے پر بار بالکل نہ ہو، احقر کا تجربہ ہے کہ قلیل کو زیادہ مسرت کے ساتھ قبول فرماتے، لوگ اس طرز سے اتنا مانوس و بے تکلف ہو گئے تھے کہ ایک دفعہ کسی خادم نے غالباً اِکنّی پیش کی اور عرض کیا کہ تین پیسے ہدیہ ہیں اور ایک پیسہ واپس فرما دیں، نہایت خوش ہو کر قبول فرمائے، اپنی ذات خاص ہی کے لیے نہیں بلکہ مدرسہ اور خانقاہ کے لیے بھی اسی طرح کی احتیاط و استغناء کا معمول تھا، ایک صاحب نے مدرسہ کے لیے غالباً دو سو روپئے بھیجے۔ قبول فرما لیا، پھر دوسرے سال جب روپیہ بھیجا تو لکھا کہ "معمول کے موافق روپیہ بھیجتا ہوں لیکن اگر گزشتہ سال کی طرح اس مرتبہ بھی رسید نہ آئی تو آئندہ بند کر دوں گا"، منی آڈر وصول نہیں فرمایا، اور تحریر فرمایا کہ "تم آئندہ سال بند کرو گے، ہم امسال ہی بند کرتے ہیں۔" (۲)

دو چار دن بھی جو حاضر رہتا، اس کو کچھ اور حاصل ہو نہ ہو، لیکن مال و مخلوق سے حضرت کے کامل استغناء و بے غرضی کا پورا تجربہ و یقین تو کرنا ہی پڑتا تھا، اپنے بڑے خاص اور بڑے مخلص مرید و مجاز حکیم مصطفیٰ صاحب کو معالجہ کے سلسلہ میں ایک مرتبہ ایک اشرفی عطا کی، کہ جب استطاعت ہے تو طبیب خواہ مرید ہی کیوں نہ ہو، اس کی خدمت کا بھی خیال کیا جائے۔

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۴/۴۰۴

(۲) اشرف السوانح حصہ اول ص/۱۰۸

www.abulhasanalinadwi.org

امراء سے استغناء

حیدر آباد جانے والے علماء و مشائخ میں بہت ہی کم کوئی ہوگا، جو اعلیٰ حضرت خلّد اللہ ملکہ کی خدمت میں باریابی کی آرزو، و وظیفہ و منصب کی طمع دل میں نہ رکھتا ہو، اور اس کے لیے کھلی چھپی کوشش نہ کرتا ہو، لیکن حضرت تشریف لے گئے تو اس کا ماجرا ذرا تفصیل سے خود حضرت ہی کی زبان مبارک سے سننے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:

> ''اہلِ علم کے لیے یہ بات بہت ہی ناپسندیدہ ہے کہ وہ امراء سے خلط کریں، اس لیے کہ غرباء کو جو مصلح سے نفع ہوتا ہے، امراء سے وہ بھی آیا گیا ہو جاتا ہے، قلوب پر مصلح کا وہ اثر نہیں رہتا، مجھ کو حیدر آباد دکن میں ایک دوست نے مدعو کیا تھا، دیوبند کے بعض احباب خاص اہل علم نے مشورہ دیا کہ وہاں نواب صاحب سے ملاقات ضروری ہے، میں نے کسی کو کوئی جواب نہیں دیا۔
>
> وہاں پہنچ کر سات ہی روز گزرے تھے کہ فلاں نواز جنگ کا ایک پرچہ آیا جس میں لکھا تھا کہ ایک عرصہ سے مجھ کو زیارت کا اشتیاق تھا، مگر بدقسمتی سے تھانہ بھون کی حاضری نصیب نہ ہوئی، برائے زیارت حاضر ہونا چاہتا ہوں، اور فلاں فلاں وقت اپنے فرائض منصبی سے فرصت ملتی ہے، (مطلب یہ کہ اس کی رعایت سے مجھ کو وقت بتلایا جائے)۔''

مجلس میں حضرت کے استفسار پر معلوم ہوا کہ یہ ''فلاں جنگ صاحب'' نواب صاحب کی ناک کے بال اور ارکان سلطنت میں سے ہیں، اب ان کے پرچہ کا جواب حضرت والا کی طرف سے ملاحظہ ہو کہ ہمارے کتنے علماء و مشائخ ایسوں سے ایسا استغناء برت سکتے ہیں، تحریر فرمایا کہ:

www.abulhasanalinadwi.org

''بے حد مسرت ہوئی کہ آپ کے دل میں دین اور اہل دین کی عظمت ومحبت ہے، مگر نیچے کی سطر پڑھ کر افسوس کی بھی کوئی حد نہ رہی کہ اس میں فہم سے کام نہ لیا گیا، جس کے ملنے کو زیارت سے تعبیر کیا گیا، اس کو تو اپنے اوقاتِ فرصت بتلا کر پابند کیا گیا اور خود آزاد رہے، یہ کون سی فہم وتہذیب کی بات ہے۔''

اس پر نواز جنگ صاحب نے اپنی بدفہمی کی معافی چاہ کر دوبارہ لکھا کہ ''حضرت والا ہی اپنی ملاقات کا وقت تحریر فرمادیں'' حضرت کی طرف سے مزید تعلیم و امتحان ملاحظہ ہو، جواب لکھا کہ:

''اب بھی پورے فہم سے کام نہیں لیا گیا، مردہ بدست زندہ کی طرح مہمان میزبان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اس لیے سفر میں اوقات کا ضبط ہونا غیر اختیاری ہے، آپ ساتھ رہیں، جس وقت مجھ کو فارغ دیکھیں، ملاقات کرلیں۔''

اس جواب پر جواب آیا کہ ''بدفہمی پر بدفہمی ہوتی چلی جارہی ہے، نہ اب اپنے اوقات کو ظاہر کرتا ہوں نہ حضرت سے معلوم کرتا ہوں، جس وقت فرصت ہوگی، حاضر خدمت ہوکر زیارت سے مشرف ہوجاؤں گا، اگر آپ کو فرصت نہ ہوئی تو لوٹ آؤں گا۔'' امتحان کی اس کامیابی پر حضرت نے پھر کیسی دلجوئی ومسرت کی سند عطا فرمائی کہ:

''اب پورے فہم سے کام لیا گیا، جس سے اس قدر مسرت ہوئی کہ پہلے آپ کا میری زیارت کو جی چاہ رہا تھا، اب میرا آپ کی زیارت کو جی چاہنے لگا، اگر فرصت ہو، آپ تشریف لے آئیں ورنہ مجھ کو اجازت فرمائیے، خود حاضر ہوجاؤں۔''

www.abulhasanalinadwi.org

سبحان اللہ! تذلل وتکبر دونوں سے اہل علم واہل دین کو بچانے کی کیسی تعلیم فرمائی، آگے خود اہل مجلس کو خطاب فرما کر فرمایا کہ:

''یہ میرا طرز اس لیے تھا کہ یہ دنیا کے لوگ جس قدر بڑے ہیں، اہل دین کو بے وقوف سمجھتے ہیں، ان کو یہ دکھلانا تھا کہ اہل علم و دین کی یہ شان ہے، تو پہلے تذلل سے بچنا مقصود تھا، مگر جب وہ اپنی کوتاہی تسلیم کر چکے تو اب کھنچنا تکبر تھا، اللہ کا شکر ہے دونوں سے محفوظ رکھا۔''

غرض اس کے بعد وہ صاحب خود ہی آ گئے، اہل مجلس میں بعضوں نے دور سے دیکھ کر کہا کہ فلاں صاحب آ رہے ہیں، حضرت ڈاک لکھ رہے تھے، برابر لکھتے رہے، جس وقت انھوں نے پہنچ کر السلام علیکم کہا، تب حضرت فرماتے ہیں کہ:

''میں نے سلام کا جواب دیا، اور کھڑے ہو کر مصافحہ کیا، بے چارے بہت ہی مہذب تھے، دو زانو ہو کر سامنے بیٹھ گئے، میں نے اپنی برابر کی جگہ دے کر کہا بھی کہ اس طرف آ جائیے، اس پر کہا کہ مجھ کو یہیں آرام ملے گا، کچھ دیر میرے سوال پر نواب صاحب نے بیدار مغزی اور انتظام سلطنت کے واقعات بیان کرتے رہے، اس کے بعد کہا اگر نواب صاحب سے ملاقات ہو جائے تو بہت مناسب ہے۔''

اب حضرت حکیم الامت کی حکمت آموزی اور تعلیم کے مزید اسباق کان لگا کر سنیں، پہلا سوال یہ ہوا کہ:

''یہ آپ کی خواہش ہے یا نواب صاحب کی، کچھ سکوت کے بعد کہا کہ میری خواہش ہے، میں نے سوال کیا کہ جس وقت آپ

www.abulhasanalinadwi.org

نے ملاقات کے مناسب ونامناسب ہونے پر غور فرمایا ہوگا، اس پر بھی ضرور غور فرمایا ہوگا کہ ملاقات سے نفع کس کا ہے، کہا نواب صاحب کا، میں نے کہا نفع نواب صاحب کا اور ملاقات کی ترغیب مجھ کو دی جارہی ہے، طالب کو مطلوب اور مطلوب کو طالب بنایا جارہا ہے، اس پر کوئی جواب نہیں دیا۔"

یہ سوالات ہی بیچارے کے خواب وخیال میں کب گزرے ہوں گے کہ جواب دیتے، ان کو سابقہ اب تک ایسے علماء ومشائخ سے پڑا تھا جو خود ہی طرح طرح کے ظاہر ومخفی وسائل وذرائع سے باریابی کے طالب وساعی ہوکر آتے ہیں، آگے غور سے اس سوال کی دینی وتجدیدی حکمتوں کو خود حکیم الامت ومجدد ملت کی زبان مبارک سے سنیے کہ:

"اب میں خود اس کے متعلق عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ اس صورت میں کہ میں خود ملاقات کو جاؤں، مضرت ہی مضرت ہے، نفع کچھ نہیں، یہ تو پہلے ہی عرض کرچکا ہوں کہ اگر ملاقات کو گیا تو وہ مطلوب اور میں طالب ہوں گا، تو اس صورت میں ان کو تو مجھ سے کوئی نفع نہ ہوگا، ہاں اُن سے مجھ کو نفع ہوسکتا ہے، اس لیے کہ جو چیز ان کے پاس ہے وہ مجھ کو ملے گی، یعنی دنیا، اور وہ بقدر ضرورت الحمد للہ میرے پاس بھی ہے، اور جو میرے پاس ہے، وہ بقدر ضرورت بھی ان کے پاس نہیں، یعنی دین۔

اور اگر میں گیا بھی، اور جو ان کے پاس ہے (یعنی دنیا، منصب و وظیفہ وغیرہ کی صورت میں) وہ مل بھی گئی تو اس صورت میں ایک خاص ضرر بھی ہے کہ اگر قبول کرتا ہوں تو اپنے مسلک کے خلاف

www.abulhasanalinadwi.org

اور اگر نہیں کرتا تو آدابِ شاہی کے خلاف، کیونکہ قبول نہ کرنے میں ان کی سبکی اور اہانت ہوگی، اور چونکہ اس وقت میں ان کے حدود میں ہوں، اس کی پاداش میں (اخراج وغیرہ) جو چاہیں میرے لیے تجویز کر سکتے ہیں، تو نواب صاحب کو کوئی نفع نہ ہوگا اور میرا نقصان ہوگا۔"

آگے بعض اور مصالح بیان فرما کر ملاقات کی صحیح صورت بیان فرمادی، جو نواب صاحب ہی کی شان و مرتبہ کے مناسب تھی، تاکہ اگر ان کو واقعی کوئی دینی طلب و شوق ہے، تو دینی نفع سے وہ، اور دینی خدمت سے حضرت محروم نہ رہیں، لہٰذا فرمایا کہ:

"یہ امر بھی شانِ سلاطین کے خلاف ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مدعو کیے ہوئے شخص سے ملاقات کریں، اس میں کم فہم لوگ ان کو تنگدلی کی طرف منسوب کریں گے، جس میں ان کی اہانت ہے کہ کیا خود نہیں مدعو کر سکتے تھے، خلاصہ یہ کہ خیر اسی میں ہے نہ میں ان کے پاس جاؤں نہ وہ میرے پاس آئیں، اگر ان کا جی چاہے تو تھانہ بھون سے مجھ کو بلالیں، میں خاص شرائط کر کے آجاؤں گا، کچھ عذر نہ ہوگا، یہ سن کر نواز جنگ صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور کہا کہ ان چیزوں پر تو ہم لوگوں کی نظر بھی نہیں پہنچ سکی۔"

وہ بیچارے جس دنیا کے آدمی تھے، ان کی نظر کیا پہنچتی! ضرورت ہے کہ دین کے علماء و مشائخ کی آنکھیں کھلیں اور ان کی نظر ان باتوں تک پہنچے، ورنہ امراء کے درباروں میں حاضری اور درباداری سے دنیا تو شاید مل جاتی ہو، لیکن دین اپنا، ان کا اور دوسروں سب کا کھوتے ہیں، راقم احقر کو حیدرآباد ہی میں بارہا اس کے تجربات ہوئے کہ جو اہل علم و دین خود طالب اور امراء کو کسی اعتبار سے بھی مطلوب بنا کر جاتے

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں، خواہ کسی کی سفارش ہی کے لیے وہ کچھ نہ کچھ مروت و مداہنت اور تملق پر لازماً مضطر ہوتے ہیں، اور جس ہو تو علم دین ہی کی نہیں خود اپنی اچھی خاصی ذلت تو آدمی ضرور محسوس کرتا ہے، مگر اکثر بے حسی کا یہ عالم دیکھا، اس ذلت کو اُلٹے فخر وعزت جان کر گاتے پھرتے ہیں!

''غرض کہ امراء سے علماء کا خلط کرنا (ملنا جلنا) اس میں امراء کا تو کوئی (معتدبہ) نفع نہیں، اور اہل علم کے اور غرباء کے دین کا نقصان ہوتا ہے، اس لیے میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔''(۱)

تاہم حضرات امراء کے ساتھ کوئی اہانت کا برتاؤ نہ فرماتے بلکہ ان کے مرتبے کا ظاہری اکرام فرماتے، البتہ قلب میں محض ان کی امارت و دولت کی بناء پر کوئی عظمت نہ تھی، فرماتے ہیں کہ ''ان کی خاطر و مدارات تو کر دیتا ہوں لیکن عظمت بالکل قلب میں نہیں'' چنانچہ اگر کوئی بے تمیزی یا بے ڈھنگے پن کی بات کرتا، تو حضرت محض اس کی امیرانہ عظمت کی وجہ سے طرح نہ دیتے، اس لیے امراء میں حضرت سے تعلق کی سعادت وہی حاصل کر سکتا تھا جو اپنی امیری کو طاق پر رکھ کر آتا۔

''مظفر نگر کے سفر میں ایک معزز رئیس جو بہت بے باک اور تیز زبان تھے، اور بڑے بڑے حکام کے سامنے نہ جھکتے تھے، حضرت والا سے کوئی بے ڈھنگی بات پوچھی، حضرت نے حسب معمول انھیں ڈانٹا اور یہاں تک ناگواری بڑھی کہ مجلس سے اٹھ جانے کو فرمایا، وہ پھر بھی بیٹھے رہے تو حضرت والا خود اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ''میں ایسے شخص کی ہم نشینی بھی نہیں گوارا کر سکتا'' اس کے بعد انھوں نے دست بستہ عرض کیا کہ حضرت

(۱) یہ ملفوظ خود حضرت کے مال وجاہ دونوں سے استغناء کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد کا جامع تھا، اس لیے قریب قریب پورا نقل کر دیا گیا۔ (الافاضات الیومیہ ص/۵۶ تا ۶۳ حصہ/۴)(مؤلف)

www.abulhasanalinadwi.org

بیٹھیں، میں خود ہی جاتا ہوں، اور بعد کو کہا کہ میرا تو عمر بھر کے لیے علاج ہو گیا، (الكبر مع المتكبرين عبادة)۔"(۱)

اگر تمول سے کچھ بھی رغبت ہوتی، تو ایک متمول باپ کے وارث ہو کر جائیداد و زمین داری سے کیوں دست بردار ہو جاتے، جو مال و جاہ دونوں کا ذریعہ تھی، اس سے بڑھ کر خود اپنی تصنیفات و تالیفات ہی سے لاکھوں کے مالک بن جاسکتے تھے، جن سے خدا جانے کتنوں نے کیا کچھ نہیں کما لیا، مگر حضرت کے دل میں کبھی اس کا وہم نہیں آیا، بلکہ اتنا بُعد تھا کہ کوئی کسی کتاب کی فرمائش خود حضرت کی خدمت میں بھیج دیتا تو ناگوار ہوتا اور فرماتے کہ کیا میں نے دوکان کھول رکھی ہے، بلکہ اس کا اعلان فرما دیا تھا کہ کتابوں کی طباعت واشاعت سے قطعاً کوئی سروکار نہیں رکھتے، اصل یہ ہے کہ مجدد مبعوث کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے اول دن ہی سے مال کی طمع و محبت سے بالکل بے لوث کر رکھا تھا، عین شباب میں جو ہر قسم کی امنگوں و حوصلوں کا عہد ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ "میں جب کبھی طالب علمی میں سوچا کرتا تھا، تو زیادہ سے زیادہ دس روپیہ ماہوار کی مدرسی اپنی ضروریاتِ معاشی کے لیے کافی سمجھتا تھا، پانچ روپیہ اپنے خرچ کے لیے اور پانچ روپیہ گھر کے خرچ کے لیے، بس اس سے زیادہ کی تنخواہ پر نظر ہی نہ جاتی تھی، بڑی تنخواہ سے طرح طرح کے مادی حوصلے ہی نہیں پورے ہوتے بلکہ عزت و جاہ کا بھی بڑا ذریعہ ہے، دس روپیہ کے چاکر کی کیا وقعت۔ حضرت کے والد بڑے دانشمند اور صاحبِ فراست تھے، ان کو حضرت کی اس نظر کا بچپن ہی سے اتنا وثوق تھا، ایک موقع پر فرمایا کہ یاد رکھو! وہ میرے بعد میرے مال و متاع سے بالکل الگ رہے گا اور ظاہر ہے کہ کامل للّٰہیت کے ساتھ جب تک مال و جاہ سے بھی کامل استغناء نہ ہو دین کی تبلیغ و تجدید کا حق کیا ادا ہو سکتا ہے، یہ وصف اتنا غیر معمولی طور پر نمایاں تھا

---

(۱) اشرف السوانح حصہ اول ص/۱۰۸

www.abulhasanalinadwi.org

کہ رات دن کا تجربہ رکھنے والے خوب جانتے تھے کہ کوئی شخص بھی جاہ و مال کی خاطر ایک کلمہ بھی حضرت کی زبان سے نہیں نکلوا سکتا تھا، اپنی ذات کا ذکر ہی کیا، مدرسہ وغیرہ کسی دینی کام میں چندہ تک کے لیے شخصی تخاطب کے روادار نہ تھے، بس زیادہ سے زیادہ عمومی اعلان واطلاع کو جائز رکھتے تھے، وعظوں میں بھی چندہ کی تحریک سے ابتداء ہی سے احتراز تھا، مدرسہ فیض عام کانپور کی مدرسی سے علیحدگی کا سب سے بڑا سبب یہی ہوا کہ علماء و مدرسین کے لیے چندہ مانگنے کے کام کو بہت زیادہ ناپسند فرماتے کہ اس غرض اور دباؤ کی بدولت وہ آزادی و استغناء کے ساتھ احکام کی تبلیغ نہ کرسکیں گے، اس زمانہ میں اس کی طرف کسی کا ذہن بھی نہیں جاتا اور اچھے اچھے لوگوں کو دیکھا کہ اساتذہ کو بے تکلف تحصیل وصول کی خدمت سپرد کردی جاتی ہے، اور یہ موٹی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ خود دین کے کاموں کو بے دینی کی راہوں سے کرنا کیسی بے اصولی ہے، لیکن اس فہم کا کیا علاج کہ مدرسہ کا نفس بقاء ایسا مقصود بالذات بنالیا جاتا ہے کہ بس وہ کسی طرح نہ ٹوٹے خواہ خود دین اور اس کے اصول پاش پاش ہوجائیں، حضرت ایسے مواقع پر بے دھڑک فرمادیتے کہ مدرسہ رہے نہ رہے لیکن کام تو اصول ہی سے ہوگا۔

"ایک مہتمم مدرسہ کا خط آیا لکھا کہ خرچ بڑھا ہوا ہے اور آمدنی نہیں، سخت پریشانی ہے، فرمایا کہ میں تو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اس کی وحی تو ہوئی نہیں کہ فلاں خاص پیمانہ پر ہو تو مدرسہ کہلائے گا ورنہ نہیں، ارے بھائی کام کم کردو، خرچ خود ہی کم ہوجائے گا، اور اگر بالکل ہی آمدنی نہ ہو مدرسہ بند کردو، کوئی فرض نہیں، واجب نہیں، ظاہر ہے کہ آمدنی کا ہونا اختیاری نہیں، مگر خرچ کم کردینا اختیاری ہے۔"

www.abulhasanalinadwi.org

''میرٹھ کے ایک رئیس نے بڑے کام کی بات کہی تھی کہ لوگ عموماً آمدنی بڑھانے کی فکر کرتے ہیں، جو غیر اختیاری ہے، خرچ کے گھٹانے کی فکر نہیں کرتے جو اختیاری ہے، اکثر دنیا داروں کو ایسی حکمت کی باتیں سوجھتی بھی کم ہیں۔''

تقویٰ

جس نے مال و جاہ سے اپنی نظر کو ہٹالیا، اس کے لیے سارے چھوٹے بڑے معاملات میں تقویٰ آسان ہے، جس کے واقعات حضرت کی زندگی میں قدم قدم پر نظر آتے ہیں، اس کا اندازہ ذیل کے ایسے دو چار واقعات سے کیا جاسکتا ہے، جن تک اوروں کی نظر بھی نہیں جاتی، بلکہ بعض تو غایت دلیری سے ان کو محقراتِ امور قرار دے کر استہزاء کرتے ہیں۔

''ایک مقام پر رخصت کے وقت گاؤں کے چودھری نے دوسو روپئے جمع کر کے حضرت کو نذرانہ دیا،...... حضرت کو شبہ ہوا کہ اکیلے چودھری صاحب تو اتنی بڑی رقم دینے کی حیثیت نہیں رکھتے، ضرور چندہ کیا ہوگا، لہٰذا حضرت والا نے سوال کیا کہ اکیلے آپ ہی کی طرف سے ہے یا اور بھی اس میں شریک ہیں، جواب ملا کہ اوروں سے بھی لیا گیا ہے، حضرت نے فرمایا کہ ہدیہ تو محبت کے لیے ہوتا ہے، جب دینے والے کو میں نہیں جانتا تو مجھ کو ان کی محبت کیسے ہوگی، اس لیے ہر ایک کی رقم واپس کردو، پھر جس کو دینا ہو خود آ کر الگ الگ دے، تا کہ معلوم ہو کہ یہ میرا محسن ہے، اور مجھے اس سے محبت ہو، چودھری جی نے عذر کیا کہ آپ تو اب جارہے ہیں، فرمایا کہ میں بہت قریب

www.abulhasanalinadwi.org

مقام پر جا رہا ہوں، جہاں پہنچنا سب کو آسان ہے، مگر کسی نے آکر ایک روپیہ نہ دیا، محض رسم تھی، پھر معلوم ہوا کہ بعضے علماء جو یہاں آتے ہیں اگر ان کی خدمت نہیں کی جاتی یا نذرانہ کم دیا جاتا ہے تو برا مانتے ہیں۔" (۱)

"ریاست بہاولپور کی طرف سے کسی موقع پر حضرات علماء کو جو وہاں مدعو تھے، جن میں حضرت والا بھی تھے، ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ بعنوان خلعت اور پچیس پچیس روپیہ بنام دعوت عطا کیے گئے، اس وقت تو اس روپیہ کو حضرت والا نے دیگر علماء کے ساتھ بہ خیال احترام رئیس قبول فرما لیا، لیکن بعد کو خلوت میں وزیر صاحب سے عذر کیا کہ اس کو مجھ سے واپس لے لیا جائے کیونکہ بیت المال میں سے دیا گیا ہے، جس کا میں مصرف نہیں، انھوں نے عرض کیا کہ اب تو کاغذات میں بھی اندراج ہو گیا، واپسی کی کوئی صورت نہیں، حضرت والا نے فرمایا کہ خیر اگر خزانہ میں واپسی نہیں ہو سکتی تو اس رقم کو مقامی علماء وطلباء میں صرف کر دیا جائے، کیونکہ شرعاً بیت المال کے وہی مصرف قریب ہیں۔" (۲)

"کسی رئیس نے دو سو روپیہ خانقاہ کے مدرسہ امداد العلوم کے لیے بھیجا، ساتھ ہی تشریف آوری کی بھی درخواست کی، حضرت نے روپیہ واپس فرما دیا، اور لکھا کہ اگر اس کے ساتھ بلانے کا مضمون نہ ہوتا تو مدرسہ کے لیے روپیہ لے لیا جاتا، اور دونوں باتوں کے

(۱) اشرف السوانح حصہ اول ص/۹۸

(۲) ایضاً ص/۱۰۴

www.abulhasanalinadwi.org

اقتران سے احتمال ہوتا ہے کہ شاید مجھ کو متاثر کرنے کے لیے یہ رقم بھیجی گئی ہے۔" (۱)

"حیدرآباد میں کسی معمر صاحب علم نے اپنی مستورات کو حضرت والا سے مرید کرانا چاہا، انھوں نے کوشش کی کہ بے پردہ سامنے آنے کی اجازت دے دی جائے، لیکن حضرت والا نے منظور نہ فرمایا، بالآخر انھوں نے یہ ترکیب نکالی کہ ان کو برقع میں بٹھلا دیا، اور جب حضرت والا مرید کرنے کے لیے اس مجلس میں بیٹھے تو بڑے میاں بولے کہ منھ کھول دو، ان سے پردہ کیا، اب حضرت والا بہت تنگ ہوئے، لیکن بجائے اس کے کہ حضرت والا بڑے میاں سے قیل وقال کرتے جس میں کامیابی نہ ہوسکتی اور اتنے میں وہ اپنا منھ کھول دیتیں، حضرت والا نے فوراً خود برقع والیوں ہی سے للکار کر کہا کہ خبردار جو منھ کھولا ...... چونکہ مرید ہونے بیٹھی تھیں، ان کو حضرت والا ہی کا حکم ماننا پڑا۔" (۲)

"ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور تشریف لے جارہے تھے کچھ گنّے ساتھ تھے، بغرض ادائی محصول اسٹیشن پر تلوانا چاہا، کسی نے تولا نہیں بلکہ ازراہ عقیدت غیر مسلم ملازمین ریلوے نے بھی کہہ دیا کہ آپ یوں ہی لے جایئے ہم گارڈ سے کہہ دیں گے، حضرت نے فرمایا گارڈ کہاں تک جائے گا، کہا غازی آباد تک، فرمایا غازی آباد سے آگے کیا ہوگا، کہا گیا یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ

(۱) اشرف السوانح حصہ اول ص/۹۹

(۲) ایضاً ص/۱۰۵

www.abulhasanalinadwi.org

دے گا، حضرت نے فرمایا پھر آگے کیا ہوگا، کہا بس وہ کانپور تک جائے گا، اور سفر ختم ہو جائے گا، فرمایا نہیں وہاں سفر ختم نہ ہوگا، آگے ایک اور سفر آخرت بھی ہے، وہاں کیا انتظام ہوگا؟ یہ سن کر سب دنگ رہ گئے اور بے حد متاثر ہوئے، بہت سے اور بھی تعلیم یافتہ ہندو بابو وغیرہ کھڑے تھے سب آپس میں کہنے لگے کہ ایسے بھی خدا کے ایماندار بندے موجود ہیں جو اس قدر احتیاط کرتے اور خدا سے ڈرتے ہیں۔''

متحرک تبلیغ

اللہ تعالیٰ سے حقیقی خوف وتقویٰ یہی ہے کہ ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں اس کی رضا و ناراضی کا خیال تمام دنیاوی مصالح واغراض پر غالب رہے، یہی اسلام کی حقیقی وزندہ تبلیغ ہے، کہ مسلمان کی متحرک زندگی میں کھلی آنکھوں اپنے پرائے سب کو اسلام کی تعلیمات زندہ ومتحرک چلتی پھرتی نظر آئیں، حضرت مجدد تھانویؒ کا یہی رنگ تھا کہ جہاں تک معاصی کا تعلق تھا، صغائر وکبائر سے یکساں احتراز تھا، صغائر سے بے پروائی برتنے والوں کی نسبت مثالاً فرماتے کہ اپنے کپڑوں کے صندوق میں آگ کی ایک چھوٹی سی چنگاری کیوں نہیں ڈال دیتے کہ اس سے کیا ہوگا، بعضوں کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ علمی یا فکری طور پر حضورِ دوام کا دعویٰ رکھتے ہیں، تاہم صغائر سے صرف لاپروائی نہیں بلکہ استخفاف، عجیب بات ہے کہ دنیا کے ایک ادنیٰ حاکم کے سامنے حضوری میں تو آدمی اپنی ادنیٰ ادنیٰ حرکت کی نگرانی رکھتا ہے، پھر احکم الحاکمین کے ساتھ حضور دوام یا شب وروز کی حضوری کے ساتھ یہ دلیری کیسے اور کہاں سے آجاتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

رائے زنی میں تقویٰ

غرض حضرت کا تقویٰ چھوٹے بڑے تمام امور میں بدرجۂ اتم تھا، اور صرف اپنی ذات کے مالی و مادی معاملات ہی تک نہیں محدود تھا، بلکہ دوسروں کے عقائد و اعمال کی نسبت کوئی رائے قائم کرنے میں بھی نہایت درجہ احتیاط و حدود کا لحاظ فرماتے، بزرگوں کے افعال و اقوال میں اگر کوئی بات خلاف نظر آتی تو تا بہ امکان تاویل ہی فرماتے کہ بدگمانی سے حفاظت ہو، اگر کوئی اور تاویل سمجھ میں نہ آتی تو غلبۂ حال پر محمول فرماتے اور فرماتے کہ مغلوب معذور ہوتا ہے، بزرگوں ہی کا کیا ذکر، سرسید مرحوم جن کی تکفیر تک بڑے بڑے علماء کی طرف سے باقاعدہ ہو چکی تھی، فرماتے تھے کہ:

> ''عیب مے جملہ بہ گفتی ہنرش نیز بگو'' سرسید کو مسلمانوں کی دنیاوی فلاح کی بہت ہی دھن تھی، اور اس معاملہ میں بڑی دلسوزی تھی، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی صفت پر فضل فرمادیں، ...... نیز بعض اکابر کے ساتھ ان کے حسن عقیدت کے واقعات نقل فرمایا کرتے تھے اور فرماتے کہ سرسید کا عقیدہ توحید و رسالت کے متعلق جس درجہ کا بھی تھا وہ نہایت پختہ اور بلا وسوسہ کا تھا، جیسا کہ ان کی تصانیف سے مجھ کو اندازہ ہوا، اور قرآن و حدیث میں انھوں نے جو تاویلات و توجیہات کی ہیں، ان کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کا اسلام پر کوئی اعتراض نہ وارد ہو سکے، گو اس کا طرز جو انھوں نے اختیار کیا تھا، غلط تھا، اسی لیے میں ان کو نادان دوست کہا کرتا ہوں۔'' (۱)

---

(۱) اشرف السوانح حصہ اول ص/۱۲۹

www.abulhasanalinadwi.org

مولوی احمد رضا خاں صاحب مرحوم جنھوں نے خود حضرت کی تکفیر و مخالفت کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا، ان تک کی شدومد سے حمایت فرماتے اور فرماتے کہ ممکن ہے کہ ان کی اس مخالفت کا سبب واقعی حبِّ رسولؐ ہو، اور ہم لوگوں کو غلط فہمی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخ جانتے ہوں، بعض بڑے بڑے فاسقوں فاجروں کے ایسے واقعات بیان فرماتے، جن سے ان کا عاشقِ دین ہونا نکلتا، اور فرماتے تھے کہ بھلا ایسی حالت میں کس کو برا سمجھا جائے، نیز فرماتے کہ بعضے فاسقوں میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے کہ بعض بڑے بڑے مشائخ میں نہیں ہوتی، لہٰذا کسی کو حقیر نہ جاننا چاہیے، یہ ہے سچی رواداری اور بے تعصبی جو سچی دینداری اور تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے۔

اوپر حضرت والا کی ذات وصفات اور شخصیت کا جو بہت ہی اجمالی اور سرسری خاکہ پیش ہوا، اس سے ایک سلیم الفہم ایمانی فراست کا آدمی یہ محسوس کر لے سکتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے جس کو تجدید دین کے لیے مبعوث فرمایا ہو اس کی یہی شان ہونی چاہیے، اب آگے خاص تجدیدی جامعیت اور امتیازی شان کی کچھ تفصیل ہوگی، ذہنی و علمی، عملی واصلاحی ہر اعتبار سے اعتدال وتوازن اور جامعیت واحاطت کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے، ذہنی قوتوں میں ادراک ومشاہدہ فہم وفکر، تحلیل واستنباط، تعمق وتخیل و فراست وبصیرت، سب ہی کمالات کامل توازن کے ساتھ جمع ہیں اور زندگی کے ظاہری و باطنی تمام اعمال واحوال میں دن دوپہر کی طرح روشن ونمایاں نظر آتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

علمی جامعیت

خود حضرت اپنی خاص مناسبت کا ذکر تصوف اور پھر تفسیر سے فرمایا کرتے تھے اور اپنے مرشد کامل حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس باب میں بشارت بھی بیان فرمایا کرتے تھے، اس میں شک نہیں کہ اگر دوسری چیزوں کے لحاظ سے حضرت جامع المجدد دین ہیں تو تصوف کے مجدد اعظم اور تفسیر کے اکابر ائمہ میں سے ہیں، ورنہ یوں تو حدیث وفقہ، کلام و معقولات، تمام علوم اسلامیہ و درسیہ میں بصیرتِ خاصہ حاصل تھی۔

حدیث

میں علاوہ درس وتدریس کی سعادت کے جو سالہا سال جاری رہی مواعظ و تصانیف کے ہزاروں صفحات حسب مواقع احادیث کے اقتباسات وشواہد اوران کی تفہیم وتشریح سے معمور ہیں، اور فنی نقطۂ نظر سے تو "التشرف فی معرفة أحادیث التصوف" کے چار حصے خالص محدثانہ کارنامہ ہے، جن میں ان احادیث اوران کے درجات کی تحقیق وتنقید ہے جو صوفیہ کے کلام اور کتابوں میں پائی جاتی ہیں، نیز جو روایات دراصل احادیث نہیں اور حدیث کے نام سے مشہور ہوگئیں ہیں، ان پر بحث ہے، اور اگر وہ لفظاً کسی بزرگ کا قول ہے تو اس کی تشریح فرمائی گئی ہے، ایک حصہ میں خاص طور پر مثنوی شریف کی حدیثوں کی تخریج ہے، باقی حضرت کا اصل کمال تمام چیزوں کی طرح حدیث میں بھی فہم حدیث ہے جو صحیح معنی میں علم حدیث یا حدیث دانی

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، اور جس کا اندازہ بھی ایک حدیث کی تفہیم "اشرف السوانح" میں ضمناً نظر آئی، اس سے فرمایا جاسکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحم اللہ عمر یقول الحق وإن کان مرّا ترکه الحق وماله من صدیق" لفظی ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عمرؓ پر رحم فرمائے کہ وہ حق بات کہہ ڈالتے ہیں خواہ تلخ ہی ہو، اس حق گوئی کی بدولت ان کا کوئی دوست نہیں رہا۔"

اس سے تین شبہے پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ کیا دوسرے صحابہ حق گو نہ تھے، دوسرا یہ کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کوئی دوست نہیں تھا، تیسرا یہ کہ کیا حضرات صحابہ بھی حق گوئی کو برا سمجھتے تھے، اب دیکھئے کہ ان تینوں کا ازالہ محض قوسین میں ترجمہ کی معمولی تشریح سے کس طرح فرمادیا:

> "اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے عمرؓ پر، وہ حق بات کہہ دیتے ہیں اگرچہ کسی کو (عقلاً یا طبعاً) تلخ (ناگوار) معلوم ہو، (یعنی ان میں یہ صفت ایک خاص درجہ میں غالب ہے، اس درجہ کی) حق گوئی نے ان کی یہ حالت کردی کہ ان کا کوئی (اس درجہ کا) دوست نہیں رہا، (جیسا کہ تسامح ورعایت کی حالت میں ہوتا ہے)۔"

فضائل صحابہ کی اور بھی ایسی بکثرت احادیث موجود ہیں، جن میں کسی خاص فضیلت کو کسی خاص صحابی کے ساتھ خاص فرمایا گیا ہے، جس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ "ان میں یہ صفت ایک خاص درجہ میں غالب ہے" غرض یہ کہ:

> "حق کے درجات متفاوت ہوتے ہیں، ایک درجہ یہ ہے کہ اس کا اظہار واجب ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ ادنیٰ یا مباح ہوتا ہے، سو پہلا

www.abulhasanalinadwi.org

درجہ تو سب صحابہ بلکہ اہل حق میں مشترک ہے، اور دوسرے درجہ کے اعتبار سے بزرگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔"

"بعض مروت یا تسامح کو مصلحت پر ترجیح دے کر سکوت فرماتے ہیں، بعض مصلحت کو مروت پر ترجیح دے کر کہہ ڈالتے ہیں، پہلا درجہ غلبہ کا ہے، دوسرا نفس انصاف کا (علیٰ ہذا) دوستی کے ایک خاص درجہ کی نفی مقصود ہے، یعنی حضرت عمرؓ اگر مروت کو مصلحت پر غالب رکھ کر طرح دے جاتے تو اس حالت میں ان کے جیسے دوست ہوتے اب نہیں رہے، رہی طبعی تلخی و ناگواری تو اس کے مقتضٰے پر اگر عمل نہ ہو تو وہ خیر کے منافی نہیں، باقی ایسے لوگ بھی ہر زمانہ میں ہوتے ہیں جن کو عقلی تلخی و ناگواری بھی ہوتی ہے، اگرچہ اس وقت ایسے اقل قلیل تھے۔" (۱)

حضرت کی مشہور کتاب "حیاۃ المسلمین" کے مختلف ابواب میں احادیث کی اس طرح تفہیم اور ازالہ شبہات واشکالات کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔

تفقّہ

فقہ دانی یا تفقہ کی بڑی کسوٹی فتویٰ ہے، "امداد الفتاویٰ" کے مجلدات کے مجلدات اس کے گواہ ہیں کہ حضرت کا تفقہ کس درجہ کا تھا، نو پیدا مسائل ومعاملات سے متعلق "حوادث الفتاویٰ" کے عنوان سے حضرت کے فتوے اور تحقیقات قابل دید ہیں، اصواتِ آلاتِ جدیدہ، فلم وسینما، گراموفون، مسمریزم، فری میسن، ثبوتِ ہلال بہ خبر تار، طویل النہار مقامات میں حکم صوم وصلوٰۃ، ہوائی جہاز میں نماز، غرض کوئی نئی چیز یا نئی بات مشکل ہی سے رہی ہوگی جس کی نسبت عام فتاویٰ کے علاوہ حضرت کی خاص عمیق

(۱) اشرف السوانح حصہ دوم ص/۶۱، ۶۲

www.abulhasanalinadwi.org

و دقیق فقہی تحقیق موجود نہ ہو، بلکہ وسیع معنی میں تفقہ فی الدین ہی تو حضرت حکیم الامت کا سب سے نمایاں وصف ہے، فرمایا کرتے تھے کہ فقہاء حکمائے امت ہیں، یہ حکیمانہ نظر وفکر حضرت کی ایسا ہمہ گیر کمال ہے جو صرف اصطلاحی فقہ وفتویٰ تک محدود نہیں بلکہ سارے مواعظ وملفوظات اور ساری تعلیمات وتجدیدات کی جان ہے۔

تفسیر

کا تو کہنا ہی کیا! یوں تو۔ کلام اللہ لامحدود کلام ہے، اس کے عجائب بھی لامحدود وغیر منقضی ہیں، اور انسان کی محدود عقل وفہم کے لیے اس کے حقائق وغوامض کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا اور ہر صاحب فکر وتدبر اس اتھاہ سمندر سے اپنی استعدادِ غواصی کے بقدر موتیوں سے دامن کو ہمیشہ بھرتا رہے گا، لیکن کوئی فرد فرید بھی یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ اس نے اس کی تھاہ کو آخری طور پر پالیا، تاہم اللہ کی اس آخری کتاب کا خطاب چونکہ خاص وعام سب کو عام ہے، اس لیے اس کے معانی ومطالب کا ایک درجہ ایسا بھی ہونا چاہیے جس کی تفسیر کو ہر درجہ کا مخاطب بے تکلف سمجھتا چلا جائے۔

حضرت تھانویؒ کے ترجمہ قرآن اور تفسیر ''بیان القرآن'' کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ عالم وغیر عالم (اور اس زمانہ میں غیر عالموں کی قرآن کی طرف بالخصوص کسی نہ کسی حیثیت سے زیادہ توجہ ہوگئی ہے) جو بھی اس کو اٹھا کر پڑھنا شروع کردے، اس طرح بے تکلف سمجھتا چلا جائے گا کہ جن مقامات پر بڑے بڑوں کو ٹھوکریں لگی ہیں، وہاں یہ بھی محسوس نہ ہوگا کہ راستہ میں کوئی تنکا بھی پڑا تھا، باقی پوری داد تو وہی اہل بصیرت دے سکتے ہیں جن کی خود کچھ مشکلاتِ قرآن پر نظر ہے، راقم الحروف کو بھی ۲۰/۲۵ رسال سے کچھ غور وفکر ودرس تدریس کے ساتھ اس کتاب کے مطالعہ کی توفیق میسر ہے، سب سے زیادہ اشکال قدم قدم پر اس کے نظم وربط میں نظر آیا، اور اس میں شک نہیں کہ اگر کسی مقام کے ربط ونظم کی گہرائی اللہ تعالیٰ نے کھول دی

www.abulhasanalinadwi.org

تو بے ساختہ نظر آ گیا کہ واقعی یہ اللہ ہی کی کتاب ہو سکتی ہے، لیکن ایسے مقام تمام عمر میں بس گنتی ہی کے ہیں، اس کم عمل و کم فہم کا تو ذکر ہی کیا، ہمارے عہد بلکہ سارے اسلامی و تفسیری عہد میں مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فہم پر نظم قرآن جس طرح کھولا گیا، کم کسی پر کھلا ہوگا، پھر بھی پوری زندگی اس میں لگا دینے کے باوجود قرآن کی تفسیر پوری نہ ہو سکی، لیکن ''بیان القرآن'' نے یہ خدمت بقدر ضرورت پوری فرمادی کہ ہر چھوٹا بڑا حصہ اور ہر چھوٹی بڑی آیت دوسری سے اس طرح مربوط ہوگئی ہے کہ متن قرآن اور اس کے تحتانی ترجمہ کے بعد ہر آیت کا قوسین کے ساتھ جو تفسیری ترجمہ فرمادیا گیا ہے، اگر اس کو آدمی پڑھتا چلا جائے تو معلوم ہوگا کہ بے تکلف ایک مسلسل و مربوط کتاب پڑھ رہا ہے، آج کل اپنی بچی کو خود کلام مجید پڑھا رہا ہوں، وہ اتنی عربی پڑھ چکی ہے کہ نفس ترجمہ تو عربی دانی کے ساتھ سمجھ لیتی ہے، لیکن مربوط مطلب اس کو میں کسی ایک آدھ رکوع کا بھی ویسا نہیں سمجھا سکتا، جیسا کہ ''بیان القرآن'' کے تفسیری ترجمہ سے اس کی سمجھ میں آجاتا ہے، اس وقت سورۂ انعام ہو رہا ہے، اس کی کچھ آیات اندازہ کے لیے درج کی جاتی ہیں:

''﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ .... وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ اور ہم نے اور امتوں کی طرف بھی جو آپ سے پہلے (زمانہ) میں ہو چکی ہیں (بہت پیغمبر بھیجے تھے، مگر انھوں نے ان پیغمبروں کو نہ مانا) سو ہم نے ان کو (اس تکذیب پر) تنگدستی اور بیماری سے پکڑا، تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں (اور اپنے کفر و تکذیب سے توبہ کرلیں) سو جب ان کو (ہماری طرف سے) سزا پہنچی تھی، وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے (کہ ان کا جرم معاف ہو جاتا) لیکن ان کے قلوب تو (ویسے ہی) سخت (کے سخت ہی) رہے اور

www.abulhasanalinadwi.org

شیطان ان کے اعمال (کفریہ سابقہ) کو ان کے خیال میں (بدستور) آراستہ (مستحسن) کر کے دکھلاتا رہا، پھر جب وہ لوگ (بدستور) ان چیزوں کو بھولے (اور چھوڑتے) رہے، جن کی ان کو (پیغمبروں کی جانب سے) نصیحت کی جاتی تھی (یعنی ایمان و اطاعت) تو ہم نے ان پر (از قسم اسباب عیش و عشرت) ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے (یعنی خوب نعمت و ثروت دی) یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جوان کو (اسباب نعمت میں سے) ملی تھیں، وہ خوب اترا گئے (اور غفلت و مستی میں ان کا کفر خوب بڑھ گیا) اس وقت ہم نے ان کو دفعۃً (کہ ان کو گمان بھی نہ تھا) پکڑ لیا (اور عذاب شدید نازل کیا جیسا کہ قرآن کے اور مواقع میں ان قصوں کی تفصیل ہے) پھر وہ تو بالکل حیرت زدہ ہو گئے (کہ کیا ہوگا) پھر (اس عذاب سے) ظالم (کافر) لوگوں کی جڑ (تک) کٹ گئی، (یعنی بالکل ہلاک ہو گئے) اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے (کہ ایسے ظالموں کا پاپ کٹا، جن کے ہونے سے نحوست ہی پھیلتی)۔" (۱)

قوسین کے اس تفسیری ترجمہ کے ربط کے علاوہ کئی کئی آیتوں کے ایک ایک ٹکڑے کا دوسرے سے ربط مستقلاً ظاہر کیا گیا ہے، مثلاً مذکورہ بالا ٹکڑے کا ربط اوپر کے ٹکڑے ﴿قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ﴾ سے یہ ربط ہے کہ:

---

(۱) حصہ/۳، ص/۶۴

www.abulhasanalinadwi.org

''اوپر مشرکین پر وقوع عذاب فرض کر کے اس بناء پر ان کے دعویٰ شرک کو باطل کیا گیا تھا، آگے اس فرض کا غیر مستبعد ہونا ثابت کرنے کے لیے بعض امم سابقہ کا معذب وہالک ہونا بیان فرماتے ہیں کہ مخالفین کو اس فرض کے غلط کہنے کی گنجائش نہ ہو، اور اس ہلاکت کا ذکر بھی ایک خاص طور سے فرمایا، جس سے موجودہ کفار کے منشاء انکار کا جواب بھی ساتھ ساتھ ہو جائے، کیونکہ بڑا منشاء انکار کا یہ ہوتا ہے کہ بعض مصائب آکر ٹل جاتے ہیں تو نادانوں کو دھوکا ہوتا ہے، کہ یہ سزائے اعمال نہ تھی، ورنہ ٹلتی کیوں، اس لیے سنا دیا کہ ان ہلاک ہونے والوں کی دار و گیر کی ترتیب بھی یہی ہوتی تھی کہ اول نزول بلیات ہوا کہ تضرع کریں، پھر استدراجاً نعمتوں کا نزول فرمایا گیا، جب خوب کفر بڑھ گیا، پھر ہلاک کر دیئے گئے، تو تم بعض بلیات کے ٹلنے سے دھوکا مت کھانا۔''(۱)

قرآن میں ربط

''سبیل النجاح'' نام وعظ میں قرآنی نظم و ربط کے مسئلہ پر ذرا تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''حکام دو قسم کے ہوتے ہیں ایک جو محض ضابطہ کے پابند ہیں کہ ضابطہ کی رو سے جو واجب ہے کر دیا، ان کو اس کی ضرورت نہیں کہ دشوار احکام کو قانون سے خارج کریں یا ان کے آسان کرنے کی تدبیر بتائیں، دوسرے وہ حکام ہیں جن کو رعایا سے

(۱) سورۂ انعام/۹۳

www.abulhasanalinadwi.org

محبت ہوتی ہے، اور راحت پہنچانا چاہتے ہیں، وہ حتی الامکان قانون میں کوئی دشوار حکم نہیں داخل کرتے، یا کسی مصلحت سے کرتے ہیں تو اس کے سہل کرنے کی تدبیر بھی بتلا دیتے ہیں، اتنی رعایتیں وہی حاکم کرسکتا ہے جس کو رعایا پر شفقت ہو۔

ایک اور مثال لے لیجیے کہ نصیحت کرنے والا ایک تو استاد ہوتا ہے، ایک باپ، استاد تو بالعموم ضابطہ پری کردیتا ہے، مگر باپ ایسے عنوان سے نصیحت کرنا چاہتا ہے کہ بیٹے کے دل میں گھر کرے، اگر وہ کوئی کام مشکل بتلاتا ہے تو اس کا طریقہ ایسا اختیار کرتا ہے کہ عمل کرنا آسان ہوجائے، اور ان سب رعایتوں کا منشاء شفقت ہے، شفقت ہی کی بناء پر تمام پہلوؤں کی رعایت کی جاسکتی ہے۔

اسی لیے باپ کا کلام نصیحت کے وقت کبھی بے ربط و بے ترتیب بھی ہوتا ہے، مثلاً باپ بیٹے کو کھانا کھانے کے وقت نصیحت کررہا ہو کہ بری صحبت میں نہ بیٹھا کرے، اس درمیان میں اس نے دیکھا کہ بیٹے نے ایک بڑا سا لقمہ کھانے کو لیا، تو وہ فوراً پہلی نصیحت کو قطع کرکے کہے گا کہ یہ کیا حرکت ہے، بڑا لقمہ نہیں لیا کرتے، اس کے بعد پھر پہلی بات پر گفتگو شروع کردے گا، اب جس کو شفقت کی اطلاع نہ ہو وہ کہے گا کہ کیسا بے ترتیب کلام ہے، کہ بری صحبت سے منع کرنے میں لقمہ کا کیا ذکر، مگر جو کبھی باپ بنا ہے، وہ جانتا ہے کہ بے ترتیب کلام مرتب و مرتبط کلام سے افضل ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہی راز ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کلام ظاہر میں کہیں بے ربط بھی معلوم ہوتا ہے جس کا منشاء شفقت ہی ہے، کہ حق تعالیٰ مصنفین کی طرح گفتگو نہیں کرتے کہ ایک مضمون پر کلام شروع کیا تو دوسرا مضمون اس میں نہ آئے، چنانچہ ایک آیت یاد آئی، جس پر لوگوں نے غیر مرتبط ہونے کا اعتراض کیا ہے۔"

اوپر کی پدرانہ شفقت کی مثال کو سامنے رکھ کر ذرا دیکھیے کہ حضرت علیہ الرحمہ کی فہم قرآن نے حق تعالیٰ کی شفقت کو اس آیت میں واضح فرما کر غیر مرتبط ہونے کے اعتراض کو کیسا بے معنی فرما دیا ہے:

مثال

"سورۂ قیامۃ میں حق تعالیٰ نے قیامت کا حال بیان فرمایا ہے، کہ انسان اس وقت بڑا پریشان ہوگا، بھاگنے کا موقع ڈھونڈے گا، اپنے اعمال پر اطلاع ہوگی، سب اگلے پچھلے کام جتلائے جائیں گے، پھر فرماتے ہیں ﴿بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴾ (یعنی انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس طرح جتلانے پر موقوف نہ ہوگا بلکہ) انسان اپنے نفس کے احوال سے خوب واقف ہوگا، اگرچہ (باقتضائے طبیعت) کتنے ہی بہانے بنائے، جیسے کفار کہیں گے، واللہ ہم تو مشرک نہ تھے، مگر دل میں خود بھی جانیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں، غرض یہ جتلانا محض قطع جواب واتمام حجت اور دھمکی کے لیے ہوگا، نہ کہ یاددہانی کے لیے۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہاں تک تو قیامت ہی کے متعلق مضمون ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ﴿لاَ تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖٓ إِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْآنَہٗ فَإِذَا قَرَأْنَاہُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَہٗ ثُمَّ إِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ﴾ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ قرآن نازل ہوتے وقت اس کو یاد کرنے کے خیال سے زبان نہ ہلایا کیجیے، قرآن کا آپ کے دل میں جما دینا اور زبان سے پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے، تو جب ہم قرآن نازل کریں، اس وقت فرشتہ کی قرأت کا اتباع کیجیے، پھر یہ بھی ہمارے ہی ذمہ ہے کہ آپ قرآن کا مطلب بھی بیان کردیں گے، اس کے بعد پھر قیامت ہی کا ذکر ہے، "وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ إِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ. الخ.

تو اوپر بھی قیامت کا ذکر اور بعد کو بھی قیامت کا ذکر اور درمیان میں یہ مضمون کہ قرآن پڑھتے ہوئے جلدی یاد کرنے کے لیے زبان کو حرکت نہ دیا کیجیے، لوگ اس مقام کے ربط میں تھک گئے اور بہت سی توجیہات کی ہیں، مگر سب میں تکلف ہے، لیکن جس کو حق تعالیٰ کے اس تعلق کا علم ہے، جو حق تعالیٰ کو حضورؐ کے ساتھ ہے، اس کو آفتاب کی طرح نظر آتا ہے کہ اس کلام کا درمیان میں کیا موقع ہے۔

اس کا وہی موقع ہے جیسے وہ باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا کہ درمیان میں بیٹے کو بڑا لقمہ اٹھاتے دیکھ کر کہا یہ کیا حرکت ہے، بڑا لقمہ نہیں لیا کرتے، اسی طرح یہاں بھی حق تعالیٰ قیامت کا ذکر فرما رہے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے کہ

www.abulhasanalinadwi.org

کہیں بھول نہ جائیں، جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھ رہے تھے، تو درمیان میں خدا تعالیٰ نے فرطِ شفقت سے فرمایا کہ آپ یاد کرنے کی فکر نہ کریں، یہ کام ہم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، آپ بے فکر ہو کر سنتے رہا کریں۔

لہٰذا اگر یہاں بالکل بھی ربط نہ ہوتا تو یہ بے ربطی ہزار ربط سے افضل تھی، مگر باوجود اس کے یہاں ایک مستقل ربط بھی ہے، اور یہ خدا ہی کے کلام کا اعجاز ہے کہ جہاں ربط کی ضرورت نہ ہو وہاں بھی ربط موجود ہے، چنانچہ جو رسالے ربط کے باب میں لکھے گئے ہیں، ان سے اس کا ربط معلوم ہو سکتا ہے۔''

حضرت علیہ الرحمہ نے ایک مستقل رسالہ بھی ''سبق الغایات فی نسق الآیات'' کے نام سے عربی میں تحریر فرمایا ہے، جس میں کل ڈیڑھ سو صفحات میں سورۂ فاتحہ سے لے کر والناس تک اہل علم وفہم کے لیے ربط آیات کے بعض عجیب عجیب ارشادات فرمائے گئے ہیں، لیکن خود ''بیان القرآن'' میں اس کا جو ربط تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ:

''يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ'' اور ''بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ'' سے دو مضمون مستفاد ہوتے ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے عالم اور محیط ہیں، دوسرا یہ کہ حق تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جب حکمت مقتضی ہوتی ہے تو مخلوق کے ذہن میں علوم غائبہ کثیرہ کو حاضر کر دیتے ہیں، جیسا کہ قیامت میں ہوگا۔

اب ربط ملاحظہ ہو کہ:

www.abulhasanalinadwi.org

"جب یہ بات ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے نزول کے وقت اس قدر مشقت کہ سنتے بھی ہیں، پڑھتے بھی ہیں، دھیان میں بھی رکھتے ہیں، محض اس احتمال سے کیوں برداشت کرتے ہیں کہ شاید کچھ مضمون ذہن سے نکل جائے، کیونکہ جب ہم نے آپ کو نبی بنایا ہے اور آپ سے تبلیغ کا کام لینا ہے تو یہاں مقتضائے حکمت یہی ہوگا کہ وہ مضامین آپ کے ذہن میں حاضر رکھے جائیں اور ہمارا محصی (یا اس پر قادر) ہونا تو ظاہر ہی ہے، اس لیے آپ یہ مشقت برداشت نہ کیجیے۔" (۱)

اب ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر کی تقریر اور مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ ربط ہونا جب سرے سے ضروری ہی نہیں تو لوگوں نے جو ربط ونظم پر رسائل لکھے یا تفسیروں میں اس کے بیان کرنے کی کوشش کی، وہ زبردستی کے اور اختراعی ہو سکتے ہیں۔

"اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں باوجود طرزِ تصنیف اختیار نہ کرنے کے پھر بھی ربط کا لحاظ کیا گیا ہے، اس لیے مفسرین کے بیان کردہ روابط مخترع نہیں ہیں اور ربط کی دلیل یہ ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ نزول آیات کی ترتیب اور ہے اور تلاوت ومصحف کی اور ہے، یعنی قرآن مجید کا نزول تو واقعات کے مطابق ہوا ہے کہ ایک واقعہ پیش آیا اور اس کے متعلق آیت نازل ہوگئی، پھر دوسرا واقعہ پیش آیا تو دوسری آیت نازل ہوگئی، تو ترتیب نزول تو حسب واقعات ہے، اگر تلاوت میں یہی ترتیب

(۱) بیان القرآن ج/۱۲، ص/۶۱

www.abulhasanalinadwi.org

رہتی تو واقعی ربط کی ضرورت نہ تھی لیکن ترتیبِ تلاوت خود باری عزّ اسمہ نے بدل دی یعنی حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی آیت کسی واقعہ کے متعلق نازل ہوتی تو جبریل علیہ السلام بحکم خداوندی حضور سے کہتے کہ اس آیت کو مثلاً سورۂ بقرہ کی فلاں آیت کے بعد رکھا جائے اور اس کو فلاں آیت کے بعد اور اس کو فلاں سورہ کے ساتھ وعلیٰ ہذا۔

تو مصحف میں ترتیب آیات ترتیب نزول پر نہیں، بلکہ اس کی ترتیب حق تعالیٰ نے دوسری رکھی، اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کو بھی کسی آیت سے ملایا ہے، دونوں میں کوئی مستقل ربط ومناسبت اور تعلق ضرور ہے،...... غرض عجب بے نظیر کلام ہے، کہ باوجود ضرورت ربط نہ ہونے کے پھر بھی ربط ہے، اور پورا ربط ہے، پس خدا تعالیٰ کے کلام میں اس مستقل دلیل سے ہم ربط کے قائل ہیں۔

لیکن اگر ربط نہ بھی ہوتا تو قرآن پر اعتراض کی گنجائش نہ تھی، ہم کہہ سکتے تھے کہ قرآن میں طرز تصنیف اختیار نہیں کیا گیا بلکہ طرز نصیحت مع لحاظ شفقت اختیار کیا گیا ہے، اور اس میں ضرورتِ تخاطب کے لحاظ سے گفتگو کی جاتی ہے، جس کی بے ربطی ہزار ربط سے افضل ہوتی ہے۔"

بڑے پتہ کی بات

اسی سلسلہ میں کہ قرآن مجید میں نصیحت وشفقت کے طرز کو خصوصیت کے ساتھ پیش نظر رکھا گیا ہے، ایک اور بڑے پتہ کی بات حضرت نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ:

www.abulhasanalinadwi.org

''اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ہر سورت میں بہت سے احکام بیان فرما کر اخیر میں ایسی بات بیان فرماتے ہیں جو سب کی جامع ہوتی ہے، اور جس پر عمل کرنے سے تمام احکام مذکورہ میں سہولت ہو جاتی ہے،...... جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا ''إن شرائع الاسلام قد کثرت علی فقل لی قولاً أحفظه و آخذ به'' (أو کما قال) کہ یا رسول اللہ! احکام اسلام میرے لیے بہت زیادہ ہو گئے ہیں، کوئی ایسی بات بتلا دیجیے جس کو یاد کر لوں اور اسی کے موافق عمل کرتا رہوں، آپؐ نے فرمایا: ''قل آمنت باللہ ثم استقم'' کہ بس کہو کہ اللہ پر ایمان لایا پھر استقامت کے ساتھ رہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری شریعت ابتداء سے انتہا تک اس ایک جملہ میں بھر دی ''آمنت باللہ'' میں اجمالاً تمام اعتقادیات کو بیان فرما دیا اور ''ثم استقم'' میں اعمال کے اندر استقامت کی تعلیم دی، جس میں نماز روزہ و حج زکوٰۃ معاملات و معاشرات سب آ گئے۔

''باقی یہ مطلب ہو ہی نہیں سکتا کہ سائل کی یہ درخواست تھی کہ مجھے ایسی بات بتلا دیجیے کہ تمام احکام کو بھلا کر صرف ایک بات کو یاد کر لوں، مطلب یہ تھا کہ مجھے ایسی بات بتلا دیجیے جس کی تمام شریعت میں رعایت کروں، اور جس سے ہر امر کا شرعی و غیر شرعی ہونا معلوم کر لیا کروں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے موافق ایسی بات بتلا دی جو شریعت کا موضوع ہے، یعنی عظمت الٰہی کا اعتقاد اور افعال و اقوال میں استقامت، اور ظاہر ہے کہ کسی علم کا

www.abulhasanalinadwi.org

موضوع معلوم ہوجانے سے اس کے تمام مسائل دوسرے علوم کے مسائل سے ممتاز ہوجاتے ہیں، مثلاً طب کا موضوع بدن انسان کی تندرستی و بیماری ہے تو اب اگر سنا کہ بنفشہ زکام کو نافع ہے، فوراً سمجھ گیا کہ یہ طب کا مسئلہ ہے، اور اگر یہ سنا کہ اتنی گہری بنیاد ہو کہ اتنا اونچا مکان بنایا جاسکتا ہے تو سنتے ہی سمجھ میں آجائے کہ یہ مسئلہ طب کا نہیں۔"

غرض یہ معلوم ہوجانے کے بعد اسلامی اعمال و احکام کی خاص خصوصیت استقامت واعتدال ہے، آدمی بے اعتدالی یا افراط وتفریط کی باتوں کے متعلق یہ فیصلہ کرلے سکتا ہے کہ یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہوسکتی، اس طرح کلام مجید کی بڑی بڑی سورتوں میں مختلف احکام وغیرہ بیان فرما کر "اخیر میں کوئی ایسی بات بیان فرمادیتے ہیں جو سب کی جامع ہوتی ہے" مثلاً:

"سورۂ آل عمران میں مختلف ابواب احکام بیان فرما کر کلام کو ختم نہیں کیا، اخیر کی آیت میں بطور میزان کل کے ایک ایسی بات بتلادی جو سب کو جامع ہے، جیسے تفصیل حساب کے بعد میزان بیان کردینے سے ایک قسم کا ضبط وتکرار ہوجاتا ہے، مفصل حساب کا یادرکھنا دشوار ہے، اور میزان کا یادرکھنا آسان ہے۔

ایسے ہی حق تعالیٰ بھی تمام احکام کو ذکر کرکے اخیر میں ایک ایسا گر بتلادیتے ہیں جو گویا تمام سورت کا موضوع ہے، چنانچہ (آل عمران کے آخر میں) ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوْا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ کہ اے ایمان والو! (تکالیف پر) خود صبر کرو، اور

www.abulhasanalinadwi.org

(جب کفار سے مقابلہ ہوتو) مقابلہ میں صبر کرو اور (احتمال مقابلہ کے وقت) مقابلہ کے لیے مستعد رہو، اور (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، (حدود شرعیہ سے باہر نہ نکلو) تاکہ تم پورے کامیاب ہو، (آخرت میں تو ضرور ہی) اور اکثر ان احکام اور اعمال پر محافظت کی بدولت دنیا میں بھی پوری کامیابی ہوتی ہے۔

جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان کو اس سورت (آل عمران) کے احکام سے خاص تعلق تو ہے ہی، میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جس قدر بھی شرعی احکام ہیں سب سے ان کا تعلق ہے، اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جیسے ان کو احکام شرعیہ سے تعلق ہے، اسی طرح تمام دنیوی مصالح معاشیہ سے بھی تعلق ہے، مگر نہ اس وجہ سے کہ شریعت کا موضوع ومقصود ہے، بلکہ اس لیے کہ شریعت آخرت کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ہماری دنیا کی بھی تکمیل کرتی ہے، اس نے احکام شرعیہ ایسے مقرر کیے ہیں جو تبعاً یا ضمناً مصالح دنیویہ کو بھی متضمن ہیں۔" (۱)

پھر آیات کی نفس شرح وتفسیر وربط وترتیب کے ساتھ ساتھ حرف "ف" کے تحت جو جا بجا کثرت سے فوائد درج فرمائے ہیں، ان میں ایسے مستقل اصول ومسائل آ گئے ہیں جو سارے قرآن کی مفتاح ہیں، مثلاً مذکورہ صدر آیات کے بعد "وما نرسل المرسلین ...... لعلھم یتقون." کے تحت جو یہ فائدہ درج ہے کہ:

"حشر کے متعلق کل تین طرح کے آدمی ہیں: ایک وہ جو جزماً اس کے ثبوت کے معتقد ہیں، دوسرے جو متردد ہیں، آیت میں ان

---

(۱) ملخصاً از ص/۱۱ تا ۱۴

www.abulhasanalinadwi.org

ہی دو جماعتوں کا ذکر ہے، جن کی طرف ترجمہ میں احقر نے اس عبارت سے اشارہ کیا ہے، اعتقاداً یا احتمالاً الخ. تیسرے وہ جو جزماً اس کے منکر ہیں، اور انذار گو ان کو بھی عام ہے، جیسا اور آیات میں مصرح ہے، لیکن یہاں مطلق انذار مراد نہیں، بلکہ وہ انذار جس میں خاص اہتمام ہو، سو یہ وہیں ہوگا جہاں نفع متیقن یا متوقع ہو، جیسا قسم اول و دوم کا حال ہے، بخلاف اس قسم سوم کے کہ بوجہ نفع کی عدم توقع کے ان کے انذار محض اتمام حجت کے لیے ہوگا، توجہ کی بوجہ عناد قابلیت ہی نہیں، اس لیے یہاں پہلی دو قسموں کی تخصیص کی گئی، جیسا بعض آیات میں بناء بر تعین نفع صرف قسم اول ہی کی تخصیص بھی ہے، کقولہ تعالیٰ: إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ. الخ. اور احقر نے اثنائے ترجمہ میں جو لفظ ''خاص طور'' کہا ہے وہ اشارہ اسی تقریر کی طرف ہے، اور غیر اللہ کی ولایت وشفاعت کی نفی کا تحقق دو طور پر ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ ان کا کوئی ولی و شفیع نہ ہو، یہ تو کفار کے لیے ہوگا، دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور رسول و دیگر مقبولین ان کے شفیع ہوں مگر غیر اللہ نہ ہو، یہ مسلمانوں کے لیے ہوگا اور ولی میں غیر نہ ہونا تو ظاہر ہے اور شفیع میں مراد یہ ہے کہ بغیر اذن اللہ نہ ہو، چنانچہ شفاعت مومنین کی باذن اللہ ہوگی، پس ''من دونه'' دونوں کو شامل ہے، ''من دون ذاته'' کو بھی اور ''من دون إذنه'' کو بھی، غرض غیر اللہ کی ولایت اور غیر مؤمنین کے لیے شفاعت مطلقاً منفی ہے اور

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ کی ولایت اور مقبولین کی شفاعت مومنین کے لیے ثابت ہے۔ اور آیت میں تین باتوں کی نفی کی گئی ہے، قدرۃ علی الخزائن، علم غیب، ملکیت، اس کی ایک توجیہ کی کہ آیاتِ مقترحہ کا جواب ہے، تقریر ترجمہ میں مذکور ہے اور ایک سہل توجیہ یہ خیال میں آتی ہے کہ مقصود اس سے استبعادِ کفار کا رفع ہو، یعنی تم جو اقتراحی آیات سے میری رسالت کی تکذیب کرتے ہو، محض بے معنی ہے، رسالت جس کا میں بہ دلیل مدعی ہوں کوئی مستبعد امر نہیں ہے، کسی امر عجیب وغریب مثل قدرت وعلم وملکیت مذکورہ کا تو میں مدعی نہیں ہوں جو اس کو مستبعد سمجھ کر انکار کرتے ہو، جیسا سورۂ ہود میں نوح علیہ السلام کا قول ہے "لَآ أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ" الخ. (۱)

بعض اور مثالیں

سورۂ انعام ہی سے دو ایک اور مختصر مثالیں لو:

"﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعاً وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ، أُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ. وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ. لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ میں "قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ" کا ترجمہ "کہہ دو کہ میں تمہارے اوپر نگہباں یا داروغہ نہیں ہوں" کر دینے سے

---

(۱) سورۂ انعام/۹۶

www.abulhasanalinadwi.org

جیسا کہ اکثروں نے کیا ہے، نہ مطلب کھلتا ہے نہ ربط معلوم ہوتا ہے، بخلاف اس کے حضرت علیہ الرحمہ نے ترجمہ فرمایا کہ "کہہ دیجیے کہ میں تم پر تعینات نہ کیا گیا ہوں" اور تفسیری ترجمہ میں یوں فرمایا کہ "کہہ دیجیے کہ میں تم پر عذاب واقع کرنے کے لیے تعینات نہیں کیا گیا ہوں کہ مجھ کو مفصل اطلاع ہو یا میرے اختیار میں ہو، البتہ ہر چیز کے وقوع کا وقت اللہ کے علم میں ہے، اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ عذاب آیا۔

اسی طرح آگے "وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ آيَاتِنَا ...... مَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْئٍ" میں "مَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْئٍ" کا ترجمہ بالعموم یہ کر دیا جاتا ہے کہ "جو لوگ پرہیز گاری کرتے ہیں ان پر ان کا کچھ حساب نہیں" جس سے مطلب صاف نہیں ہوتا، حضرت نے ترجمہ فرمایا ہے کہ "جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں، ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہ ہوگا" اور تفسیری ترجمہ میں یوں فرمایا کہ "جو لوگ منہیات شرعیہ سے جن میں بلاضرورت ایسی مجالس (خائضین فی آیات اللہ) میں جانا بھی ہے، احتیاط رکھتے ہیں، ان پر ان طاغین ومکذبین کی باز پرس اور گناہ طعن کا کوئی اثر نہ پہنچے گا، یعنی بضرورت وہاں جانے والے گنہگار نہ ہوں گے۔"

تفسیری مواعظ

غرض جو شخص بھی قرآن میں کچھ فکر وتدبر کی عادت اور اس کی مشکلات کا اندازہ رکھتا ہے، وہ قدم قدم پر دیکھے گا یہ مشکلات ترجمہ اور تفسیری ترجمہ کے چند

www.abulhasanalinadwi.org

فقروں ہی سے کس طرح حل ہو جاتی ہے، اس سے بڑھ کر اگر حضرت کے ذرا عام فہم تفسیری استنباطات اور قرآنی نکات کو دیکھنا ہے، تو مواعظ کا مطالعہ کرنا چاہیے، جو دراصل قرآنی آیات ہی کی تفسیر واستنباطات پر مبنی اور عجیب عجیب نکات پر مشتمل ہوتے ہیں، مثال کے لیے ''المراد'' نام وعظ میں اس آیت کی تفسیر ملاحظہ ہو کہ:

''﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا وَّمَنْ أَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا﴾ (یعنی جو کوئی دنیائے عاجلہ کا ارادہ (طلب) کرے، ہم اس کو دنیا ہی میں دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے جہنم مقرر کر دیتے ہیں، جس میں وہ برائی اور ذلت کے ساتھ داخل ہوگا، اور جو کوئی آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے وہ سعی کرے جو ہوا کرتی ہے، درآں حالیکہ مومن بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش کی قدر کی جائے گی)۔

اب ذرا دونوں مضمونوں میں غور کر لیا جائے، طالب دنیا کی بابت ارشاد ہے کہ ہم طالبان دنیا میں جس کو چاہتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں دے دیتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ نہ سب کا کامیاب ہونا ضروری ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ جو وہ چاہا کریں وہی مل جائے۔''

دنیا طلبوں کی ناکامی

جو لوگ دنیا کے پیچھے جان دیتے ہیں ان کی طلب وسعی کے یہ دونوں نتائج دن رات تجربہ میں آتے رہتے ہیں کہ نہ ہر شخص اپنی دنیاوی سعی وطلب میں

www.abulhasanalinadwi.org

کامیاب ہوتا ہے اور نہ جس درجہ کی کامیابی چاہتا ہے وہ حاصل ہونا ضروری ہے، بخلاف اس کے:

''طالبانِ آخرت کے متعلق ارشاد ہے کہ جو آخرت کی طلب عملی کوشش و ایمان کے ساتھ کرتے ہیں، ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی، ایمان و سعی کی قید واقعی ہے احترازی نہیں اور یہ دراصل بیان ہے ''من أراد الآخرة'' کا کہ ارادۂ آخرت کہتے ہی ہیں ایمان اور عمل صالح کی سعی کو، کیونکہ اس کے بدون طلب آخرت کا تحقق نہیں ہوسکتا، اور یہاں سے ان لوگوں کا رد ہوگیا جو اپنے کو طالب آخرت سمجھتے ہیں، مگر عمل صالح نہیں کرتے، دراصل یہ لوگ آخرت کے طالب ہی نہیں کیونکہ طلب کے لیے علامت بھی چاہیے اور طلب آخرت کی علامت یہی ہے کہ ایمان وعمل صالح اختیار کیا جائے، غرض سعی آخرت اور ایمان یہ قید واقعی اور ارادۂ آخرت کا بیان وشرح ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر اس کے مقابلہ میں ارادۂ عاجلہ (دنیا) کی شرح کیوں نہ بیان کی گئی، جواب یہ ہے کہ ارادۂ آخرت کی شرح سے مقصود یہ ہے کہ اس کا سہل ہو جانا معلوم ہو جائے کہ اس میں معمولی سعی و ایمان کی ضرورت ہے تا کہ آخرت کی طلب کے لیے دل میں رغبت ہو، بخلاف ارادۂ دنیا کے کہ اس کی ترغیب مقصود نہیں، اس لیے اس کی تفسیر وشرح بیان نہیں فرمائی، علاوہ ازیں ارادۂ آخرت کی تفسیر و تفصیل کے متعلق لوگ غلطی میں مبتلاء ہیں، کوئی کسی طریقہ کو طلب آخرت سمجھتا ہے کوئی کسی

www.abulhasanalinadwi.org

طریقہ کو، اس کی تفسیر کی ضرورت تھی، اور ارادۂ دنیا کو تو ہر شخص سمجھتا ہے، اس کے بیان کی حاجت نہ تھی۔"

طلبِ دنیا و آخرت میں فرق

"بس ارادۂ دنیا و آخرت میں ایک فرق تو یہ بتلایا گیا کہ طلب دنیا سے یہ ضروری نہیں کہ مطلوب حاصل ہی ہو جائے، اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو حاصل ہو جائے، اور طلب آخرت کی ہمیشہ قدر ہوتی ہے، وہ ضائع نہیں ہو سکتی۔

دوسرا ایک لطیف اشارہ ایک خاص فرق کی طرف اور بھی ہے، جو اس وقت سمجھ میں آیا، اور تفسیروں میں نظر سے نہیں گذرا، ممکن ہے کسی نے لکھا ہو، وہ یہ کہ اس جگہ دو جملے شرطیہ ہیں، اور ہر ایک میں شرط کا تعلق جزا کے ساتھ مختلف عنوان سے بیان کیا گیا ہے، ارادۂ دنیا کی بابت تو ارشاد ہے "من كان يريد العاجلة" جو استمرار کا صیغہ ہے اور ترجمہ یہ ہوا کہ جو کوئی دنیا کی طلب کرتا رہے اور ہمیشہ طلب میں منہمک رہے تب کچھ ملتا ہے، اور ارادۂ آخرت کے متعلق "من أراد" بدون لفظ "كان" کے ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ ثمرۂ اخروی حاصل کرنے کے لیے طلب و سعی میں مرنا کھپنا نہیں پڑتا، بلکہ کچھ ارادہ کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔"

واقعی یہ لطیف فرق و اشارہ لطیف ہی نہیں بلکہ واقعی و حقیقی بھی ہے، کہ دنیاوی معاملات میں کامیابی کے لیے جتنا مرنا کھپنا پڑتا ہے، اس کے مقابلہ میں آخرت کے لیے بس کچھ ارادہ ہی کافی ہو جاتا ہے، جیسے صاف سیدھا راستہ چلنا آسان ہوتا ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

بخلاف دنیا طلبی کے کہ اس کا راستہ مکر وفریب، ریا ونفاق، ظلم وتعدی، دروغ ودغا بازی کی کج راہیوں اور الجھنوں سے بھرا ہوتا ہے، یہ تو دنیا پرستوں کی زندگی میں دن رات کا مشاہدہ ہے۔

اس کے علاوہ دین کی حقیقت خدا سے خاص تعلق ومحبت ہے، لہٰذا یہ مطلب نہیں کہ طالب آخرت کا ارادہ وطلب مستمر نہیں ہوتا یا کچھ دنوں کے بعد زائل ہو جاتا ہے، نہیں حقیقت میں تو وہ بھی مستمر رہتا ہے مگر تھوڑی سی سعی وطلب کے بعد حکم میں غیر مستمر کے ہو جاتا ہے۔

> ''کیونکہ محبت الٰہی پیدا ہو جانے کے بعد وہ ارادہ اتنا سہل ہو جاتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے کے لیے اہتمام کرنا نہیں پڑتا، خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے، اگرچہ پیدا اختیار سے ہوتا ہے، مگر بوجہ اعانت غیبی کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود بدون اختیار کے پیدا ہو رہا ہے۔''

اب اس غیبی اعانت کی اصل وجہ ذرا حدیث سے سنیے کہ:

> ''آخرت کی طلب خود سرکار (اللہ تعالیٰ) کو محبوب ہے، اس لیے اس میں سعی کرنے والے کی اس طرف سے امداد ہوتی ہے، جس سے وہ بالکل سہل ہو جاتی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ''من تقرّب إليّ شبرا جئت إليه ذراعا ومن تقرب إليّ ذراعا تقربت إليه باعا ومن أتى مشيا أتيته هرولة'' اور دنیا بارگاہ الٰہی کی مردود ہے، اس میں ہمیشہ دقت وتعب ہی رہتا ہے، اس کے لیے ہمیشہ اہتمام وانہماک از خود کرنا پڑتا ہے، اور یہ طلب ہمیشہ بہ تکلف از سر نو کرنا پڑتی ہے۔''

www.abulhasanalinadwi.org

آگے اس آیت کے متعلق چند نکات اور سنیے جو عین وعظ ہی کے وقت حضرت کے ذہن میں آئے۔

لطیف نکات

''ایک نکتہ یہ ہے کہ طالبین دنیا کے بارے میں پہلے یہ فرمایا گیا ہے کہ ''عجّلنا له فيها ما نشاء لمن نريد'' کہ دنیا طلبوں میں سے ہم جس کو چاہیں جس قدر چاہیں عطا کر دیتے ہیں، اس کا مقتضا یہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں طالبین آخرت کے لیے یہ فرمایا جاتا کہ ہم طالب آخرت کو جو کچھ وہ چاہے گا وہی دیں گے، جب دنیا والوں کے لیے یہ فرمایا گیا کہ ان کو جو ہم چاہیں گے دیں گے، تو بظاہر اس کے مقابل آخرت والوں کی فضیلت پوری اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ ان کو ان کی طلب کے موافق سب کچھ دیا جائے، مگر آیت میں ''ما يشاء ون'' کے بجائے ''أولئك كان سعيهم مشكورا'' فرمایا۔

بات یہ ہے کہ اگر اس جگہ یہ فرماتے کہ ان کو جو کچھ وہ چاہیں گے وہی دیا جائے گا تو در حقیقت کچھ اضافہ نہ ہوتا بلکہ وعدہ گھٹ جاتا کیونکہ آخرت کی نعمتوں کی شان یہ ہے کہ ''ما لا عين رأت ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر'' یعنی ان نعمتوں کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا نہ کسی بشر کے قلب میں ان کا خیال تک گذرا، تو بتلایئے کہ جب وہاں کی نعمتوں کا یہ حال ہے تو اگر یہ فرمایا جاتا کہ جو کچھ وہ چاہیں گے دیا

www.abulhasanalinadwi.org

جائے گا تو یہ اضافہ وزیادتی ہوتی یا کمی، دراصل بہت کمی ہو جاتی کیونکہ جب وہاں کی نعمتوں کا ہم کو وہم بھی نہیں ہوسکتا تو ہماری خواہش کے موافق جو ملتا، وہ بہت ہی کم ہوتا۔

حق تعالیٰ شانہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ ہمارے واسطے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کا ہم کو وہم وخطرہ بھی نہیں ہوسکتا، اور وہاں ثواب ہماری خواہش پر موقوف نہیں فرمایا، بلکہ اپنی رحمت سے ہماری خواہش سے بہت زیادہ عطا فرمائیں گے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں کہ

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را
کہ بیک گل می خرد گلزار را
نیم جان بستاند و صد جاں دہد
آنچہ در ہمت نیابد آں دہد

اس وجہ سے حق تعالیٰ نے اجمالاً فرمادیا کہ ''أولئک کان سعیهم مشکورا'' یعنی ان لوگوں کی کوشش کی اس دربار میں قدر ہوگی، اس سے سمجھ جاؤ کہ جن کی کوشش کی قدردانی ایسے عظیم الشان قدردان بادشاہ کے دربار میں ہوان کو کیا کچھ نہ ملے گا، جس کا اندازہ اس سے کرو کہ دنیا کے بادشاہ جب کسی کی قدردانی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں، یہ نہیں کرتے کہ انعام خدمت کی حیثیت سے دیں، بلکہ وہ اپنی حیثیت کے موافق انعام واکرام کیا کرتے ہیں، جس کا اس کو وہم بھی نہیں ہوتا، پھر جس کی قدردانی حق تعالیٰ اپنی عظمت کے

www.abulhasanalinadwi.org

موافق فرمائیں گے اندازہ کرو کہ اسے کیا کچھ ملے گا، جس کی یہاں تفصیل سمجھ میں بھی نہیں آسکتی۔

دوسرا اشارہ "وسعیٰ لھا سعیھا" سے اس سعی کے سہل ہونے پر ہے جیسا اردو محاورہ میں بھی بولا جاتا ہے، کہ اس کام کے لیے بس جو تدبیر ہے وہ کرنی چاہیے، تدبیر کا بیان نہ کرنا اور اجمالاً صرف یہ کہہ دینا کہ جو تدبیر ہے وہ کرنی چاہیے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تدبیر معلوم بھی ہے اور سہل بھی ہے۔

تیسرا اشارہ "مشکورا" میں اس بات کی طرف ہے کہ جو کچھ آخرت میں ملے گا، محض قدردانی ہے، عمل کو اس میں دخل نہیں، جس میں تنبیہ ہے کہ اپنے عمل پر نازاں نہ ہونا چاہیے، وجہ یہ ہے کہ طاعت ادائے حق خداوندی ہے اور اس کے حقوق غیر متناہی ہیں، اور غیر متناہی حقوق کا ادا کرنا موقوف ہے غیر متناہی عمل پر، اور ہم بوجہ حادث اور متناہی ہونے کے غیر متناہی عمل سے عاجز ہیں، لہٰذا جو کچھ بھی ملے وہ محض قدردانی نہیں تو اور کیا ہے، پس "مشکورا" فرما کر بتلا دیا کہ عقل تو چاہتی ہے کہ تمہارا اجر کم ہوتا، مگر یہ ہماری قدردانی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں اپنے عمل سے کوئی نہ جائے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، اور اس سوال کی ہمت بھی انھیں کو تھی، "ولا أنت" کیا آپ بھی اپنے عمل سے جنت میں نہ تشریف لے جائیں گے، اس سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف

www.abulhasanalinadwi.org

غالب ہوگیا اور اپنے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "ولا أنا إلا أن یتغمدنی اللہ برحمتہ" کہ میں بھی عمل سے جنت میں نہ جاؤں گا مگر یہ کہ خدا کی رحمت دستگیری فرمائے، صاحبو! اب کس کی ہمت ہے کہ اپنے عمل کو کچھ سمجھے۔

قیامت میں جب ہم اپنے اعمال کی جزا دیکھیں گے کہ اس قدر بے شمار نعمتیں ہیں، تو معلوم ہوگا یہ سب محض قدردانی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ شانہ اپنے مومن بندے کا حساب چھپا کر لیں گے اور فرمائیں گے کہ ہم نے تم پر یہ یہ انعامات فرمائے تھے، پھر بھی تم نے نافرمانی کی، فلاں گناہ کو یاد کرو، فلاں دن یہ کیا تھا، فلاں دن یہ کیا تھا، یہاں تک کہ مومن یہ سمجھے گا بس میں ہلاک ہوا، اور ہر طرف سے اپنے کو جہنم کے قریب دیکھے گا، اس وقت حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے کہ جاؤ ہم نے دنیا میں بھی پردہ پوشی کی تھی، یہاں بھی کرتے ہیں، کچھ ٹھکانہ ہے اس رحمت کا کہ مسلمان کو دوسروں کے سامنے ذلیل بھی نہ فرمائیں گے۔

صاحبو! ایسے خدا کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو، کیا اس کا حق تمہارے اوپر کچھ بھی نہیں، جو یوں نافرمانی پر کمربستہ ہو۔"

ایک بڑے شبہ کا ازالہ

اس سلسلہ میں ایک بڑے شبہ کا ازالہ فرمایا ہے:

"بعض رحمدل لوگوں کے دل میں آیا کرتا ہے کہ کافروں کے لیے ہمیشہ جہنم یا خلود فی النار کیوں ہے، کفر تو اس نے کیا

www.abulhasanalinadwi.org

تھوڑی مدت تک، یعنی دنیا کی چندروزہ زندگی میں اور سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، جہنم جو بظاہر عدل کے خلاف معلوم ہوتا ہے، تو بات یہ ہے کہ کافر نے جب حق تعالیٰ کے ساتھ کفر وشرک کیا تو اس نے حق تعالیٰ شانہ کے دراصل غیر متناہی حقوق کو ضائع کیا اور غیر متناہی حقوق کے ضائع کرنے پر غیر متناہی سزا بالکل عقلی قاعدہ کے موافق ہے۔

غرض عمل صالح سے تو حقوق غیر متناہی ادا نہیں ہوتے اور کفر سے حقوق غیر متناہی ضائع ہوجاتے ہیں۔" (۱)

یہ صرف ایک مثال تھی، ورنہ سارے مواعظ جو سیکڑوں کی تعداد میں ہیں، اسی طرح کے قرآن فہمی کے تفسیری حقائق ونکات سے بھرے ہیں، جی چاہتا ہے کہ کاش یہ سب یکجا (۲) ہوکر مختصراً کسی ترجمۂ قرآن کے حاشیہ پر چڑھ جاتے، تو بہتیرے بندگان خدا کے لیے تلاوتِ قرآن میں جان پڑ جاتی، احقر کی تجاویز میں یہ بھی شامل، والإتمام من اللہ.

تصوف

لیکن حضرت مجدد وقت کا سب سے وسیع ومحیط تجدیدی کارنامہ تصوف کی کامل وجامع تجدید واصلاح ہے، اور حق یہ ہے کہ یہ خدمت حق تعالیٰ نے حضرت والا سے ایسی لی ہے جس کی نظیر اولین وآخرین میں مشکل سے نظر آتی ہے، تصوف یا طریقت کی ساری تعلیمات کلیات وجزئیات حضرت کی تجدید کے بعد عین شریعت بن گئی ہیں، بلکہ تصوف کے بغیر جیسا کہ خود فرمایا کرتے تھے، دین وایمان کامل ہی نہیں

---

(۱) ملخصا ص/۲۲تا۲۹

(۲) الحمدللہ کہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند نے یکجا فرمانا شروع فرمادیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہوتا، شریعت وطریقت کی دوئی کی بحث ہی انشاء اللہ قیامت تک کے لیے ختم ہوگئی، اور ایسے تصوف وطریقت کا کوئی خشک سے خشک مُلّا بھی کیسے انکار کرسکتا ہے جو سراسر شریعت ہو، اگر آج علامہ ابن تیمیہ علیہ الرحمہ موجود ہوتے تو ان کی تحقیق وحق پسندی بھی ان کو خانقاہ امدادیہ کے تصوف سے باہر نہ رہنے دیتی، اور عبدالوہاب نجدیؒ میں بھی حضرت علیہ الرحمہ کے بقول ''وجدی'' ہونے کی جو کسر تھی وہ نہ رہ جاتی، چونکہ تصوف کی تجدید پر ''تجدید تصوف وسلوک'' ہی کے نام سے الحمدللہ ایک مفصل ومستقل کتاب ہوگئی ہے، اس لیے یہاں حضرت کی علمی جامعیت کے سلسلہ میں صرف اتنے ہی ذکر پر بس کیا جاتا ہے۔

معقولات

تفسیر وحدیث وفقہ وتصوف، یہ تو سب کم وبیش دینی ونقلی علوم ہیں، باقی عقلی علوم سے جس طرح طائفہ دیوبندیہ منصور بن علی الحق کو بعض حلقوں میں کم سواد یا بے سواد خیال کیا جاتا ہے، اس کی بناء پر شاید حضرت والا کی نسبت بھی گمان ہو کہ منطق وفلسفہ اور علم کلام وغیرہ معقولات سے کوئی خاص مناسبت نہ ہوگی، گو یہ عجیب بات ہے کہ جس دارالعلوم دیوبند کا خود بانی، مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نانوتوی جیسا متکلم وفلسفی ہوں، جس کی کتابیں آج بھی زندہ گواہ ہیں، اس طبقہ کی نسبت معقولات سے ناآشنائی کا گمان نہ جانے کیسے ہوا، شاید اس لیے کہ معقولات نام صرف صدرا و شمس بازغہ قاضی وحمداللہ یا سلّم کے شروح وحواشی در حواشی کا رکھ لیا گیا ہے، تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت تھانوی نہ فقط ان نام نہاد کتب معقولات کا برسوں اور اس عبور ومہارت کے ساتھ درس دیتے رہے کہ ''مشناہ بالتکریر'' جیسے مشکل مقامات کو طلبہ کے لیے پانی بنادیا کرتے تھے، (۱) بلکہ حکیم الامت فلسفہ کے اصلی وصحیح معنی میں

---

(۱) اشرف السوانح باب درس وتدریس۔

www.abulhasanalinadwi.org

محبّ الحکمۃ (۱) تھے، یعنی صدرا و شمس بازغہ کی کتاب خوانی پر ناز کرنے والوں کا حال تو اکثر یہ دیکھا کہ دو باتیں بھی عقل و حکمت کی مشکل سے کر سکتے ہیں، منطق پر فنی اعتبار سے اتنا قابو و عبور تھا کہ ایک موقع پر خواجہ عزیز الحسن صاحب سے فرمایا کہ "اب فرصت و قوت نہیں رہی ورنہ منطق کی ایک کتاب بھی مجھ سے پڑھ لی جاتی تو پھر دوسری کتاب کی چنداں ضرورت ہی باقی نہ رہتی اور منطق سے پوری مناسبت پیدا ہو جاتی (۲) لیکن منطق کا اصل وظیفہ خطا فی الفکر سے بچانا ہے، جس سے ہمارے مدعیان منطق کو حلقہ درس سے باہر اتنی بے فکری ہوتی ہے کہ ان کی باتوں سے کتابی منطق سے نابلد سلیم الفکر عامی بھی شرما جائے، یہی نہیں، بلکہ اس مروجہ منطق و معقولات کے اکثر مشاہیر کو دیکھا کہ سرے سے ان کا دماغی توازن ہی سلامت نہیں رہتا، بخلاف اس کے حضرت کی سیکڑوں کتابوں کے ہزاروں صفحات آج بھی ہمارے سامنے ہیں، جن کی سطر سطر سے اس بات کی شہادت ہے کہ سب سے زیادہ حضرت پر شریعت کے بعد جس چیز کا غلبہ تھا وہ عقل و حکمت ہی کا تھا، حضرت کی چیزوں کو پڑھ کر بڑا اثر یہی ہوتا ہے کہ دین و شریعت سراپا عقل و حکمت ہے، البتہ ایسی بے عقلی نہیں کہ عقل کے مقام و رسائی کو نہ پہچان کر وحی و نبوت یا کتاب و سنت کو نفسانی عقل و حکمت کے تابع بنا دیا ہو، نہ وہ فرنگی عقل جو صرف حیوانی و مادی تزئین حیات میں غرق ہو، بلکہ اسی حیوانیت کو تمام تر انسانی ترقی کا مدار و معیار جانتی ہو، ورنہ جو صحیح عقل ہے اس کی نسبت ہمیشہ فرماتے کہ "طبیعت کو عقل کے تابع رہنا چاہیے اور عقل کو شریعت کے" اس قید کے ساتھ پھر تو یہی فرماتے کہ ہمیشہ رہنے کی چیز اور اصل دولت ایمان و عقل ہی ہے، درسیاتی منطق اور معقولات کے دعویدار تو شاید ہی دس بیس منٹ منطقی و معقولی گفتگو فرما سکتے ہوں لیکن حضرت نا معقول اور

---

(۱) فلسفہ یونانی الاصل لفظ ہے، جس کے معنی عقل و حکمت کی محبت یا حکمت پسندی کے ہیں۔ (مؤلف)

(۲) اشرف السوانح باب درس و تدریس۔

www.abulhasanalinadwi.org

غیر منطقی گفتگو کرنا کیا معنی سننا بھی گوارہ نہیں فرما سکتے تھے، اور نا معقول بات سے زیادہ کسی چیز پر طبع سلیم کو تغیر نہ ہوتا تھا، جس کا تجربہ حضرت کی مجالس کے سعادت اندوزوں کو بات بات میں ہوتا تھا، اور ملفوظات سے آج بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے مثلاً تحریک خلافت کے زمانہ میں۔

گفتگو میں منطق و حکمت

"ایک مولوی صاحب ایک مجمع کی طرف سے آئے، آنے کے قبل بواسطہ ان سے گفتگو ہو چکی تھی کہ آنے کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں، ایک افادہ، ایک استفادہ، ایک مناظرہ، اگر افادہ مقصود ہے تو میرے ذمہ اس کا جواب نہ ہوگا، وہ تبلیغ ہوگی، اپنا فرض ادا کر کے تشریف لے جایئے گا، عمل کرنا نہ کرنا میری توفیق پر ہے، اور اگر استفادہ مقصود ہے تو اس کے لیے پہلے سے تردد لازم ہے، اور آپ کو تردد ہے نہیں، اس لیے کہ شرکت کر چکے، شرکت کا اعلان کر چکے، اس لیے یہ شق قابل تسلیم نہیں، رہا مناظرہ اس میں بے تکلفی شرط ہے سو مجھ میں اور آپ میں پہلے سے بے تکلفی نہیں، جواب آیا کہ جو چاہو سمجھو، آنے کی اجازت دے دو، میں نے اجازت دے دی۔"

اب ذرا آنے کے بعد سنیے:

"آئے اور درخواست کی کہ تنہائی میں کچھ کہنا ہے، میں نے کہا کہ جلوت میں گفتگو کرنے میں تو آپ کے لیے خطرہ ہے کہ آپ کے اسرار ظاہر ہوں گے، مگر آپ اس خطرے کے لیے تیار ہیں، اور خلوت میں میرے لیے خطرہ ہے کہ مجھ پر اشتباہ ہو، جس کے

www.abulhasanalinadwi.org

لیے میں تیار نہیں، بس آپ کے لیے خلوت وجلوت دونوں برابر
ہیں، کیونکہ آپ اعلان کر چکے ہیں، توپوں، فوجوں، بندوقوں،
مشین گنوں اور جیل خانوں کے لیے تیار ہو چکے ہیں، مگر میرے
لیے خطرہ ہے کہ یہ سمجھا جائے گا کہ گورنمنٹ کے خلاف کوئی
سازش کرنے کا ارادہ ہے، اس لیے جو کہنا ہو مجمع میں کہیے۔"(۱)

اس کھری اور سچی منطق کا جواب ہی کیا تھا "بس بیچارے رہ گئے" ایک اور مثال اسی مجلس کی ملفوظات سے لیجیے، کانپور میں گیارہویں کے متعلق حضرت کا بیان تھا:

"اس میں ایک انسپکٹر پولیس بھی شریک تھے، وعظ کے بعد کہا کہ ہمارے لیے بڑی مشکل ہے، فلاں فلاں عالم تو اس کو جائز کہتے ہیں، اور تم اس کو بدعت کہتے ہو، ہم کیا کریں، میں نے کہا کہ اس کا جواب تو بعد میں دوں گا، پہلے یہ بتلائیے کہ آپ کو تردّد رفع کرنا مقصود ہے یا اعتراض کرنا، کہا تردد رفع کرنا، میں نے کہا تردد تو دونوں ہی جانب ہونا چاہیے، سو جیسے مجھ سے اس وقت کہا، کیا کبھی ان جائز کہنے والوں سے بھی اس طرح کہا گیا کہ فلاں فلاں منع کرتے ہیں اور آپ جائز کہتے ہیں ہم کیا کریں، بس داروغہ جی ختم ہو گئے۔"(۲)

مگر یہ منطق سلّم اور اس کی شروح وحواشی رٹنے رٹانے سے حاصل نہیں ہوتی، اس کا سرچشمہ محض حق تعالیٰ کا فضل ہے، جو تعلق حق ہی سے نصیب ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر والے ملفوظ اول ہی کے سلسلہ میں فرمایا کہ:

"اللہ کا شکر ہے اپنے فضل سے عین وقت پر دل میں ضرورت کی

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۱۷۷ حصہ/۴

(۲) ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

چیز ڈال دیتے ہیں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں، جس سے چاہیں اپنا کام لے لیں۔"

حق تعالیٰ کے اس فضل خاص کی مثالیں حضرت کے حق میں کہاں تک گنائی جائیں، تاہم ایک اور مذکورۂ بالا مجموعۂ ملفوظات ہی سے نقل کی جاتی ہے۔

"قصبہ رامپور میں ایک تقریب تھی ختنوں کی، وہاں پر مجھ کو بھی بلایا گیا اور اپنے اور حضرات بھی تھے، (مولانا خلیل احمد و مولانا دیوبندی وغیرہ) پہنچ کر معلوم ہوا کہ بڑا تفاخر کا سامان کیا گیا ہے، اس لیے میں شریک نہیں ہوا اور خفیہ گھر چلا آیا، اس پر ایک صاحب دوسرے بزرگوں کی نصرت میں مناظرہ کی نیت سے تشریف لائے اور کہا مجھے ان رسوم کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، میں نے کہا ضرور شوق سے، مگر کچھ شرائط ہیں، ایک تو یہ کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ آپ کو واقعی شبہ ہے، دوسرے یہ کہ اس شبہ کا آپ کے ذہن میں کوئی جواب نہیں، تیسرے یہ کہ اپنے کسی معتقد فیہ (بزرگ) کی نصرت (حمایت) مقصود نہیں، بہ حلف سے بیان فرما کر جو شبہ ہو بیان فرمایئے، بس سب اعتراضات ختم ہو گئے۔"

اب حضرت ہی کے سلسلہ کے جو دوسرے بزرگ اس تقریب میں شریک ہوئے تھے ان کا معاملہ وواقعہ بھی قابل شنید ہے۔

"حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر یہ بات جائز تھی تو وہ (مولانا تھانوی) کیوں نہیں شریک ہوا، اور اگر ناجائز تھی تو آپ کیوں شریک ہوئے، اس پر مولانا نے مجمع میں تو یہ جواب دیا کہ وہ تقویٰ پر عمل کرتا

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، اور ہم فتوئی پر، اس لیے بعض دفعہ ہمارا اور اس کا اختلاف ہو جاتا ہے، اور خفیہ خط میں مجھ کو یہ لکھا کہ ''اصلاح الرسوم'' (۱) پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

میں نے مولانا خلیل احمد صاحب کو جواب لکھا کہ میں نظر اول، نظر ثانی، ثالث، رابع سب کچھ کر چکا، ہر نظر کا وہی نتیجہ ہے جو نظر اول کا تھا، ہاں اس کی اور صورت ہے، وہ یہ کہ آپ نظر فرما کر اس میں غلطیاں نکال دیں، میں اس کا ردّ نہ کروں گا بلکہ شائع کر دوں گا، ناظرین دونوں کو دیکھ لیں گے، اب چاہے کوئی اِدھر جائے چاہے اُدھر جائے، مگر جو رسمیں مٹ چکی ہیں، اگر آپ کی تحریر پر انھوں نے پھر عود کیا تو اس کو آپ خود دیکھ لیں، اس کے بعد حضرت مولانا (خلیل احمد صاحب) نے کبھی کچھ اس کے متعلق نہیں فرمایا۔'' (۲)

عام اہل علم و فضل اور مجدد وقت میں فرق

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات کے علم و فضل اور بزرگی میں کلام نہیں، لیکن بات وہی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر دین کی تجدید اور امت کی اصلاح کے لیے مبعوث و مقرر فرمایا ہو، اس کی بصر و بصیرت، فہم و فراست امت کے خواص و عوام کے مصالح و مفاسد تک جس درجہ پہنچ سکتی ہے، بڑے بڑے علماء، صلحاء و مقبولین کی بھی پہنچنا ضروری نہیں، کیونکہ ان کو اس خاص خدمت کے لیے متعین ہی نہیں فرمایا گیا ہے۔

---

(۱) جس میں تمام ناجائز رسوم کی اصلاح فرمائی گئی ہے۔

(۲) ص/۲۱۹-۲۲۰

www.abulhasanalinadwi.org

چنانچہ مذکورۂ بالا تقریب کے معاملہ میں جب وہی سوال حضرت مولانا دیوبندی (شیخ الہندؒ) کی خدمت میں پیش کیا گیا تو:

"مولانا نے حقیقت بیان فرمادی، اور یہ جواب دیا کہ جس قدر عوام کی حالت اُسے (یعنی مولانا تھانوی کو) معلوم ہے، ہمیں معلوم نہیں، اس لیے وہ ایسی چیزوں کو روکتا ہے۔"

اب آگے ہمارے حضرت کا کمال دیکھیے کہ اپنے اس کمال واقعی کو محض تواضعاً ردّ نہ فرمانے کے باوجود اپنے اساتذہ اور بزرگوں کے کمال علم وفضل کے اعتراف کے ساتھ ادب کو بھی کس درجہ ملحوظ ومحفوظ رکھا، فرماتے ہیں کہ:

"کوئی شبہ نہ کرے کہ نعوذ باللہ کیا مجھ کو اپنے اکابر سے زیادہ علم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ عوام کی حالت کا علم یہ محسوسات کا علم ہے، اور محسوسات کا علم کوئی کمال نہیں، بلکہ احکام کا علم کمال ہے۔ اس معاملہ میں ایک بزرگ نے مجھ سے کہا کہ تم نے اپنی جان تو بچالی، لیکن اگر کوئی اعتراض کرے کہ تمہارے اکابر کی شرکت کیوں ہوئی؟ میں نے کہا کہ مجھ کو کسی نئے جواب کی ضرورت نہیں، میں وہ جواب دوں گا جو ہمارے اکابر (غالباً مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت حاجی صاحب (امداد اللہؒ) کے مولود میں شریک ہونے کے متعلق سکھا دیا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کو عوام کی حالت کی خبر نہیں، ہم کو خوب خبر ہے۔"

غرض یہ کہ تجدید واصلاح کی خدمت کے لیے صرف علم وتقویٰ کا کمال کافی نہیں بلکہ جس گروہ یا جماعت کی اصلاح مقصود ہے، اس کے مصالح ومفاسد کا خداداد دقیق وعمیق مشاہدہ اور ان کے ازالہ کی تدابیر کے لیے موہوب فہم وبصیرت لازم و

www.abulhasanalinadwi.org

مقدم ہے، اور حضرت علیہ الرحمہ کی تجدیدی اصلاحات میں یہ دونوں باتیں آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہیں۔

خیر یہ بات تو حسب موقع درمیان میں استطراداً آ گئی، اصل میں گفتگو یہ تھی کہ حضرت کی منطق وحکمت صرف کتابی و درسی نہ تھی، بلکہ زندگی کے ہر اعلیٰ وادنیٰ عمل و حرکت کیا معنی بات بات میں نمایاں تھی، اور ''یونانیوں'' کی منطق وحکمت کے مقابلہ میں ''ایمانیوں'' کی منطق وحکمت کی یہی شان ہے۔

چند خوانی حکمت یونانیاں

حکمت ایمانیاں راہم بخواں

عمل میں حکمت کی مثال

گفتگو میں تو اس ایمانی منطق وحکمت کی بعض مثالیں سن لیں، ایک آدھ مثال عمل میں بھی حکمت وایمان کی دیکھ لیں، سفارش جو بظاہر ایک معمولی بات ہے، اور اچھوں اچھوں کو دیکھا کہ اس کو بس اچھا کام سمجھ کر بغیر اس کے دوسرے نتائج پر غور فرمائے بلا قیدو شرط سفارش فرمادیا کرتے ہیں، لیکن حکیم الامت کی سفارش میں ایمانی حکمت کا رنگ یہ ہوتا تھا کہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک صاحب ہمارے بزرگ کی اولاد میں ہیں، دو یا ڈھائی ہزار کے قرضدار تھے، مجھ سے سفارش چاہی، میں نے صاف کہہ دیا کہ خطاب خاص سے تو میں سفارش نہ کروں گا، ہاں خطاب عام سے سفارش میں عذر نہیں، صورت خاص میں سفارش کرنا دو حال سے خالی نہیں، ایک تو خواہ اس کا جی چاہے یا نہ چاہے مگر پورا ہی کرے گا، اس میں تو دوسرے پر بار ہوتا ہے، اور یہ خیال ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے لکھا ہے اگر کام نہ کیا تو اس

www.abulhasanalinadwi.org

پر ناگواری کا اثر ہوگا۔

تو اس صورت میں دینے والے کا ایک تو دنیا کا نقصان ہوا، اس لیے کہ اس میں خلوص نہ رہا، صرف فلوس ہی رہا، تو ثواب سے بھی محرومی رہی، اس لیے دین کا نفع نہ ہوا اور مال الگ تلف ہوا، اس لیے دنیا کا نقصان ہوا، اور چونکہ طیب خاطر سے نہیں دیا گیا اس لیے لینے والے کے دین کا نقصان ہوا، کیونکہ بدون طیب خاطر کسی کے مال کا لینا شرعاً جائز نہیں۔

اور ایک ضرر مخاطب کا اور ہے وہ یہ کہ اگر اس نے نہ دیا تو سفارش کرنے والے سے حجاب ہوگا، خصوصاً جبکہ اس سے اصلاح کا تعلق ہو، تو اس کے لیے دین کی مضرت ہوگی، کیونکہ اس کو اپنے اس مصلح سے دین کی خدمت لیتے ہوئے حجاب ہوگا، کہ اس نے ایک بات کو لکھا تھا یا کہا تھا مگر ہم نے نہیں کیا، اب ہمارا کیا منھ ہے کہ اس سے کسی قسم کی خدمت لیں۔

غرض خطاب خاص میں یہ خرابیاں ہیں، اس لیے میں نے صورت عام میں سفارش لکھ دی اور کامیابی کی دعا کر دی۔"

فرمایئے کتنے لوگ سفارش میں ان ایمانی حکمتوں کا خیال فرماتے ہیں، رہا یہ وسوسہ کہ سفارش کی بدولت بے چارے حاجت مندوں کے جو کام نکل جاتے ہیں، وہ سفارش میں ان قیود و شرائط اور تنگی کے ساتھ کتنوں کے نکلیں گے تو یہ وسوسہ سراسر غیر ایمانی ہے، اس لیے کہ سفارش سے کوئی دیتا یا پاتا تھوڑا ہی ہے، (**لا معطی لما منعت ولا مانع لما أعطیت**) جو کچھ ملنے والا ہے وہ تو مل ہی کر رہے گا، آخر ان قیود و شرائط کے باوجود ان کو ڈھائی ہزار روپیہ ایک ہی شخص سے مل گیا اور اس طرح

www.abulhasanalinadwi.org

چھپت پھاڑ کر ملا کہ وہ ایک سوداگر کو حضرت کی وہی عام سفارشی تحریر دکھا رہے تھے کہ:

''جن کی دوکان پر اس وقت بمبئی کے ایک سیٹھ بھی بیٹھے ہوئے تھے، ان کے کانوں میں اس واقعہ کی بھنک پڑی، تو ان سوداگر سے سوال کیا کہ کیا بات ہے، انھوں نے مفصل قصہ بیان کیا کہ یہ صاحب اتنی رقم کے قرضدار ہیں، ایک بزرگ کی اولاد ہیں، مگر ان کی شرط یہ ہے کہ ایک ہی شخص یہ رقم دے گا تو لوں گا ورنہ نہیں، اور میرا نام بھی لیا کہ ان کی سفارش و تصدیق بھی ان کے پاس ہے، بس اس سیٹھ نے بغیر کسی کج و کاؤ کے ڈھائی ہزار کے نوٹ جیب سے نکال کر ان کے حوالہ کر دیئے، اور یہ الفاظ کہے کہ جب ایسے شخص کی سفارش ہے تو آگے کسی بات کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔''

لطف یہ کہ معلوم ہوا۔

''یہ سیٹھ عقائد و مسلک میں ہمارے بزرگوں کے خلاف بھی تھے، بدعتی خیالات کے شخص تھے، اور یہ بھی کہا کہ میں جب بمبئی سے چلا تھا، یہ ڈھائی ہزار کے نوٹ اس نیت سے لے کر چلا تھا کہ کسی کار خیر میں صرف کروں گا، سو اللہ نے وہ موقع عطا فرما دیا۔''

یہ سب اس سلسلہ میں فرمایا کہ:

''جس کام کو حق تعالیٰ کرانا چاہتے ہیں، اس کے اسباب ویسے ہی مہیا فرما دیتے ہیں اور اس میں کسی کی ذات کو دخل نہیں ہوتا، کہ فلاں ہی شخص کرے گا تو وہ کام ہوگا، وہ جس سے چاہیں کام لے سکتے ہیں، بڑے بڑے مظنۂ خیر بیٹھے منھ دیکھا کرتے ہیں، اور

www.abulhasanalinadwi.org

کام لے لیتے ہیں۔
اس حالت میں کسی کو ناز نہ کرنا چاہیے کہ ہم ہی کریں گے تو فلاں کام ہو سکتا ہے، ورنہ نہیں، وہ جس سے چاہیں اپنا کام لے لیں، ان کا ملک ہے، ان کی مخلوق ہے، مگر بھروسہ شرط ہے۔"(۱)

جب یہ معاملہ ہے تو پھر اہل ایمان کو سفارش وغیرہ کسی بھی چھوٹے بڑے کام میں آخر دینی قیود و شرائط یا ایمانی حکمت چھوڑنے کا کیا عذر ہو سکتا ہے!

غرض منطق و معقولات، فلسفہ و حکمت وہی ہے جو کام آئے، خصوصاً خدمتِ دین میں، ورنہ نام ہی نام یا پھر نری لفاظی اور ذہنی عیاشی ہے۔

علم کلام

معقولات کا ایک فن جو خاص دین ہی کی ایک خدمت کے لیے وضع ہوا، وہ علم کلام ہے، اس فن میں جو کتابیں اس زمانہ کے لحاظ سے لکھی گئی ہیں، ان میں حسین آفندی کی کتاب "رسالہ حمیدیہ" قدیم و جدید کی جامعیت عقائد و اعمال کی احاطت اور مباحث کی معقولیت و مناسبت کے اعتبار سے بحیثیت مجموعی خوب کتاب ہے، حضرت علیہ الرحمہ نے اس کے ترجمہ "سائنس اور اسلام" کی حذف و اضافہ کے ساتھ بہت اچھی تلخیص اپنی کتاب "تعلیم الدین" میں "تکمیل الیقین" کے نام سے شامل فرمادی ہے۔

اس کے علاوہ "المصالح العقلية للأحكام النقلية" کے نام سے ایک پوری مستقل کتاب تین حصوں میں تحریر فرمائی جس میں صرف عبادات و معاملات ہی کے اصولی و فروعی احکام نقلیہ کے عقلی مصالح و حکم نہیں بیان فرمائے گئے ہیں، بلکہ آخری حصہ میں قبر و قیامت کے بہت سے معاملات کے بھی اسرار تحریر فرمائے گئے

---

(۱) ص/۱۴۸

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں، مثلاً قبر کا عذاب وثواب، اس عذاب وثواب کا عام اہل دنیا کو نظر نہ آنا، جو لوگ ڈوب یا جل کر مر جاتے ہیں ان کے لیے عذاب وثواب قبر کی کیا صورت ہے، عالم برزخ کے بعد عالم حشر برپا ہونے کی وجہ، مرنے والوں کی ارواح کا اپنی قبر سے تعلق، پل صراط کی حقیقت، قیامت کی حقیقت، بہشت ودوزخ کی حقیقت وغیرہ۔

نیز ''اصلاح الخیال''، ''روح الارواح''، مواعظ ہفت اختر وغیرہ میں بھی بہت سے نقلی مسائل واحکام کی بڑی دلنشین عقلی تقریریں ملتی ہیں۔

علم کلام کا تجدیدی کارنامہ

لیکن علم کلام میں مجدد وقت کا اصل تجدیدی کارنامہ ایک ۸۰ ر صفحہ کا چھوٹا سا رسالہ ''الانتباهات المفيدة عن الاشتباهات الجديدة'' ہے جس کی تقریب تالیف کا ماحصل یہ ہے کہ:

''اس زمانہ میں مسلمانوں میں عقائد کی اور پھر اس سے اعمال کی جو دینی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، اور ہوتی جا رہی ہیں، ان کو دیکھ کر اکثر زبانوں سے جدید علم کی ضرورت تدوین کا ذکر سنا جاتا ہے، گو جو قدیم علم کلام پہلے سے مدوّن موجود ہے، اس کے اصول بالکل کافی ووافی ہیں، البتہ ان اصول کے استعمال اور تفریعات کے اعتبار سے یہ جدید ضرورت مسلّم ہوسکتی ہے، مگر اس کا یہ جدید ہونا شبہات کے جدید ہونے کی بناء پر موجود ہے، تاہم یہ شبہات کیسے ہی ہوں اور کسی بھی زمانہ میں ہوں، ان کے جواب کے لیے وہی قدیم علم کلام کافی ہوتا ہے۔''

لہٰذا ایک ضروری اصلاح وتجدید تو یہ فرمائی کہ قدیم علم کلام ہی کے اصول سے تفریع کر کے جدید شبہات کے جوابات دیئے جاسکتے ہیں، لیکن بہت زیادہ اہم و

www.abulhasanalinadwi.org

ضروری اصلاح خود کلام جدید کا نام لینے والوں کے اس خطرناک رجحان کی ہے کہ وہ تحقیقاتِ جدیدہ کو غیر مشکوک و مسلّم قرار دے کر شریعت کے قطعیات و منصوصات تک کو کھینچ تان کر ان کے موافق و تابع کر دینا چاہتے ہیں۔

"گو ان تحقیقات کی صحت نہ مشاہدہ سے ثابت ہو، نہ کوئی اور قطعی عقلی دلیل قائم ہو، سو ظاہر ہے کہ یہ مقصود سراسر باطل ہے، کیونکہ جن دعووں کا نام تحقیقات جدیدہ رکھا گیا ہے، نہ وہ سب تحقیقات کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں، بلکہ زیادہ تر تخمینات و وہمیات ہیں اور نہ ان میں اکثر جدید ہیں، بلکہ فلاسفۂ قدیم کے کلام میں بھی پائے جاتے ہیں، اور ہمارے متکلمین نے ان پر بحث بھی کی ہے۔

البتہ اس میں شبہ نہیں کہ بعضے شبہات کا ذکر زبانوں پر نہیں رہا تھا وہ اب از سر نو تازہ ہو گئے ہیں، اور بعض کا عنوان کچھ جدید ہو گیا ہے، اور بعضوں کا خود معنی مبنیٰ بھی جدید پیدا ہو گیا ہے، جن کو واقعی تحقیقات جدیدہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے، اس لیے ان شبہات اور ان کے ازالہ کو نیز اس وجہ سے کہ مذاق زمانہ کے لحاظ سے کچھ طرز بیان میں بھی جدت مفید ثابت ہوتی ہے، اس کو کلام جدید کہنا درست و بجا ہے، اور اس بناء پر کلام جدید کی ضرورت سے بھی انکار نہیں۔"

یہ تو کلام جدید کا مفہوم اور اس کی ضرورت تھی، جس کی تکمیل کی صورت ابتداءً حضرت کے پیش نظر یہ تھی کہ:

"جتنے شبہات زبان زد یا حوالۂ قلم ہو رہے ہیں، سب کو جمع

www.abulhasanalinadwi.org

کر کے ایک ایک کا جزئی طور پر جواب دیا جائے اور ان کی تقریر کے ضمن میں جو ضروری کلیات پیدا ہوں گے وہ اس قسم کے دیگر شبہات کے بھی انشاء اللہ دافع ہوں گے، مگر چونکہ اس کے لیے پہلے شبہات کے جمع ہونے کی ضرورت تھی، اور یہ کام صرف مجیب کا نہیں، اس لیے میں نے اس بارے میں اکثر صاحبوں سے مدد چاہی اور انتظار رہا کہ شبہات کا کافی ذخیرہ جمع ہو جائے تو اس کام کو بنامِ خدا شروع کیا جائے۔"

اس اثناء میں حضرت کا ایک سلسلۂ سفر میں علی گڑھ تشریف لے جانا ہوا، اور وہاں اہل کالج کی درخواست پر کالج میں ایک بیان ہوا، جس میں یہ اندازہ ہو کر کہ "طلبہ کو ایک درجہ میں حق کی طلب و انتظار ہے اور فہم و انصاف کے آثار بھی معلوم ہوئے" یہ تجویز فرمایا کہ:

"شبہات جزئیہ کے جمع ہونے کا جو اوروں کے کرنے کا کام ہے، سردست انتظار چھوڑ دیا جائے، اور جو شبہات اب تک کانوں سے خطاباً یا آنکھوں سے کتاباً گذرے ہیں، صرف انھیں کے بقدر ضرورت جوابات کو پیش اور شائع کر دیا جائے۔"

رسالہ "انتباہات" اسی تجویز کی قلمبند صورت ہے، جس میں اصل رسالہ سے پہلے اس بیان یا وعظ کا خلاصہ درج فرمایا گیا ہے جو کم و بیش تیس سال قبل کالج میں فرمایا تھا، جو آج بھی نئی تعلیم کے مسلمان طلبہ ہی نہیں بلکہ ایسے سارے نو تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے کان لگا کر سننے کا ہے، جو مسلمان ہو کر بھی اسلامی عقائد و اعمال کے متعلق کچھ نہ کچھ شکوک و شبہات میں گرفتار ہیں، اور بالعموم ان کے رفع کرنے کی بھی کوئی خاص فکر نہیں کرتے، بلکہ بہتیرے ان کو "روشن خیالی" کی سند جانتے ہیں، اور فخریہ و مدعیانہ

www.abulhasanalinadwi.org

ان کو گاتے پھرتے ہیں، حالانکہ مسلمان ہونے یا وحی و نبوت پر ایمان لانے کے بعد ان شبہات کے جراثیم کا بقایا ان کی پرورش قلب و روح کے لیے اس سے زیادہ مہلک ہے جتنا دِق کے جراثیم سے بے فکری بالآخر جسم کی ہلاکت کو دعوت دینا ہے، بہر حال سب سے بڑی اور پہلی کوتاہی تو یہی ہے کہ:

دینی شبہات روحانی امراض ہیں

"یہ شبہات باوجودیکہ روحانی امراض ہیں، مگر ان کو مرض نہیں سمجھا گیا، دیکھیے اگر خدانخواستہ کبھی کوئی مرض لاحق ہوا ہوگا تو یہ انتظار نہ ہوا ہوگا، کہ کالج کا طبیب یا ڈاکٹر خود ہمارے کمرے میں آکر ہماری نبض وغیرہ دیکھے، بلکہ خود اس کے پاس گئے ہوں گے، اور اس سے نفع نہ ہوا ہوگا تو شہر کے سول سرجن کے پاس شفاخانہ پہنچے ہوں گے، اس سے بھی فائدہ نہ ہوا ہوگا تو دوسرے شہروں کا سفر کیا ہوگا، مصارف سفر، فیس اور دواؤں میں بہت کچھ خرچ کیا ہوگا، غرض حصول شفا تک صبر و قناعت نہ ہوا ہوگا۔"

پھر اس شدید مہلک دینی مرض میں حصول شفا کے لیے کیا وجہ ہے کہ ایسی ہی دوڑ دھوپ نہیں کی جاتی، یہی کہ اس کو سرے سے مرض ہی نہیں سمجھا جاتا، جو بہت بڑی:

"دوسری کوتاہی ہے کہ اپنی فہم و رائے پر پورا اعتماد کر لیا جاتا ہے، کہ ہمارے خیال (یا شبہات) میں کوئی غلطی نہیں ہے، سو یہ وسوسہ بڑی غلطی ہے۔"

کامل کی تقلید لازم ہے

"تیسری کوتاہی یہ ہے کہ اتباع کی عادت کم ہے اور اس سبب

www.abulhasanalinadwi.org

سے کسی امر میں ماہرین کی اتباع نہیں کرتے، ہر امر میں دلائل و اسرار ڈھونڈے جاتے ہیں، حالانکہ غیر کامل کو بدون کسی کامل کی تقلید کے چارہ نہیں۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ علماء شرائع کے پاس دلائل و علل نہیں ہیں، سب کچھ ہیں، مگر بہت سے امور آپ کی فہم سے بعید ہیں، جیسے اقلیدس کی کسی شکل کا ایسے شخص کو سمجھانا جو حدود و اصول موضوعہ و علوم متعارفہ سے ناواقف ہو، سخت دشوار ہے۔''

اس رسالہ ''انتباہات'' میں حضرت نے بڑی حد تک اسی دشواری کو دور فرمایا ہے اور سب سے پہلے اصول موضوعہ ہی کا بیان اور شرح فرمائی گئی ہے، کہ اگر ان کو سمجھ کر پیش نظر رکھا جائے تو سابقہ شبہات ہی کا نہیں بلکہ آئندہ بھی قیامت تک جدید سے جدید تحقیقات سے پیدا ہونے والے شبہات کا بھی انشاء اللہ قلع قمع ہوتا رہے گا، ان اصول موضوعہ کے بعد مختلف ''انتباہات'' ہیں جن میں مختلف شبہات کو ان اصول موضوعہ کے حوالوں سے اسی طرح حل کیا گیا ہے، جس طرح اقلیدس یا ہندسہ میں مختلف اشکال یا دعوؤں کو اصول موضوعہ اور علوم متعارفہ کے حوالوں سے ثابت کیا جاتا ہے، یہ طرز تصنیف بھی بتلاتا ہے کہ حضرت کے ذہن کی طبعی ساخت و افتاد کیسی منطقی تھی، راقم ہذا کے علم میں یورپ کے ایک مشہور فلسفی اسپنوزا کے علاوہ اور کسی نے اپنی کسی تصنیف میں یہ اقلیدسی یا ہندسی طرز اختیار نہیں کیا، اس رسالہ ''انتباہات'' کے علاوہ حضرت نے یہی طرز انگریزی تعلیم کی تحقیق پر جو چھوٹا سا رسالہ تحریر فرمایا ہے، اس میں بھی اختیار فرمایا ہے۔(۱)

(۱) جس کا ذکر تجدید تعلیم و تبلیغ کے حصہ میں ملے گا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اصولِ موضوعہ

بہر حال اب ان اصول موضوعہ کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو، عوام وخواص، ماہرین سائنس وفلسفہ سب زبان وقلم سے اس کا بہ بانگ دہل اعلان واقرار کرتے رہتے ہیں کہ انسان کی فکروفہم وتحقیق وعلم سب محدود وناقص اور خطا پذیر ہیں، اور ہر علم و فن میں دن رات اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ بڑے بڑے یگانہ روزگار ماہرین کی مسلّم سے مسلّم تحقیقات رد ہوتی رہتی اور ان میں غلطیاں نکلتی رہتی ہیں، اور کسی علم وفن کا کوئی بھی مسئلہ ونظریہ ایسا نہیں ہوسکتا جس کی ابدی صداقت کا کوئی ہوشمند دعویٰ کر سکے۔

اس کے باوجود آدمی کا یہ جہل مرکب کیسی ستم ظریفی ہے کہ جو بات اپنی سمجھ میں نہ آئے یا کسی رائج ومقبول عام خیال کے خلاف معلوم ہوتی ہو، اس کو غلط اور باطل سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ جب طبعی وتجربی علوم تک میں ہماری فہم وتحقیق ابدی صداقت کا معیار نہیں تو مابعدالطبعی یا دینی وغیبی علوم میں ہماری سمجھ ابدی حق وباطل کی کسوٹی کیسے بن سکتی ہے، اس لیے سب سے پہلا اصول موضوعہ یہی قرار دیا گیا کہ:

پہلا اصول موضوعہ

"کسی چیز کا سمجھ میں نہ آنا اس کے باطل ہونے کی دلیل نہیں" جس کی شرح یہ ہے کہ:

> "باطل ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ دلیل سے اس کا نہ ہونا سمجھ میں آجائے، ...... مثلاً کسی دیہاتی نے جس کو ریل دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، یہ سنا کہ ریل بدون کسی جانور کے گھسیٹے خود بخود چلتی ہے، تو وہ تعجب سے کہے گا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس پر قادر نہیں کہ اس کی نفی پر دلیل قائم کر سکے،

www.abulhasanalinadwi.org

کیونکہ اس کے پاس خود اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ بجز جانور کے گھسیٹنے کے گاڑی کی حرکت کا کوئی اور سبب نہیں ہوسکتا، اس کو سمجھ میں نہ آنا کہتے ہیں، اور اگر وہ محض اسی بناء پر اس کی نفی (یا باطل ہونے) کا حکم کرنے لگے اور راوی کی تکذیب کرنے لگے تو عقلاً اس کو بے وقوف سمجھیں گے کہ تیری سمجھ میں نہ آنے سے نفی کیسے لازم آئی، یہ مثال ہے سمجھ میں نہ آنے کی۔

اور اگر کوئی شخص کلکتہ سے ریل میں ہوکر دہلی اترا اور ایک شخص نے اس کے روبرو بیان کیا کہ یہ گاڑی آج کلکتہ سے دہلی تک ایک گھنٹہ میں آئی، تو وہ مسافر اس کی تکذیب کرے گا اور اس کے پاس اس کی نفی (یا تکذیب) کی دلیل موجود ہے جو خود اپنا مشاہدہ اور سو دو سو جو اس گاڑی سے اترے ہیں ان کی شہادت ہے، یہ مثال اس کی ہے کہ اس کا نہ ہونا سمجھ میں آجائے۔

اسی طرح اگر اس نے سنا کہ قیامت کے روز پل صراط پر چلنا ہوگا، جو بال سے باریک ہوگا، چونکہ ایسا واقعہ کبھی دیکھا نہیں، اس لیے یہ تعجب ہونا کہ ایسا کیوں کر ہوگا تعجب نہ ہوگا، لیکن ظاہر ہے کہ اس کی نفی پر عقل کے پاس کوئی دلیل نہیں، کیونکہ سرسری نظر میں دلیل اگر ہوسکتی ہے تو یہ کہ قدم اتنا چوڑا اور قدم رکھنے کی چیز اتنی کم چوڑی، تو اس پر پاؤں ٹکنا اور چلنا ممکن نہیں، لیکن خود اسی کا کوئی ثبوت نہیں کہ مسافت کی وسعت قدم سے زیادہ ہونا ضروری ہے، یہ اور بات ہے کہ عادت یوں ہی دیکھی گئی، اس کے خلاف نہ دیکھا ہو، یا دیکھا ہو مگر اتنا تفاوت نہ دیکھا ہو، جیسے

www.abulhasanalinadwi.org

بعض کو رسّی پر چلتے دیکھا ہے، مگر اس میں کیا محال ہے کہ وہاں عادت بدل جائے۔

یہ فرق ہے سمجھ میں نہ آنے اور باطل ہونے میں۔"

دوسرا اہم اصول موضوعہ

دوسرا اہم اصول موضوعہ یہ ہے کہ:

"جو امر عقلاً ممکن ہو اور صحیح دلیل نقلی اس کے وقوع کو بتلاتی ہو، اس کا قائل ہونا ضروری ہے، اسی طرح اگر دلیل نقلی اس کے عدم وقوع کو بتلا دے تو عدم وقوع کا قائل ہونا ضروری ہے۔"

اس کی شرح میں ہے:

"واقعات تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک جن کے ہونے کو عقل ضروری و لازم بتلا دے، مثلاً ایک آدھا ہے دو کا، یہ امر ایسا لازم الوقوع ہے کہ ایک یا دو کی حقیقت جاننے کے بعد عقل اس کے خلاف کو یقیناً غلط سمجھتی ہے، اس کو واجب کہتے ہیں، دوسری قسم وہ جن کے نہ ہونے کو عقل ضروری و لازم بتلا دے، مثلاً ایک مساوی ہے دو کا، یہ امر ایسا لازم النفی ہے کہ عقل اس کو یقیناً غلط سمجھتی ہے اس کو ممتنع اور محال کہتے ہیں، تیسری قسم وہ جن کے نہ وجود کو عقل لازم بتلاوے اور نہ نفی کو ضروری سمجھے، بلکہ دونوں شقوں کو محتمل قرار دے، اور ہونے نہ ہونے کا حکم کرنے کے لیے کسی دلیل نقلی پر نظر کرے۔

مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شہر کا رقبہ فلاں شہر سے زائد ہے، یہ زائد ہونا ایسا امر ہے کہ قبل جانچ کرنے یا جانچ کرنے والوں کی تقلید کرنے کے

www.abulhasanalinadwi.org

عقل نہ اس کی صحت کو ضروری قرار دیتی ہے اور نہ بطلان کو......
اس کو ممکن کہتے ہیں، ایسے ممکن امر کا ہونا اگر دلیل نقلی سے صحیح
ثابت ہو تو اس کے ثبوت اور وقوع کا اعتقاد اور اس کا نہ ہونا ثابت
ہو جائے تو اس کے عدم وقوع کا اعتقاد ضروری ہے۔''

جدید فلسفہ میں امور ممکنہ کی اسی اصولی بحث کو امور واقعیہ کے یا واقعاتی امور (Matter of facts) کے عنوان سے ڈیوڈ ہیوم نے بڑی نتیجہ خیز تفصیل کے ساتھ کیا ہے، جو کلام جدید کے لیے بڑی بنیادی اہمیت کی بحث ہے۔

ایک بڑی غلطی عوام ہی کی نہیں خواص تک کی یہ ہے کہ محال و مستبعد میں فرق نہیں کرتے، جس کے لیے تیسرے اصول موضوعہ یہ ثبت فرمایا کہ:

تیسرا اصول موضوعہ

''محال عقلی ہونا اور چیز ہے اور مستبعد ہونا اور چیز، محال خلاف عقل ہوتا ہے اور مستبعد خلاف عادت، عقل اور عادت کے احکام جدا جدا ہیں، دونوں کو ایک سمجھنا غلطی ہے، محال کبھی واقع نہیں ہوسکتا، مستبعد واقع ہوسکتا ہے، محال کو خلاف عقل کہیں گے اور مستبعد کو غیر مدرک بالعقل۔''

اس کی شرح یہ ہے کہ:

''محال کی تکذیب و انکار محض بناء بر محال ہونے کے واجب ہے، اور مستبعد کی تکذیب و انکار محض بناء بر استبعاد جائز بھی نہیں، البتہ اگر علاوہ استبعاد کے دوسرے دلائل تکذیب کے ہوں تو تکذیب جائز بلکہ واجب ہے، جیسا اوپر اصول موضوعہ نمبر/۱ و ۲ میں مثالوں سے معلوم ہوا، کہ اگر کوئی کہے ایک مساوی ہے دو کا، تو

www.abulhasanalinadwi.org

اس کی تکذیب ضروری ہے اور اگر کوئی کہے کہ ریل بدون کسی جانور کے لگائے چلتی ہے تو تکذیب جائز نہیں، باوجودیکہ ایسے شخص کے نزدیک جس نے اب تک وہی عادت دیکھی کہ جانور کو گاڑی میں لگا کر چلاتے ہیں، مستبعد اور عجیب ہے۔

بلکہ جتنے واقعات کو غیر عجیب سمجھا جاتا ہے وہ واقع میں سب عجیب ہیں، مگر بوجہ تکرار مشاہدہ و عادت ان کے عجیب ہونے پر التفات نہیں رہا، مثلاً ریل کا اس طرح چلنا اور نطفہ کا رحم میں جا کر انسان ہو جانا (یا بیج کا زمین میں درخت بن جانا) فی نفسہ دونوں میں کیا فرق ہے، بلکہ دوسرا امر واقعہ میں زیادہ عجیب ہے، مگر جس دیہاتی نے امر اوّل کو کبھی نہ دیکھا ہو اور امر ثانی کو ہوش سنبھالنے ہی کے وقت سے دیکھتا آیا ہو تو ضرور وہ اول کو عجیب سمجھے گا۔

اسی طرح جس شخص نے گراموفون سے ہمیشہ باتیں نکلتے دیکھا وہ گراموفون کے اس فعل کو عجیب نہیں سمجھتا اور ہاتھ پاؤں کے اس فعل کو عجیب سمجھتا ہے، اور عجیب سمجھنے کا تو مضائقہ نہیں، لیکن یہ سخت غلطی ہے کہ عجیب کو محال سمجھے اور محال سمجھ کر نص کی تکذیب کرے، یا بلا ضرورت اس کی تاویلیں کرے۔"

اصول موضوعہ نمبر/۴

ان کے بعد اصول موضوعہ نمبر/۴ یہ ہے کہ:

"کہ موجود ہونے کے لیے محسوس و مشاہد ہونا لازم نہیں۔"

اس کی شرح میں ارشاد ہے کہ:

www.abulhasanalinadwi.org

''واقعات پر وقوع کا حکم تین طرح کیا جاتا ہے، ایک مشاہدہ، جیسے ہم نے زید کو آتے ہوئے دیکھا، دوسرے مخبر صادق کی خبر جیسے کسی معتبر آدمی نے خبر دی کہ زید آیا، اس میں یہ شرط ہوگی کہ کوئی دلیل اس سے زیادہ صحیح اس کی تکذیب کی نہ ہو، مثلاً کسی نے یہ خبر دی کہ زید رات کو آیا تھا اور آتے ہی تم کو تلوار سے زخمی کیا تھا، حالانکہ مخاطب کو معلوم ہے کہ مجھ کو کسی نے زخمی نہیں کیا، اور نہ اب وہ زخمی ہے، پس یہاں مشاہدہ مکذب ہے، اس لیے اس خبر کو غیر واقع کہیں گے، تیسرے استدلال عقلی جیسے دھوپ کو دیکھ کر گو آفتاب کو دیکھا نہ ہو، اور نہ کسی نے اس کے طلوع کی خبر دی ہو، (مگر چونکہ معلوم ہے کہ دھوپ کا وجود موقوف ہے طلوع آفتاب پر، اس لیے) عقل سے پہچان لیا کہ آفتاب بھی طلوع ہوگیا ہے، ان تینوں واقعات میں وجود کا حکم تو مشترک ہے لیکن محسوس صرف ایک واقعہ ہے، اور باقی دو غیر محسوس ہیں، تو ثابت ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ جس امر کو واقع کہا جائے تو وہ محسوس بھی ہو، اور جو محسوس نہ ہو اس کو غیر واقع کہا جائے۔

مثلاً نصوص نے خبر دی کہ ہم سے جہت فوق میں سات اجسام عظام ہیں کہ ان کو آسمان کہتے ہیں، اب اگر اس نظر آنے والے نیلگوں خیمہ کے سبب وہ ہم کو نظر نہ آتے ہوں تو یہ لازم نہیں آتا کہ صرف محسوس نہ ہونے سے ان کے وقوع کی نفی کردی جائے بلکہ ممکن ہے کہ وہ موجود ہوں اور چونکہ مخبر صادق نے ان کی خبر دی ہے اس لیے اس کے وجود کا قائل ہونا ضروری ہوگا۔''

www.abulhasanalinadwi.org

اصول موضوعہ نمبر/۵

''منقولات محضہ پر محض (خالص) عقلی دلیل کا قائم کرنا ممکن نہیں، اس لیے ایسی دلیل کا مطالبہ بھی جائز نہیں۔''

یہ نمبر اس لحاظ سے بہت زیادہ اہم اور قابل توجہ ہے کہ دینی عقائد خواہ ماضی کے متعلق اور خدائے واحد کی ذات وصفات سے متعلق ہوں اور خواہ مستقبل اور آخرت کے معاملات کے متعلق، سب درحقیقت ''منقولات محضہ'' ہیں اور ظاہر ہے کہ:

''ایسے واقعات پر محض عقلی دلیل سے استدلال ممکن نہیں، مثلاً کسی نے کہا کہ سکندر اور دارا' دو بادشاہ تھے، اور ان میں جنگ ہوئی تھی، اب کوئی شخص کہنے لگے کہ اس پر دلیل عقلی قائم کرو تو کوئی کتنا ہی بڑا فلسفی ہو، بجز اس کے کیا دلیل قائم کرسکتا ہے کہ ایسے دو بادشاہوں کا وجود اور مقابلہ کوئی امر محال تو ہے نہیں بلکہ ممکن ہے، اور ممکن کے وقوع کی خبر معتبر مؤرخین نے دی ہے، اور جس ممکن کے وقوع کی خبر مخبر صادق دیتا ہے، اس کا قائل ہونا لازم ہے، جیسا کہ نمبر/۲ میں مذکور ہوا۔

اسی طرح قیامت کا آنا، مُردوں کا زندہ ہوجانا، اور نئی زندگی کا دور شروع ہونا ایک محض منقول واقعہ ہے، لہٰذا اس کے دعویٰ کرنے والے سے کوئی شخص محض عقلی دلیل کا مطالبہ نہیں کرسکتا، اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ ان واقعات کا محال عقلی ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں، گو سمجھ میں نہ آوے کیونکہ سمجھ میں نہ آنا اور محال ہونا ایک نہیں جیسا کہ نمبر/۱ میں بیان ہوا، پس یہ ممکن ٹھہرا اور اس امر وقوع کی خبر ایسے شخص نے دی جس کا صدق دلائل سے

www.abulhasanalinadwi.org

ثابت ہے، اس لیے حسب نمبر/۲ اس کے وقوع کا قائل ہونا واجب ہوگا۔''

البتہ دینی عقائد اور دنیوی واقعات میں (جیسے سکندر و دارا کی جنگ) فرق یہ ہے کہ ثانی الذکر نے مماثل واقعات کا تجربہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، اس لیے وہ مستبعد نہیں معلوم ہوتے اور اول الذکر مستبعد معلوم ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے لیے اگر کوئی عقلی دلیل ہوسکتی ہے تو صرف رفع استبعاد کی، لیکن مخبر کا صادق ہونا ثابت کر دینے کے بعد رفع استبعاد مدعی کے ذمہ واجب نہیں، اگر کر دے تو تبرّع و احسان ہے، اسی کو فرمایا کہ:

''اگر ایسے واقعات کی کوئی دلیل عقلی محض بیان کی جاوے گی، حقیقت اس کی رفع استبعاد ہوگا، جو مُستدِل کا تبرع محض ہے، اس کے ذمہ نہیں۔''

دینی عقائد و مسائل کے باب میں اہل عقل و نقل سب کے لیے یہ اصول گرہ میں باندھنے کا ہے، اسی لیے راقم احقر ہمیشہ کہا کرتا ہے کہ دین کا مدار سب سے زیادہ تصدیق رسالت پر ہے، اگر رسول ''مخبر صادق'' نہیں تو دینی مسائل کا کوئی ثبوت نہیں، اور اگر اس کا صدق مسلّم ہے تو پھر کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں، اور اسی بناء پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ احکام دین کے اسرار و علل کا مطالبہ دراصل انکارِ رسالت کے مرادف ہے۔

اصول موضوعہ نمبر/۶

نظیر اور دلیل جس کو آج کل ثبوت کہتے ہیں، ایک نہیں، اور مدعی سے دلیل کا مطالبہ جائز ہے، مگر نظیر کا مطالبہ جائز نہیں۔

''مثلاً کوئی شخص دعویٰ کرے کہ شاہ جارج پنجم نے تخت نشینی کا دربار دہلی میں منعقد کیا اور کوئی کہے کہ ہم تو جب مانیں گے کہ اس

www.abulhasanalinadwi.org

کی نظیر بھی ثابت کرو کہ اس کے قبل کسی اور بادشاہِ انگلستان نے ایسا کیا ہو، ورنہ ہم اس واقعہ کو غلط سمجھیں گے۔

اسی طرح اگر کوئی دعوی کرے کہ قیامت کے دن ہاتھ پاؤں کلام کریں گے تو اس سے کسی کو نظیر مانگنے کا حق نہیں، البتہ دلیل قائم کرنا اس کے ذمہ ہے، اور چونکہ وہ منقول محض ہے اس لیے حسب نمبر/۵ اس قدر استدلال کافی ہے کہ اس کا محال ہونا ثابت نہیں، اور مخبر صادق نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے، لہٰذا اس کے وقوع کا اعتقاد واجب ہے۔

البتہ اگر استدلال کرنے والا نظیر پیش کردے تو یہ اس کا تبرع و احسان ہے، مثلاً گراموفون کو اس کی نظیر میں پیش کردے کہ باوجود جماد محض ہونے کے اس سے کس طرح الفاظ ادا ہوتے ہیں، آج کل یہ ظلم ہے کہ نو تعلیم یافتہ ہر منقول کی نظیر مانگتے ہیں، سو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ غیر لازم امر کا مطالبہ ہے۔"

اصول موضوعہ نمبر/۷

آخری ساتواں نمبر اصول موضوعہ کا یہ ہے کہ عقل و نقل یا روایت و درایت میں اختلاف و تعارض کی ممکن صورتیں چار ہوسکتی ہیں:

"ایک یہ کہ دونوں قطعی ہوں، اس کا وجود نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ دو صادق (یا قطعی) باتوں میں تعارض محال ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں ظنی ہوں، تو گو دونوں کو جمع کرنے (یا رفع تعارض) کے لیے دونوں کے ظاہر معنی ترک کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، مگر چونکہ زبان کا اصل قاعدہ (یا مقتضیٰ) یہ ہے کہ

www.abulhasanalinadwi.org

جہاں تک ہوسکے الفاظ کو اپنے اصل معنیٰ ہی پر رکھا جائے، اس لیے نقل کو ظاہر معنی پر رکھیں گے، اور دلیل عقلی کو حجت نہ سمجھیں گے، تیسری صورت یہ ہے کہ دلیل نقلی قطعی ہو اور عقلی ظنی ہو، یہاں ظاہر ہے کہ نقلی کو یقیناً مقدم رکھیں گے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ دلیل عقلی قطعی ہو، اور نقلی ظنی خواہ ثبوت میں یا دلالت میں، تو یہاں عقلی کو مقدم رکھیں گے، اور نقل میں تاویل کریں گے۔

پس یہی ایک صورت یا موقع ہے روایت یا نقل کے مقابلہ میں درایت یا عقل کو مقدم رکھنے کا، نہ یہ کہ ہر جگہ عقل ہی کو مقدم رکھا جائے۔"

اب اس کی شرح میں پہلے تعارض کی حقیقت سمجھ لیں کہ وہ نام ہے:

"دو حکموں کا ایک دوسرے کے اس طرح خلاف ہونا کہ ایک کو صحیح ماننے سے دوسرے کا غلط ماننا ضروری ہو، جیسے ایک شخص نے بیان کیا کہ آج زید دس بجے دن کو دہلی کی ٹرین میں سوار ہوگیا، دوسرے نے بیان کیا کہ آج گیارہ بجے (یا دس ہی بجے) زید میرے پاس میرے مکان میں آکر بیٹھا رہا، اس کو تعارض کہتے ہیں، چونکہ تعارض میں ایک کے صحیح ہونے کے لیے دوسرے کا غلط ہونا لازم ہے، اس لیے دو صحیح دلیلوں میں کبھی تعارض نہ ہوگا۔

اور جب دو دلیلوں میں تعارض ہو تو اگر وہ دونوں قابل تسلیم ہیں تب تو ایک میں کچھ تاویل کریں گے یعنی اس کو ظاہری معنی سے ہٹا دیں گے اور اس طرح اس کو مان بھی لیں گے اور دوسری کو اس

www.abulhasanalinadwi.org

کے ظاہری معنی پر رکھ کر مانیں گے، اور اگر ایک قابل تسلیم دوسری ناقابل تسلیم ہے تو ظاہر ہے کہ پہلی کو تسلیم کر کے دوسری کو ردّ کردیں گے۔

مثلاً مذکورہ بالا مثال میں اگر ایک راوی معتبر دوسرا غیر معتبر ہے تو معتبر کے قول کو تسلیم اور غیر معتبر کو ردّ کردیں گے، اور اگر دونوں معتبر ہیں تو دوسرے قرائن سے جانچ کر ایک کے قول کو مانیں گے، اور دوسرے میں کچھ تاویل کریں گے، مثلاً اگر اور شہادتوں سے ثابت ہوا کہ زید دہلی سے نہیں گیا تو کہیں گے کہ راوی کو شبہ ہوا ہوگا یا سوار ہو کر پھر واپس آ گیا ہوگا وغیرہ۔"

اوپر جو ظنی دلیل عقلی کے متعلق یہ کہا گیا کہ خواہ ثبوت کے اعتبار سے ظنی ہو خواہ دلالت کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہے کہ:

"نقلی کے ظنی ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ثبوتاً ظنی ہو، مثلاً کوئی حدیث ہے جس کا ثبوت متواتر یا مشہور سے نہیں، دوسرے یہ کہ دلالۃً ظنی ہو کہ ثبوتاً قطعی ہو مثلاً کوئی آیت ہے کہ ثبوت تو اس کا قطعی ہے مگر معنی اس کے دو ہو سکتے ہیں اور دونوں معنی میں سے کسی پر بھی آیت کی دلالت قطعی نہیں، یہ معنی ہیں دلالۃً ظنی ہونے کے۔"

اس میں شک نہیں کہ یہ اصول موضوعہ ایسے ہیں کہ اگر عقل و نقل یا دین و دانش کے مسائل و مباحث میں ان کو احتیاط و انصاف کے ساتھ دلیل راہ بنایا جائے، تو قدیم و جدید سارے کلامی اختلافات میں عقل و نقل دونوں کو اپنی اپنی حدود میں رکھ کر حل کیا جا سکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

قدم مادہ

جیسا کہ خود حضرت نے آگے بعض شبہات جدیدہ سے متعلق انتباہات کے عنوان سے جو تنبیہات فرمائی ہیں، ان میں انھیں اصول کا استعمال فرمایا ہے، مثلاً انتباہِ اول میں حدوث مادہ کے متعلق متقدمین فلاسفہ کے دلائل پر کلام کے ساتھ موجودہ اہل سائنس کی نسبت ارشاد ہے کہ:

> ''ان کے پاس اس درجہ کی بھی کوئی دلیل نہیں، مثل دیگر وعادی کے محض تخمین سے کام لیا ہے، یعنی یہ خیال کرلیا ہے کہ یہ سارے موجودات عالم اگر پہلے محض معدوم تھے تو عدم محض سے وجود میں جانا سمجھ میں نہیں آتا، لیکن خوب غور کرنا چاہیے کہ کسی چیز کا سمجھ میں نہ آنا کیا اس کے باطل ہونے کی دلیل بن سکتی ہے۔''

اگر یہ دلیل بن سکتی ہے تو پھر ایک موجود سے بھی اس کے سوا کسی دوسری شے کا موجود ہونا کب سمجھ میں آتا یا آسکتا ہے، سوا اس کے عادۃً ایسا بظاہر دیکھتے ہیں، اس لیے مانتے ہیں، مثلاً بے عقل و ارادہ نطفہ سے ارسطو جیسے عاقل و منطقی انسان کا وجود میں آجانا بھلا عقل محض سے کب سمجھ میں آسکتا ہے، بلکہ دراصل یہ بھی معدوم ہی سے موجود ہونا ہے، اس لیے کہ نطفہ یا مادہ ارسطو یا انسان تو بہر حال نہ تھا اور ارسطو من حیث ارسطو یا انسان من حیث انسان تو عدم ہی سے وجود میں آیا، اس لیے یہ بھی دراصل معدوم ہی سے موجود ہونے کو ماننا ہے۔

پھر اسی طرح جب ہر موجود شے یا مادہ کا ہر تغیر پہلے معدوم یا مسبوق بالعدم تھا تو سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آتا کہ نفس مادہ کیوں مسبوق بالعدم یعنی پہلے معدوم نہ رہا ہو اس کو فرمایا کہ:

> ''سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آتا کہ ایک ایسی موجود چیز یعنی مادہ جس

www.abulhasanalinadwi.org

کے تمام انحاء (اصناف) وجود یعنی تغیرات مادی میں سے ہر تغیر مسبوق بالعدم (یعنی پہلے معدوم) تھا اس کا نفس وجود مسبوق بالعدم نہ ہو، آخر ان وجودات اور ان وجود (مادہ) میں فرق کیا ہے۔"

"پس سمجھ میں نہ آنا تو قدم اور عدم قدم دونوں میں مشترک ہے"

یہ ذرا دقیق اور فکر طلب بات ہے لیکن ہے بڑی تہہ کی بات، جس کو راقم احقر بزعم خود اپنی فکر خاص کا نتیجہ سمجھا کرتا تھا اور فلسفۂ اسلام پر لیکچروں کے سلسلہ میں اس سے کام لیتا تھا، الحمد للہ کہ حضرت نے مہر تصدیق ثبت فرمادی۔

ذات وصفات خدا کا سب سے بڑا حاجب

اصل یہ ہے کہ عقل اور اہل عقل کے لیے جو چیز سب سے زیادہ خدا کی ذات وصفات سے حجاب ومحرومی کا باعث بن گئی ہے، وہ مادہ ہی کا فلسفیانہ یا سائنسی تصور ہے، سو جدید فلسفہ میں تو برکلے نے اس تصور پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ پھر سچ یہ ہے کہ مادیت سر ہی نہ اٹھا سکی، اور گزشتہ نصف صدی کے اندر اندر سائنس میں مادہ اتنا غیر مادی ہو چکا ہے کہ راقم ہذا تو کہا کرتا ہے کہ انسان اور اس کے خدا کے مابین عقل نے جو سب سے بڑا پردہ حائل کر دیا تھا وہ عقل ہی نے تار تار کر کے پھینک دیا (جس کی پوری بحث انشاء اللہ پیش نظر کلام جدید میں آئے گی) اور اب اپنی "خودی کے" سوا کوئی چیز خدا کی خدائی کی حاجب نہیں رہ گئی ہے، البتہ یہ نفسی حجاب، مادی سے بھی اشد ہے۔

تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

www.abulhasanalinadwi.org

رسالت

ورنہ اصل تو یہ ہے کہ مادہ کا حجاب اٹھ جانے کے بعد ذات باری کا نفس وجود بالکل بے حجاب ہو کر سامنے آجاتا ہے، جس کے بعد صفات باری و احکام خداوندی کے تفصیلی علم کے لیے رسالت کی ضرورت از خود ناگزیر ہو جاتی ہے، کہ جب خالق کائنات بے علم و بے ارادہ مادہ نہیں بلکہ کوئی نہ کوئی صاحب علم و ارادہ ذات ہے، تو پھر اس ذات کے تفصیلی صفات اور اس کے ارادہ کی پیدا کی ہوئی کائنات کی صحیح مراد و مقاصد کو جاننے کی اس کے سوا صورت ہی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ خود کسی ذریعہ سے اس کا علم عطا کرے۔

کمالِ قدرت کا مسئلہ

علم و ارادہ کے بعد صفات میں سب سے مقدم کمالِ قدرت کا مسئلہ ہے، اور جس طرح بے علم و ارادہ مادہ کا وجود لازماً ذی علم و ارادہ ذات باری کے وجود کا حجاب ہے، اسی طرح مادہ کے افعال و خواص جن کا نام قوانین فطرت یا اسباب طبعیہ ہے، یہ خدا کی صفت قدرت کے لیے حاجب ہیں، بلکہ دراصل خدا کی خدائی کے مانع ہیں، ''انتباہ دوم'' میں اسی اعتبار سے حق تعالیٰ کی تعمیم قدرت پر بحث ہے کہ:

> ''اس زمانہ کے نوتعلیم یافتوں کی زبان و قلم پر یہ جملہ جاری دیکھا جاتا ہے کہ خلاف فطرت کوئی امر واقع نہیں ہو سکتا، اور اس کی دو تقریریں کی جاتی ہیں، ایک عقلی رنگ میں اور ایک نقلی پیرایہ میں، عقلی رنگ یہ ہے کہ مثلاً ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آگ ہمیشہ جلاتی ہے، کبھی اس کے خلاف نہیں دیکھا، ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے، کبھی اس کے خلاف نہیں دیکھا، پس اس قاعدہ کے خلاف جو ہوگا، محال ہوگا، اور اس بناء پر معجزات کا کہ

www.abulhasanalinadwi.org

خوارق عادات ہیں انکار کر دیا۔"

ظاہر ہے کہ یہ استحالہ (محال ہونا) ایک دعویٰ ہے جس کے لیے دلیل کی حاجت ہے، اور محض یہ امر دلیل ہونے کے لائق نہیں کہ ہم نے کبھی ایسا دیکھا نہیں، اس لیے کہ اس کا حاصل استقراء ہے اور استقراء میں چند جزئیات کا مشاہدہ ہوتا ہے، جن سے دوسری جزئیات پر استدلال کرنا قطعی نہیں ہوسکتا البتہ مرتبۂ ظن میں دوسری جزئیات کے لیے بھی اس حکم کو ثابت کہہ سکتے ہیں، لیکن یہ ظن وہاں حجت ہوگا، جہاں اس سے قوی تر دلیل اس کی معارض نہ ہو، اور وہاں بھی دوام کا حکم درجۂ ظن ہی میں ہوگا، جانب مخالف کا عدم امکان ثابت نہ ہونا اور جہاں قوی تر دلیل معارض ہو وہاں اس ظن کا اتنا بھی اثر نہ ہوگا۔"

قوانین فطرت یا اسباب طبعیہ کی نسبت یہ خلاصۃً وہی بحث ہے جو قانون تعلیل (علت و معلول) کے سلسلہ میں بسط و تفصیل کے ساتھ جدید فلسفہ میں ہیوم نے کی ہے، اور پھر اس کے اتباع میں منطق استقرار کے مشہور معلم جدید اسٹوزٹ مل وغیرہ اکابر عہد نے اور جو فلسفہ ہی میں نہیں سائنس میں بھی مسلّم ہے، اور قوانین فطرت کی اسی استقرائی حقیقت کی بناء پر خود ہیوم ہی کو اقرار کرنا پڑا ہے، کہ کسی معجزہ کا انکار محض اس کے خلاف فطرت ہونے کی بناء پر نہیں کیا جاسکتا، یہی نہیں بلکہ اگر کوئی "قوی تر نقلی دلیل"، یعنی وقوع معجزہ کی نفس شہادت قابل اطمینان اور قوی تر موجود ہو تو اس خرق عادت کو قبول ہی کرنا پڑے گا۔" (۱)

(۱) اس کی پوری تفصیل کے لیے سیرۃ النبی حصہ سوم (مطبوعہ دارالمصنفین) کا باب "معجزات و فلسفہ جدیدہ" ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور حضرت علیہ الرحمہ نے اس ساری بحث کا فیصلہ اہل فہم وفکر کے لیے ایک ہی سطر میں فرما دیا ہے کہ:

"قادر مطلق نے جس طرح خود اسباب طبعیہ کو بلا اسباب طبعیہ کے پیدا کیا، ورنہ تسلسل لازم آئے گا، اسی طرح ان کے مسبّبات کو بھی اگر چاہیں بلا واسطہ اسباب طبعیہ پیدا کر سکتے ہیں، غایت ما فی الباب اس کو مستبعد کہیں گے، مگر استحالہ و استبعاد ایک نہیں۔" (اصول موضوعہ نمبر ۲)

یہ تو "عقلی رنگ کی تقریر" کا قصہ تھا۔

"دوسرا پیرایہ اس دعویٰ کی دلیل کا نقلی ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولن تجد لسنة الله تبديلا" (کہ اللہ کی سنت یا طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے)......اس استدلال کا صحیح ہونا موقوف ہے دو امر پر، ایک یہ کہ سنت سے مراد ہر سنت ہے، دوسرے یہ کہ تبدیل کا فاعل عام ہے، یعنی خدا اور غیر خدا دونوں کو شامل ہے، حالانکہ ان دونوں دعوؤں پر کوئی دلیل نہیں۔

ممکن بلکہ واقع بھی ہے کہ بہ قرینۂ سیاق وسباق سنت سے مراد وہ خاص خاص امور ہوں جو ان آیات میں مذکور ہیں اور جن کا حاصل باطل پر حق کا غلبہ ہے، خواہ دلیل و برہان سے خواہ سیف و سنان سے۔

اور اگر مرادِ سنت میں عموم لیا جائے (جس میں اسباب طبعیہ بھی داخل ہوں) تو تبدیل کا فاعل غیر اللہ ہے (اور مطلب یہ ہے) کہ خدا تعالیٰ کے معمول (طرز عمل) کو کوئی دوسرا (غیر اللہ) نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

بدل سکتا، جیسے دنیا میں بعض احکام شاہی میں کسی جماعت کی شورش وغیرہ بعض اوقات سنگ راہ ہو جاتی ہے (اس طرح خدا کے طرز عمل کو اس کے سوا کوئی دوسری طاقت بدل یا بدلوا نہیں سکتی)۔"

انتباہ سوم متعلق نبوت

انکار نبوت بھی دراصل وہی مادہ پرستانہ دانستہ یا نادانستہ انکار خدا پر مبنی ہے کہ جب کائنات اور انسان کی خالق کوئی صاحب علم وارادہ ذات ہے، جس کی اس خلق سے کوئی خاص مراد و مطلب ہو، تو پھر وحی یا فرشتہ وغیرہ کے ذریعہ سے اس مطلب و مراد پر انسان کو مطلع کرنے کے کیا معنی، لیکن چونکہ انبیاء کو ان کی زندگی اور حالات کی بناء پر جھوٹا بھی کہنا آسان نہیں، اس لیے اس طرح کی باتیں بتائی جاتی ہیں کہ:

"بعض میں فطرۃً اپنی قوم کی بہبود و ہمدردی کا جوش ہوتا ہے اور جوش کے سبب اس پر اسی کے تخیلات غالب رہتے ہیں، اس غلبۂ تخیلات سے بعضے مضامین کو اس کا متخیلہ مہیا کر لیتا ہے، اور بعض اوقات اس غلبہ سے کوئی آواز بھی سنائی دیتی ہے، اور بعض اوقات کوئی صورت بھی نظر آجاتی ہے، اور وہ صورت بات کرتی ہوئی بھی معلوم ہوتی ہے، ورنہ واقع وخارج میں اس آواز یا صورت یا اس کلام کا کوئی وجود نہیں ہوتا، سب خیالی موجودات ہیں۔

لیکن نبوت کی یہ حقیقت صریح وصحیح نصوص کے بالکل خلاف ہے، نصوص میں تصریح ہے کہ وحی ایک غیبی فیض ہے، جو فرشتہ کے واسطہ سے ہوتا ہے اور وہ فرشتہ کبھی القاء کرتا ہے، جس کو حدیث میں "نفث فی روعی" فرمایا، اور کبھی اس کی آواز سنائی دیتی

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، کبھی وہ خود سامنے آکر بات کرتا ہے، جس کو فرمایا کہ
"یأتینی الملک أحیانا فیتمثّل لی."
اس کا علوم جدیدہ میں اس لیے انکار کیا گیا ہے کہ خود فرشتہ کا وجود بلا دلیل باطل سمجھا گیا ہے، سو اس کی تحقیق کسی آئندہ انتباہ میں وجود ملائکہ کی بحث میں انشاء اللہ تعالیٰ آوے گی، جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ملائکہ کا وجود عقلاً محال نہیں، اور جب ممکن عقلی کے وجود پر نقلی صحیح دلیل ہو تو عقلی طور پر اس کا قائل ہونا واجب ہے۔"(۱)

چنانچہ آگے انتباہ ہشتم میں ملائکہ وغیرہ کے وجود پر مستقلاً بحث فرمائی گئی ہے، اور معلومات جدیدہ ہی سے ان کے استبعاد کو رفع فرمایا گیا ہے، لیکن احقر کے نزدیک جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ نبوت و ملائکہ وغیرہ سب کا انکار دراصل عقائد مادہ اور اس پر مبنی شعوری یا غیر شعوری طور پر انکار خدا کا لازمی نتیجہ ہے، اس لیے اصل ضرب مادہ ہی پر خود جدید علوم فلسفہ و سائنس کے فراہم کردہ تیر سے لگانی ہے، جو انشاء اللہ کلام جدید یا فلسفۂ اسلام میں ہوگی، جدید تعلیم اور خیالات ہی کے اثر سے نبوت کے متعلق اور بھی بہت سی غلطیاں اور غلط فہمیاں خود مسلمانوں میں پھیل گئی ہیں، جو اگر براہ راست انکار نبوت کا نہیں تو حقیقت نبوت کے انکار یا نہ سمجھنے کا نتیجہ ضرور ہیں، اس "انتباہ متعلق نبوت" ہی میں ان چیزوں پر متنبہ فرمایا گیا ہے کہ مثلاً:

"احکام نبوت کو صرف امور معاد (آخرت) کے متعلق سمجھا جاتا ہے، اور امور معاش میں اپنے کو آزاد و مطلق العنان قرار دیا ہے، جس کی نصوص صاف تکذیب کر رہی ہیں، کما قال اللہ تعالیٰ: وما کان لمؤمن ولا مؤمنة......الخ. کہ مسلمان

---

(۱) اصول موضوعہ نمبر ۲

www.abulhasanalinadwi.org

مرد و عورت کسی کو حق نہیں کہ جب اللہ و رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو پھر ان کو اس کام میں کوئی اختیار باقی ہے۔

جس کا شانِ نزول امر دنیوی ہی ہے، اور جس حدیث تابیر سے شبہ پڑ گیا ہے (جس میں ہے کہ "أنتم أعلم بأمور دنیاكم" یعنی اپنی دنیا کی باتوں کو تم زیادہ جانتے ہو) اس میں یہ قید ہے کہ جو بطور رائے یا مشورہ کے فرمایا جائے، نہ کہ بطور حکم کے فرمایا جائے۔"

سیاسیات میں تو یہ فتنہ آج کل اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ غیروں کی نقالی میں بہت سے نو تعلیم یافتہ ہی نہیں بعض اچھے اچھے علماء تک لا دینی (Seculer) حکومت کا راگ الاپنے لگے ہیں، حد یہ ہے کہ جمعیۃ علمائے ہند جو سارے علمائے ہند کی نمائندگی کی دعویدار ہے اور جو پیدا ہی سیاست و حکومت کے میدان میں ہوئی تھی، وہ اب اعلان پر اعلان اس سے اپنی تبری و توبہ کا کر رہی ہے!

ایک اور فتنہ

نو تعلیم یافتہ جماعت میں خصوصیت سے عام یہ ہے کہ:

"وہ احکام شریعت کی علت و غایت اپنی رائے سے تراش کر کے ان کے وجود و عدم پر احکام کے وجود و عدم کو منحصر سمجھتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منصوص احکام میں تصرف کرنے لگتے ہیں، چنانچہ بعض کی نسبت مسموع ہوا کہ انھوں نے وضو کی علت نمائی نظافت کو سمجھ کر جب اپنے کو نظیف دیکھا تو وضو کی حاجت نہ سمجھی، اور بے وضو نماز شروع کر دی۔"

یہ نماز بلا وضو کا اجتہاد تھا، راقم کے ایک بڑے تعلیم یافتہ کرم فرما وضو بلا نماز

www.abulhasanalinadwi.org

کے قائل تھے، اور فرماتے کہ نماز تو سمجھ میں نہیں آتی، لیکن وضوصحت وصفائی کے لیے بہت اچھی تعلیم ہے!

سو قطع نظر اس کے کہ بعض احکام محض تعبدی یا ابتلائی ہو سکتے ہیں، اس کی کیا ذمہ داری و دلیل ہے کہ جو علت وغایت تم نے کسی حکم کی تجویز کی ہے، وہی شارع کا مقصود ہو، بلکہ بہت ممکن ہے کہ ایسی غایات مقصود ہوں، جو مقرر فرمودہ احکام کی:

''خاص صورت نوعیہ ہی پر مرتب ہوتی ہوں، جس طرح بعض ادویہ (بلکہ عندالتامل تمام ادویہ) بالخاصہ مؤثر ہوتی ہیں۔''

پھر اپنے اپنے ذہن و دماغ سے احکام کی علت وغایت تلاش کرنے میں مختلف لوگ اپنے اپنے فہم و مذاق کے مطابق ایک ہی حکم کی مختلف غایات تراش کر سکتے ہیں۔

''کسی کی سمجھ میں کچھ آوے، کسی کے خیال میں کچھ آوے، تو ایک رائے کی دوسری پر ترجیح کی کیا دلیل ہے، تو اس طرح تعارض وتساقط کے قاعدے سے نفس احکام ہی منعدم ومنہدم ہو جائیں گے۔''

اسی غلطی کا نتیجہ ایک دوسری خطرناک غلطی ہے کہ لوگ مخالفین مذہب کے مقابلہ میں فروعی وجزئی احکام تک کو ثابت کرنے کے لیے ان کے طرح طرح کے علل واسرار یا اپنے نزدیک ان کا فلسفہ بیان کرنے کو بڑی کلامی ودینی خدمت خیال کرتے ہیں۔

''جس میں بڑی خرابی ہے، کیونکہ یہ علل محض تخمینی ہوتے ہیں، اگر ان میں کوئی خدشہ نکل آوے، تو اصل حکم ہی مختل ٹھہرتا ہے، تو اس طرح مخالفین کو ہمیشہ کے لیے ابطال کا موقع دے دینا ہے۔''

www.abulhasanalinadwi.org

اور موٹی بات تو یہ ہے کہ یہ قوانین ہیں اور قوانین میں ہر کس و ناکس کی مزعومہ (یا خود تراشیدہ) اسرار و علل کی بناء پر تغیر یا تبدل یا ترک کا اختیار نہیں ہوتا، البتہ خود بانیٔ قانون کو یہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

باقی مجتہدین نے جو بعض احکام میں علل نکالے ہیں، اس سے دھوکا نہ کھایا جائے، اول تو وہاں مسکوت عنہا امور میں تعدیۂ حکم کی ضرورت تھی، دوسرے ان کو اس کا سلیقہ تھا، اور یہاں دونوں باتیں مفقود ہیں، اور کم علمی کے علاوہ بڑا حاجب یافت حق میں اتباع ہوا ہے۔" (جس کا زور آج کل جیسا کچھ ہے معلوم ہے)

چونکہ اسرار و علل کو مدار احکام (جس میں ارکان اسلام و عبادات تک شامل ہیں) سمجھنے سمجھانے کا مرضِ عقلیت (ریشنالزم) بہت عام و متعدی ہے، اس کے لیے انتباہ دواز دہم میں ارکان و عبادات کی نسبت خصوصیت سے پھر اس کے مفاسد پر تنبیہ فرمائی گئی ہے، ان خود تراشیدہ مصالح و اسرار کی نوعیت تو یہ ہے کہ مثلاً:

"زکوٰۃ میں ایسے لوگوں کی دست گیری مقصود ہے جو ترقی کے ذرائع پر قادر نہیں، حج میں تمدنی اجتماع اور ترقی تجارت کی مصلحت ہے، دعا میں صرف نفس کی تسلی اور اعلائے کلمۃ اللہ میں امن و آزادی کو مصلحت قرار دے کر، جب ان مصالح کی ضرورت نہ رہی یا وہ مصالح دوسرے اسباب سے حاصل ہو سکیں، تو ان احکام کو لایعنی قرار دیا۔

ان حکمت تراشیوں کے متعلق ایک سوال یہ ہے کہ آخر ہر ہر شرعی حکم اور

مسئلہ کی:

www.abulhasanalinadwi.org

"کہاں تک حکمتیں نکالی جائیں گی، کیا کوئی شخص نماز میں رکعتوں کے خاص خاص اعداد کی حکمت بتلا سکتا ہے، اور اگر عقل ان امور کے لیے کافی ہوتی تو انبیاء کے آنے ہی کی ضرورت نہ تھی، جب کہ دنیا میں بہت سے عقلاء ہر زمانہ میں پائے گئے ہیں۔"

اس سے بھی بڑا فتنہ

ان مصالح پسندی و اسرار تراشی میں یہ ہے کہ:

"اگر غور کیا جائے تو در حقیقت ان سارے اختراعی مصالح کا مرجع دنیاوی فوائد ہیں جو در پردہ مقصودیت آخرت سے انکار ہے! ورنہ اگر آخرت ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دوسرا عالم ہے، جس کے خواص ممکن ہے (بلکہ ہونا چاہیے) کہ یہاں کے خواص سے کچھ نسبت نہ رکھتے ہوں، جیسا کہ ایک اقلیم کو دوسری اقلیم سے اور مریخ کو زمین سے۔"

اور پھر کیا یہ ممکن بلکہ اغلب نہیں کہ اُس عالم کے:

"خواص ہم کو معلوم نہ ہوں اور ان کا حاصل ہونا خاص خاص اعمال پر موقوف ہو، جن کی مناسبت و ارتباط کی وجہ ہم کو نہ معلوم ہو سکتی ہو۔"

لیکن ان باتوں سے:

"کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ہم شرائع و احکام کو حکم و اسرار سے خالی سمجھتے ہیں، یا یہ کہ ان کے اسرار پر حکمائے امت کو بالکل اطلاع نہیں ہوتی، ضرور ان میں اسرار بھی ہیں اور اطلاع بھی کسی قدر ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی امتثال

www.abulhasanalinadwi.org

واطاعت کا مدار اس اطلاع پر نہیں، اگر اطلاع نہ بھی ہو تو بھی امتثال واجب ہے۔

''دیکھئے گھر کے نوکر کو بعض انتظامات خانگی کی لم یا علت معلوم نہیں ہو سکتی حالانکہ خود آقا یا منتظم بھی مثل نوکر کے مخلوق ہی ہے، جب مخلوق کو مخلوق کے بعض اسرار معلوم نہیں، حالانکہ دونوں کے علم میں نسبت محدود ہے، تو خالق کے اسرار پر اگر مخلوق کو بالکل ہی اطلاع نہ ہو یا صحیح اطلاع نہ ہو کہ دونوں کے علم میں غیر محدود و غیر متناہی تفاوت ہے تو کیا عجب، بلکہ بقول ایک فلسفی کے اگر تمام احکام کی عقلی وجہیں پوری طرح معلوم ہو جائیں تو شبہ یہ پڑے گا کہ شاید کسی فرد یا جماعت عقلاء کا مذہب تراشا ہوا ہے کہ دوسرے عقلاء بھی اس کی لم تک پہنچ گئے، ورنہ خدائی مذہب کی شان تو یہ ہونا چاہیے کہ اس کے اسرار تک کسی کی بھی پوری پوری رسائی نہ ہو۔

اور نہ یہ گمان کیا جائے کہ جن احکام کی عقلی وجہ سمجھ میں نہیں آئی وہ عقل کے خلاف ہیں، ہرگز نہیں، عقل کے خلاف ہونا اور بات ہے اور عقل میں آنا اور بات ہے۔''(۱)

ایک اور سب سے قبیح وشدید زہریلی غلطی نبوت کے بارے میں ہمارے ''روشن خیال'' و''رواداز'' مسلمانوں بلکہ نام نہاد عالموں میں یہ پیدا ہو گئی ہے کہ:

''بعضے منکر نبوت کی نجات کے قائل ہیں، کہتے ہیں کہ خود انبیاء علیہم السلام بھی توحید ہی کے لیے آئے ہیں، لہٰذا جس کو اصل

---

(۱) اصول موضوعہ نمبر ا

www.abulhasanalinadwi.org

مقصود حاصل ہو، غیر مقصود کا انکار مضر نہیں۔

اس کا مختصر و نقلی ردّ تو وہ نصوص ہیں، جو نبوت کی تکذیب کرنے والوں کے خلود نار پر دال ہیں، اور عقلی رد یہ ہے کہ رسول کی تکذیب کرنے والا در حقیقت خود خدا کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ وہ محمد رسول اللہ وغیرہ کی تکذیب کرتا ہے۔ (جو خود قرآن میں منصوص ہے)

اور عرفی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جارج پنجم کو تو مانے، مگر گورنر جنرل سے مخالفت و مقابلہ کرے، کیا وہ بادشاہ کے نزدیک کسی قرب یا مرتبہ یا معافی کے لائق ہوسکتا ہے۔''

اور ایک بد مذاقی یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر سائنس اور طبعیات کے مسائل نکالے جاتے ہیں اور اس کو بڑا کمال گمان کیا جاتا ہے، حالانکہ (جیسا کہ انتباہ دہم میں ارشاد ہے کہ):

''شریعت مطہرہ کو کائنات طبعیہ سے بحث کرنا مقصود ہی نہیں، البتہ تکمیل مقصود کے لیے ضمناً و تبعاً کچھ مباحث مختصر طور پر وارد ہیں، جن کی پوری حقیقت کی تفتیش اس لیے ضروری نہیں کہ ان کا شریعت کے اصل مقصود سے تعلق نہیں۔''

لیکن چونکہ خدا کے کلام میں وارد ہیں، جس کے علم کی صحت و صدق میں کلام نہیں ہوسکتا۔

''اس لیے جس قدر اور جس طور پر وارد و منصوص ہیں چونکہ وہ کلام صادق میں واقع ہیں، لہٰذا اس کے خلاف یا ضد کا اعتقاد یا دعویٰ کرنا کلام صادق کی تکذیب ہے، اس لیے ایسے اعتقاد یا

www.abulhasanalinadwi.org

دعاوی کی تکذیب کو ہم واجب سمجھیں گے، مثلاً:

''بشر اول کا مٹی سے پیدا ہونا جو نصوص میں مصرح ہے، اس کی بناء پر مذہب ارتقاء کا یہ کہنا کہ حیوان ترقی کر کے آدمی بن گیا، جیسا کہ ڈارون کا وہم ہے، یقیناً باطل ہوگا، اس لیے کہ نص میں تو اس کے خلاف وارد ہے، اور کوئی دلیل عقلی معارض ہے نہیں، نہ ڈارون کے پاس جیسا کہ اس کی تقریر سے ظاہر ہے، محض اپنی تخمینی (وہی ظنی استقراء) سے حکم کر دیا، نہ مقلدین ڈارون کے پاس (جو زیادہ تر) محض ڈارون کی تقلید سے ایسا کہتے ہیں۔''

اصل یہ ہے کہ ارتقاء کا دعویٰ دراصل دانستہ یا نادانستہ انکار خدا کے دعوے یا رجحان کا نتیجہ ہے، کیونکہ ان منکرین کے لیے:

''ہر شے کے تکون کی طبعی علت اور کیفیت نکالنا ضروری ہے، بس انسان کی پیدائش میں بھی یہ احتمال نکالا، ورنہ جو شخص وجود خالق کا قائل ہے، جیسے اہل ملت خصوصاً اہل اسلام ان کو خود مذہب ارتقاء کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں، مذہب خلق کے قائل ہو سکتے ہیں۔''

ایک اور مثال رعد و برق و بارش کے تکون کی ہے کہ:

''روایات میں ان کے تکون کی جو کیفیت وارد ہے، اس کی تکذیب محض اس بناء پر کہ بعض آلات و تجربات کے ذریعہ ان چیزوں کا تکون دوسرے طور پر مشاہدہ کر لیا گیا ہے، اس لیے جائز نہیں کہ دونوں میں اگر تعارض ہوتا تو بیشک ایک کی تصدیق کہ مشاہدہ اس پر مضطر کرتا ہے، دوسرے کی تکذیب مستلزم ہوتی۔''

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن تعارض کی کوئی دلیل نہیں، ممکن ہے کہ کبھی ایک طرح کے اسباب سے ان کا تکون ہوتا ہو، کبھی دوسری طرح کے اسباب سے، اور نہ روایات میں ایجاب کلی کا دعویٰ ہے اور مشاہدہ سے تو موجبہ کلیہ حاصل ہو ہی نہیں سکتا ...... پس جب تعارض نہیں تو دونوں کی تصدیق ممکن ہے، پھر روایات کی تکذیب کی کیا ضرورت۔"

اسی طرح مثلاً امراض کے متعدی نہ ہونے کی روایات کا تجربہ کی بناء پر انکار کیا جاتا ہے۔

"سو تأمل سے اس میں بھی تعارض نہیں، کیونکہ تعدیہ کی نفی کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ ضروری نہیں، کہ کبھی اس کے خلاف ہو ہی نہیں، اور وہ بلا اذن خالق خود مؤثر ہو، نہ مشاہدہ سے اس طرح کا ضروری تعدیہ ثابت ہوا، بلکہ مشاہدہ تو اس کے خلاف ہے کیونکہ کبھی (بلکہ بارہا) تعدیہ نہیں بھی مؤثر ہوتا، اور نصوص سے ہر امر کا موقوف ہونا ارادۂ الٰہیہ پر ثابت ہے۔"

مسئلہ تقدیر

اس مسئلہ کا دار و مدار چونکہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیگر صفات کی طرح اس کا علم و تصرف بھی کامل ہے، اس لیے:

"جو خدا اور اس کی صفات کے کمال کا قائل ہو اس کو تقدیر کا بھی قائل ہونا پڑے گا، مگر اس وقت اس مسئلہ میں بھی چند غلطیاں کی جاتی ہیں، بعض تو سرے سے اس کا انکار ہی کرتے ہیں کہ وہ اس

www.abulhasanalinadwi.org

کے اعتقاد سے تدبیر کا ابطال ہوتا ہے، جو بنیاد ہے ساری کم ہمتی وپستی کی ...... اور اکثر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ جو اس مسئلہ کے قائل ہیں وہ بے دست وپا ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی کاہلی کا اثر ہے، نہ کہ اس مسئلہ کا، اگر مسئلہ کا یہ اثر ہوتا تو صحابہ سب سے زیادہ کم ہمت ہوتے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس مسئلہ کا اثر تو یہ ہے کہ اگر تدبیر ضعیف ہو، جب بھی کام شروع کر دے، جیسا کہ صحابہ کی جب نظر حق تعالیٰ پر تھی تو باوجود بے سروسامانی محض توکل پر کیسے جان توڑ کر خطرات میں گھسے اور یہی مضمون ہے اس آیت کا "کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة بإذن الله" اور حدیث میں مصرحاً ہے کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلاس میں مقدمہ ہار گیا اور کہا کہ "حسبی الله ونعم الوکیل" تو آپ نے فرمایا کہ "إن الله يلوم على العجز فإذا غلبك أمر فقل حسبي الله ونعم الوكيل."

البتہ یہ اثر لازم ہے کہ وہ تدبیر کو مؤثر حقیقی نہ سمجھے گا تو یہ خود عقلی و نقلی صحیح دلیل کا مقتضا ہے، اس پر ملامت کیا ہو سکتی ہے بلکہ اس کے خلاف کا اعتقاد ہو تو وہ قابل ملامت ہے، ایسا شخص تدبیر کا اتنا درجہ سمجھے گا جیسا کہ جھنڈی کا درجہ ہوتا ہے ریل کے رک جانے میں، جو نہ معطل ہے نہ مؤثر حقیقی، پس چوکیدار جب کسی خطرہ کے وقت ریل کو روکنا چاہے گا تو تدبیر تو یہی کرے گا مگر نظر ڈرائیور یا گارڈ پر ہوگی، اور بزبان حال مترنم ہوگا کہ:

www.abulhasanalinadwi.org

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند

غرض واقع میں ابطالِ تدبیر نہ اس مسئلہ کا نتیجہ ہے، نہ نصوص سے ایسا ثابت ہے بلکہ نصوص میں تو:

"سعی و اجتہاد کسب معیشت اور تردد للسفر و تدابیر رفع مفاسد و مکائد وغیرہ پر بے شمار نصوص صراحتاً وارد ہیں، بعض احادیث میں اس اشکال کا کہ دوا و دعاء وغیرہ کیا دافع قدر ہے؟ کیا مختصر و کافی جواب ارشاد ہے کہ "ذلک من القدر کله" (یہ سب بھی قدر ہی سے ہے)۔

اور بعض نے نصوص صریحہ کو دیکھ کر اس مسئلہ سے انکار کی گنجائش نہ دیکھی یہ سمجھ کر اس میں انسان کا مجبور و غیر مختار ہونا لازم آتا ہے، اس کی تفسیر بدل ڈالی۔

اور یہ تفسیر قرار دی کی تقدیر علم الٰہی کا نام ہے، اور علم چونکہ معلوم میں متصرف نہیں ہوتا، اس لیے وہ اشکال لازم نہیں آتا، اور مثال اس کی نجومی کے علم اور اس کی پیشین گوئی سے دی کہ اگر وہ کہہ دے، فلاں تاریخ فلاں شخص کنویں میں گر کر مر جائے گا اور ایسا ہی واقع ہو گیا تو نہ کہیں گے کہ اس نجومی نے قتل کر دیا۔

لیکن نصوص میں نظر کرنے والا معلوم کر سکتا ہے اور عقلی مسئلہ بھی ہے کہ جس طرح کوئی واقعہ علم الٰہی سے باہر نہیں، اسی طرح ارادۂ الٰہی سے بھی باہر نہیں، اور تقدیر کی یہی حقیقت ہے، باقی اگر کوئی شخص اپنی اصطلاح میں اس کا نام تقدیر نہ رکھے تاہم خود ارادۂ

www.abulhasanalinadwi.org

الٰہی کے اس تعلق سے تو انکار نہیں کر سکتا، پس تقدیر کی تفسیر بدلنے
سے اشکال سے کیسے نجات ہوئی۔"

جبر واختیار

اصل میں بڑا جھگڑا انسان کے مختار ہونے کا ہے کہ آیا اس کو اختیار حاصل ہے یا نہیں، کیونکہ اگر کوئی امر ارادۂ الٰہی کے بغیر نہیں ہوسکتا تو انسان کا کوئی فعل بھی ارادۂ الٰہی کے بغیر نہ ہو سکے گا اور وہ بجائے مختار کے مجبور ٹھہرے گا، یہی سوال ذرا ٹیڑھا اور تحقیق طلب ہے، جس کی:

"تحقیق یہ ہے کہ خود یہ مقدمہ ہی غلط ہے کہ ارادۂ الٰہی کے خلاف محال ہونے سے اختیار کی نفی لازم آتی ہے، اس کے دو جواب ہیں، ایک الزامی، ایک تحقیقی، الزامی تو یہ ہے کہ اگر اس سے اختیار کی نفی لازم آتی ہے تو ارادۂ الٰہیہ خود افعال الٰہیہ سے بھی متعلق ہوتا ہے، تو لازم آئے گا کہ خود خدا کا اختیار بھی ان افعال پر باقی نہ رہے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہوسکتا۔

اور تحقیقی جواب کہ وہی حقیقت میں اس (مسئلہ) کا راز ہے، یہ ہے کہ ارادہ کا تعلق بندوں کے افعال کے ساتھ محض وقوع ہی کا نہیں بلکہ اس ایک قید کے ساتھ ہے کہ "وقوع بہ اختیار عبد"۔

یعنی بندہ کے افعال کے متعلق خدا کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ یہ افعال خود بندہ کے اختیار سے واقع ہوں، اور خدا کا ارادہ جس امر سے متعلق ہو جب اس کا ہونا لازم ہے:

"تو اس سے اختیار عباد کا وجود اور مؤکد (قطعی) ہو گیا، نہ کہ منفی (یا مسلوب) اور یہ بہت ہی ظاہر بات ہے۔"

www.abulhasanalinadwi.org

خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی یہ ہوتا ہے کہ بندہ کا فعل خود بندہ کے اختیار سے واقع ہو، تو اب نہ کوئی فعل بندہ کا بلا خدا کے ارادہ کے صادر ہونا لازم آئے گا اور نہ بلا بندہ کے اختیار کے، یہی ذرا دقیق نکتہ فکر و غور کے ساتھ سمجھنے کا ہے، جس کی فہم میں راقم ہذا کا تجربہ ہے کہ اکثر اصحاب علم و فکر کو بھی دشواری ہوتی ہے۔(۱)

البتہ یہ خیال رکھنے کی بات ہے کہ خدا نے بندہ کو مستقل اختیار نہیں عطا فرمایا دیا ہے کہ بالکل آزاد ہو کر جب اور جو چاہے کرتا رہے، بلکہ فعل کے وقت بندہ کے اختیار اور اس اختیار کے مطابق فعل دونوں کو پیدا خدا ہی کرتا ہے، یہی مطلب اس کا ہے کہ خالقِ افعال خدا، اور کاسب بندہ ہے، رہا یہ سوال کہ:

> "جب یہ مسئلہ اس طرح عقل و نقل سے ثابت ہے تو (حدیث میں) اس کی کاوش سے ممانعت کیوں ہے، وجہ یہ ہے کہ بعضے شبہے عقلی نہیں ہوتے، طبعی ہوتے ہیں، جن کی شفا کے لیے دلیل کافی نہیں ہوتی، بلکہ وجدان کے صحیح ہونے کی ضرورت ہوتی ہے، چونکہ اہل وجدان صحیح کم ہیں، اس لیے کاوش سے ایسے شبہات پڑنے کا اندیشہ ہے جو تمدن اور آخرت دونوں کے لیے مضر ہے، اس لیے شفقت و حکمت نبویہ کا مقتضا یہی ہوا کہ اس سے روک دیا جائے، جیسے شفیق طبیب ضعیف مریض کو قوی غذا سے روکتا ہے۔"

آج کل کا زمانہ بڑا عقلیت (ریشنلزم) کا زمانہ خیال کیا جاتا ہے اور بات بات میں عقلی استدلال کا دعویٰ و مطالبہ ہوتا ہے، اس لیے آخر میں مذکورۂ بالا اصول موضوعہ ہی کے تحت بالکل منطقی اور چند سطری انتباہ خود استدلال عقلی کے متعلق یوں

---

(۱) حتی کہ ایک اچھے صاحب فکر و فلسفی دوست جو اب ماشاء اللہ صاحب دین بھی قابل رشک ہیں، یہ عاجز ان کے ذہن نشین جب یہ نکتہ نہ کر سکا تو بالآخر انھوں نے مسئلہ اقتضاء سے اس میں شفاء پائی جو در اصل جبر ہی کی خفی صورت ہے، بلکہ ایک اعتبار سے بندہ و خدا دونوں کی مجبوری۔(العیاذ باللہ)

www.abulhasanalinadwi.org

فرمایا گیا ہے کہ گو:

''آج کل اس کا استعمال بہت ہے، مگر باوجود کثرت استعمال کے اب تک بھی اس استعمال میں متعدد غلطیاں کی جاتی ہیں، ایک یہ کہ دلیل عقلی کو مطلق دلیل عقلی پر ترجیح دی جاتی ہے، اس کا قاعدہ اصول موضوعہ نمبر/ ۷ میں بیان ہو چکا، ایک یہ ہے کہ تخمین واستقراء کو دلیل عقلی سمجھتے ہیں، ایک یہ کہ فروع شرعیہ کو عقل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایک یہ کہ نظیر کو ثبوت سمجھ کر کبھی خود بھی اس پر اکتفاء کرتے ہیں اور کبھی دوسرے سے باوجود اس کے دلیل قائم کر دینے کے نظیر کا مطالبہ کرتے ہیں، ایک یہ کہ امور ممکنہ پر دلیل عقلی کا مطالبہ کرتے ہیں، ان دونوں امر کا غلط ہونا اصول موضوعہ نمبر/ ۵ و ۶ میں ثابت ہو چکا، ایک یہ کہ استبعاد سے استحالہ پر استدلال کرتے ہیں، ایک یہ کہ عادت اور عقل کو متحد سمجھتے ہیں۔''

اصل میں حضرت کا یہ رسالہ ''انتباہات'' ایسا متن متین ہے جس کی شرح ایک مستقل ومطول کتاب چاہتی ہے، اس لیے گو عام ناظرین اس سے پورا استفادہ نہ فرماسکیں گے، تاہم اہل فکر وتحقیق کے لیے اس میں ایسے اصول ومبادی بیان فرمادیئے گئے ہیں کہ وہ ان سے اپنے اور دوسروں سب کے جدید سے جدید اصولی وفروعی شبہات کا بہت کچھ ازالہ فرماسکتے ہیں اور جدید سے جدید علم کلام کی عمارت جدید سے جدید معلومات وتحقیقات کی روشنی میں انھیں بنیادوں پر کھڑی کی جاسکتی ہے، باقی خود حضرت مجدد کی صحیح عقلیت وتجدید عقلیت دونوں کا اندازہ تو عام ناظرین بھی اس متن سے کچھ نہ کچھ فرماہی لے سکتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

عملی جامعیت

ذہنی و علمی کمالات کی اتنی جامعیت نادر سہی تاہم بالکلیہ معدوم نہیں، لیکن اس کے ساتھ عملی کمالات کا اجتماع یہ قریب قریب اب مفقود ہے، حالانکہ خالص ایمانیات واعتقادیات سے قطع نظر کر کے (گو وہ بھی دراصل اعمال قلب ہی ہیں) سارا اسلام نام ہے سراپا عملی تعلیمات وہدایات کا، اور اس کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ نہیں جس کے متعلق اصول وفروع جزئیات وکلیات واجبات ومستحبات کی ہدایات سے اسلامی تعلیمات کا دفتر معمور نہ ہو، جس مذہب میں اکل وشرب، نشست و برخاست، دوستی وملاقات وغیرہ تک بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں کے آداب کی تعلیم فرمائی گئی ہو اور ان کے لیے بڑے بڑے اجر رکھے گئے ہوں، اور جس مذہب کا معلم ان ساری چھوٹی بڑی تعلیمات کا سراپا نمونہ اور انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ بنایا گیا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی محبت ومحبوبیت کا مدار تمام تر اس اسوۂ کاملہ کے اتباع پر رکھا گیا ہو، ظاہر ہے کہ وہ عمل کے بغیر ایک ایسا مدقوق جسم ہوگا جو بستر پر پڑا صرف زندگی کے سانسوں کو پورا کر رہا ہو۔

بلاشبہ ایمانیات واعتقادیات کا درجہ روح کا ہے، مگر اس روح کا مرئی مظہر یا جسم اعمال ہی ہیں، جن کی صورت میں غیر مرئی ومخفی ایمان کھلی آنکھوں دن کی روشنی میں اپنے پرائے دوست دشمن سب کو چلتا پھرتا نظر آ سکتا ہے، جس کے بعد ابوجہلی کبر وعناد کے علاوہ کسی کے لیے آنکھیں بند کر لینا دشوار ہوگا، اگر جسمانی علائق واعمال مقصود اعظم نہ ہوتے، تو روح کو جسم میں پھونک کر ارضی خلافت عطا فرمانا، بلکہ ارض و

www.abulhasanalinadwi.org

سماوات کی ساری جسمانی کائنات کی آفرینش ہی سرے سے باطل وعبث ٹھہرتی، خالص گیان دھیان یا فکری استغراق وعلمی معرفت کے لیے تو روح کا تجرد ہی اولیٰ تھا، البتہ نفس معرفت کے لیے رحمت الٰہی کا دامن بہت وسیع ہے، لیکن موت وحیات کا یہ سارا ناسوتی ہنگامہ تو حسنِ عمل ہی کی آزمائش کے لیے برپا فرمایا گیا ہے، خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً.

جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے لیے اس ''احسن عمل'' کا اکمل اسوہ ہوئے ہیں، اسی طرح نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے تھانوی مجدد کی زندگی تجدیدی درجہ میں امت محمدیہ کے لیے اسلام کی عملی تعلیمات کا ہر شعبہ میں کام و جامع نمونہ تھی، ارشاد ہے کہ:

> ''دین کے پانچ شعبے ہیں: عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق باطنہ اور معاشرات۔ ایسے عوام جن کو دین کا کچھ خیال ہے، انھوں نے ان میں سے صرف عقائد وعبادات کو دین سمجھ رکھا ہے، علمائے ظاہر نے معاملات کو بھی کچھ شریک کرلیا، اور مشائخ کو اگر کچھ اپنے فرائض کی طرف توجہ ہوئی، اخلاق باطنہ کی اصلاح کو بھی دین میں شامل کرلیا، لیکن معاشرات کو قریب قریب امت کے سارے طبقات نے الا ماشاء اللہ اعتقاداً وعملاً دین کی فہرست سے خارج کر رکھا ہے، نہ علماء اپنے وعظوں میں اس کا نام لیتے ہیں، نہ مشائخ اپنی مجلسوں میں، حالانکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کا اتنا اہتمام ثابت ہے کہ مثلاً ایک دفعہ کوئی صحابی ہدیہ لے کر خدمت اقدس میں بلا سلام واذن حاضر ہو گئے تو فرمایا کہ واپس جاؤ اور السلام علیکم، کیا میں حاضر

www.abulhasanalinadwi.org

ہوں؟ کہہ کر آ ؤ، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی سے ملنے تین میل قبا تشریف لے گئے، اور تین بار پکار کر سلام فرمایا اور آنے کی اجازت چاہی لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو واپس ہو گئے، تب وہ صحابہ دوڑتے ہوئے حاضر ہوئے، ان کو اس وقت تک قانون استیذان کا علم نہ تھا، اس لیے قصداً جواب سلام عرض نہیں کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جتنی مرتبہ بھی سلام پہنچ جائے موجب برکت ہوگا، غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین میل تشریف لے جانا اور پھر واپس ہو جانا پسند فرمالیا لیکن قانونِ استیذان (اجازت طلبی) کے خلاف عمل نہیں فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ شب برأت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر سے آہستہ سے اٹھے، آہستہ سے نعلین مبارک پہنے، آہستہ سے کواڑ کھولے، آہستہ سے باہر تشریف لے گئے، اور آہستہ سے کواڑ بند فرمائے، یہ سب اس لیے کہ حضرت عائشہؓ جاگ نہ پڑیں اور ان کو تکلیف نہ ہو، حد یہ کہ اگر کچھ لوگ ساتھ کھا رہے ہوں تو اس کی ممانعت فرمائی کہ کسی کو ایک دم سے مثلاً دو چھوہارے نہ لینا چاہیے تاوقتیکہ ساتھیوں سے اجازت نہ لے لے، جس سے معلوم ہوا کہ بے تمیزی اور دوسروں کی ناگواری کا لحاظ اتنا ضروری ہے کہ ایسی بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں تک میں اس کا خیال واہتمام رکھنا چاہیے۔"

حضرت والا ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ حسن معاشرت اور ادب وتہذیب کی اصل حقیقت یہی ہے کہ دوسروں کو کوئی اذیت و کدورت نہ ہونے پائے اور ان کی

www.abulhasanalinadwi.org

راحت کی تا بہ امکان ہر چھوٹی بڑی بات میں رعایت ہو، اس میں اگر کوتاہی ہو تو نفلی عبادات نماز، روزہ تک بیکار ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو عورتوں کا ذکر کیا گیا کہ ایک نماز، روزہ بہت کرتی ہے مگر اپنے ہمسایوں کو ایذاء پہنچاتی ہے، دوسری زیادہ نماز، روزہ تو نہیں کرتی مگر ہمسایوں کو ایذا نہیں پہنچاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی دوزخی ہے، دوسری جنتی۔

حسن معاشرت کی اہمیت واہتمام

غرض حسن معاشرت کی اس اہمیت اور لوگوں میں اس سے غفلت کی بناء پر حضرت والا کو عبادات و معاملات کے فرائض و واجبات کے بعد اعمال میں خود بھی سب سے زیادہ اس کا اہتمام تھا اور دوسروں کو بھی روک ٹوک اور تاکید برابر رہتی، خود تو یہ حال تھا کہ اپنے گھر میں بھی کنڈی کھٹکھٹائے اور اجازت ملے بغیر داخل نہیں ہوتے، بلکہ اگر کوئی بچہ بلانے آئے تو اس کو کافی نہ خیال فرماتے جب تک کوئی بڑا نہ بلائے، گھر کی اگر کوئی چیز کسی ضرورت سے اٹھاتے تو پھر وہیں لے جا کر رکھتے تاکہ رکھنے والے کو ڈھونڈنا نہ پڑے، اگر کہیں سے برتن یا رومال میں کوئی چیز آتی تو فوراً خالی فرما کر واپس فرمادیتے کہ بھیجنے والے کی کوئی ضرورت اٹکی نہ رہے یا حرج نہ ہو۔

سفارش جس کو لوگ ایک معمولی نیکی و ہمدردی ہی کا کام خیال کرتے ہیں، اس میں حضرت کی مصلحانہ ومجددانہ حکمتوں کی تعلیم وعمل کی مثال اوپر سفارش عام کی ایک مثال میں گذر چکی، یہاں ایک اور سفارش خاص کی بھی مثال ملاحظہ ہو:

”ایک صاحب نے سفارش چاہی اور پریشانی کا اظہار کیا اور ایک معین نام بھی بتلایا کہ فلاں سوداگر کو لکھ دو، میں نے ان کو اس طرح لکھا کہ:

”ایک حاجتمند کو ضرورت ہے، اگر آپ کے پاس پہلے سے ایسی

www.abulhasanalinadwi.org

رقم موجود ہو جس کو آپ سوچ رہے ہوں کہ کہاں خرچ کریں اور کسی دوسرے سے وعدہ بھی نہ کیا ہو اور آپ کے علم میں کسی اور کو توقع نہ ہو تو اس حالت میں یہ حاجت مند ہیں اور ان کی اعانت کیجیے، ورنہ اپنی آزادی میں خلل نہ ڈالیے، ان بیچارے نے وہ رقم بھیج دی۔"

اس کے بعد ارشاد ہے کہ:

"مجھ کو کام کرنے سے انکار نہیں مگر جی ضرور چاہتا ہے کہ کسی پر بار نہ ہو اور طریقہ سے کام ہو، اور حقیقت تو یہ ہے کہ محض نام ہو جاتا ہے کسی کا، ورنہ دینے والے تو وہ خود ہی ہیں۔"

باوجود ان قیود اور احتیاطوں کے چونکہ لوگوں میں بے احتیاطی کا مرض عام ہے، جس کے تجربات کی بناء پر ایک صاحب کی سفارش کے سلسلہ میں فرمایا کہ "اب ان قیود سے بھی سفارش نہ کروں گا، فہم میں سلامتی نہیں، لوگ سفارش کی حقیقت سے بے خبر ہیں" باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت بریرہؓ سے مغیثؓ کے نکاح کی سفارش فرمائی تھی، اس کی نسبت فرمایا کہ:

"اسی حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ بریرہؓ نے عرض کیا کہ حضور کا حکم ہے یا سفارش، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفارش، عرض کیا کہ میں قبول نہیں کرتی ہوں، اگر اس قدر آزادی ہو تو سفارش کرنا سنت ہے، ورنہ جبر ہے، مجھ کو ایسی باتوں میں بڑی احتیاط ہے۔"(۱)

قربان جائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر! حضور یا حضور کے کامل متبعین کے سوا ایسی تعلیم و آزادی کہاں!

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۲۴۷ حصہ/۴

www.abulhasanalinadwi.org

معاملات میں غایت تقویٰ

معاشرت کے معمولی مستحبات تک میں جب اہتمام کا یہ حال تھا تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مالی وغیر مالی معاملات اور حقوق عباد کے اہتمام کا عالم کیا ہوگا، ذیل میں صرف چند واقعات ''اشرف السوانح'' سے نقل کیے جاتے ہیں، جن پر عمل کیا، اس زمانہ میں اچھے اچھوں کی نظر بھی نہیں پڑتی۔

''حضرت کے والد نے یکے بعد دیگرے چار نکاح کیے اور کسی کا مہر ادا کرنا معلوم نہ تھا، نہ معافی معلوم، نہ ترکہ میں سے ادا کرنے کا کسی کو خیال آیا، (لیکن حضرت کو کسی مستفتی کے ایک ایسے ہی استفتا پر خیال آیا) اور ادائیگی حقوق کی کوشش میں ہمہ تن مشغول ہو گئے اور دوسرے علماء سے استفتا کیا، کیونکہ اپنے معاملہ میں اپنے فتوے پر عمل کرنا خلاف احتیاط سمجھا۔

گو بناء بر رسم غالب برائے مہر اکثر علماء نے فتویٰ دیا کہ ترکہ سے ادائیگی واجب نہیں پھر بھی چونکہ رسم کا واقع ہونا متیقن نہ تھا، حضرت والا نے احتیاط اسی میں سمجھی کہ جو والد مرحوم کا ترکہ حصہ میں آیا ہے اس کے تناسب سے ان کی چاروں ازواج کے ورثہ کا حصہ رسدی ادا کر دوں گا۔

چنانچہ نہایت اہتمام سے ورثاء کی تحقیق کی، جو دور دراز مقامات بلکہ دیگر ممالک میں پھیلے ہوئے تھے، تقریباً دو سال اسی تحقیق میں گذر گئے، جوابی خطوط بھیج بھیج کر احباب و اعزہ سے تفتیش حالات کر کے جملہ مستحقین کے نام اور پتے دریافت کیے اور بعض مقامات پر ایک اہل علم کو بھی ورثاء کی تحقیق کے لیے بھیجا اور

www.abulhasanalinadwi.org

پھر از روئے فرائض ان کی حصہ کشی کرائی، چونکہ فرائض کا بہت طویل مسئلہ تھا، اور حضرت والا اپنے کسی خادم سے بھی اس قسم کا کوئی کام بلا اجرت نہیں لیتے، لہٰذا حصہ کشی میں غالباً چودہ پندرہ روپئے اور مدت طویل صرف ہوئی۔

پھر تقسیم میں بہت طوالت کرنی پڑی کیونکہ بعض کے حصہ میں ایک ایک آنہ بلکہ ایک ایک پیسہ تک آیا اور بعض ان میں بہت متموّل تھے جن کو ایک آنہ کی رقم دیتے ہوئے بھی سخت حجاب ہوتا تھا، لیکن چونکہ ادا کرنا واجب تھا، ان کو لکھ کر بھیجا کہ آپ ادائے حقوق میں اگر میری اعانت کریں گے میں ممنون ہوں گا، چنانچہ انھوں نے نہایت خوشی سے قبول کیا...... اور بعد ادائیگی حضرت والا نے فرمایا کہ گو نہایت دشوار امر تھا، لیکن حق تعالیٰ نے ایسی دستگیری فرمائی کہ بلا کسی خاص پریشانی کے سبکدوشی نصیب ہوگئی۔" (۱)

ایک سفر میں کسی چھوٹے اسٹیشن پر بارش کی وجہ سے اسٹیشن ماسٹر نے حضرت کو گودام میں ٹھہرا دیا، اور جب رات ہوئی تو کسی ریلوے ملازم کو اس میں لالٹین جلانے کا بھی حکم دے دیا، اب حضرت کو شبہ ہوا کہ کہیں یہ ریلوے کمپنی کی لالٹین نہ ہو، جس کا بابو کو کوئی حق نہیں، لیکن اس خیال سے منع فرمانے میں بھی تامل ہوا کہ یہ ہندو ہے کہ دل میں کہے گا مسلمانوں کے یہاں ایسی سختی وتنگی ہے، کہ ہم ان کی راحت کا انتظام کرتے ہیں اور وہ اس سے نفع بھی نہیں اٹھا سکتے، اس کشمکش میں دل ہی دل میں دعاء شروع فرمادی کہ یا اللہ آپ ہی اس سے بچایئے، جس کے بعد ہی بابو نے ملازم سے پکار کر کہا کہ دیکھو اسٹیشن کی نہیں ہماری لالٹین جلانا، فرمایا کہ مجھے حیرت ہوگئی کہ یہ تو ہندو ہے اس کو کیسے اس کا خیال ہوا، لیکن خدا کی قدرت کا مسخر تھا، اس نے دل میں

(۱) اشرف السوانح حصہ سوم ص/۲۴۸ و ۲۴۹

www.abulhasanalinadwi.org

ڈال دیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، ورنہ اسٹیشن کی لالٹین تھوڑا ہی جلنے دیتا، اندھیرے ہی میں بیٹھا رہتا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کسی خادم کے پاس حضرت حاجی صاحبؒ کی تسبیح تھی، جس کو حاجت کی وجہ سے پہلے وہ اس کو فروخت کرنا چاہتے تھے پھر حضرت والا کو نذر کرنے کا ارادہ کرلیا، حضرت نے دریافت فرمایا کہ یہ جائز طریقہ سے ملی ہے، عرض کیا کہ خود حاجی صاحب نے عطا فرمائی تھی، مزید اطمینان کے لیے پھر دریافت فرمایا کہ مرض وفات میں یا اس سے پہلے، عرض کیا کہ وفات سے پہلے، تب جا کر حضرت نے اس کو لیا۔(۱)

> ''کسی مخلص نے کچھ پکی ہوئی چیزیں ہدیہ بھیجیں، خادم سے فرمایا کہ دیکھو ان چیزوں کو بڑے گھر پہنچادو اور کہنا کہ بٹی ہوئی نہیں ہیں، اور جن برتنوں میں چیزیں ہیں لانے والے کے سامنے گن کرلے جانا اور واپس لاکر پھر گنوا دینا کہ گڑبڑ نہ ہو، پھر فرمایا گن لیا، عرض کیا جی ہاں گن لیا چار برتن ہیں، فرمایا: ایسی چیزوں میں ضرور مداخلت کرتا ہوں، اس لیے کہ لوگوں میں احتیاط نہیں، ہر شخص پر اعتماد نہیں کرتا، اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب نے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فاتح فارس کا یہ واقعہ عرض کیا کہ جب غلام کو چیزیں پکانے کے لیے دیتے تو وزن فرما کر اور گوشت کی بوٹیاں گن کر، کہ کسی مسلمان کی طرف سے بدگمانی کا موقع کیوں رہے، اس پر حضرت نے فرمایا کہ یہ ہے فقر و تصوف، یہ ہیں اعمال باطنہ، کہاں تک ان حضرات کی نظر جاتی

(۱) اشرف السوانح حصہ سوم ص/۸۳

www.abulhasanalinadwi.org

تھی، آخر صحبت کس کی تھی۔"(۱)

مالی اور واجب الاداء حقوق کے متعلق وصایا کے ذیل میں تصریح فرمائی ہے کہ ان میں کبھی کوتاہی نہیں ہوئی، بجز ایک حق کے کہ بعض خطوط میں جواب کے لیے ٹکٹ آتے ہیں اور کاتب کا پورا پتہ نہیں ہوتا، لہٰذا انتظار کے بعد ان ٹکٹوں کو مصارف لقطہ میں صرف کر دیتا ہوں، مگر نیت یہ ہے کہ اگر ٹکٹ والے اس صرف کو جائز نہ رکھیں تو ٹکٹ مجھ سے لے لیں (۲) امانتوں کو ہمیشہ الگ رکھتے کہ مخلوط ہو جانے سے شرعی احکام بدل جاتے ہیں اور امانت قرض کے حکم میں ہو جاتی ہے، ایک دفعہ کسی پارسل کے تولنے کے لیے کچھ روپیوں کی ضرورت پڑی، تو دو امانتوں سے کچھ روپئے نکال کر دیئے اور پہچان کے لیے ایک میں سے ملکہ کی تصویر کے دیئے اور دوسری میں سے بادشاہ کی تصویر کے (تاکہ مل نہ جائیں)۔(۳)

غیر مالی معاملات میں احتیاط

یہی حال تقویٰ واحتیاط کا غیر مالی معاملات میں تھا کہ مثلاً کسی کتاب پر تقریظ محض اجمالی مطالعہ سے نہ فرماتے، اس کو ناجائز جانتے، اگر تفصیلی مطالعہ کی فرصت نہ ہوتی تو کسی مقام کی تعیین کرا لیتے اور صرف اس پر تقریظ تحریر فرماتے، اور اگر کسی پر اطمینان ہوتا تو زیادہ سے زیادہ اتنا اور اضافہ فرما دیتے کہ امید ہے کہ باقی کتاب بھی ایسی ہی ہوگی۔(۴)

آج کل کے ناقدین کتب اپنے طرز عمل سے مقابلہ فرمائیں کہ بڑی بڑی

---

(۱) الافاضات اول ص/۲۷۶

(۲) اشرف السوانح حصہ سوم ص/۱۳۹

(۳) ایضاً ص/۹

(۴) ایضاً ص/۶

www.abulhasanalinadwi.org

کتابوں کو اِدھر اُدھر سے کچھ دیکھ کر تنقید و تبصرہ پوری کتاب پر فرما دیتے ہیں، خود اپنی خاص تصانیف میں محض مواد و معلومات پر قناعت نہ فرماتے بلکہ شرح صدر کا بھی انتظار فرماتے، اور جہاں شرح صدر نہ حاصل ہوتا تصریح فرما دیتے، جیسا کہ مثلاً ''بیان القرآن'' میں سورۂ برأت و سورۂ حشر کے دو مقامات پر ہے،(۱) نیز اپنی کتابوں کے تسامحات کا خود یا کسی دوسرے سے علم حاصل ہو جاتا تو برابر ترجیح الراجح کے مستقل عنوان سے ان کی اصلاح و اشاعت فرماتے رہتے، پھر خیال ہوا کہ کیا ضروری ہے کہ ہر لغزش پر کوئی نہ کوئی اطلاع بھی کر دیا کرے، اس لیے یہ اہتمام فرمایا کہ علمی و عملی لحاظ سے ایسے معتمد علماء کا انتخاب فرما کر جو نہ حضرت کی مروت و رعایت کریں نہ کوئی عناد و عداوت ہو، یہ خدمت ان کے سپرد فرمائی، اپنی سوانح حیات کی نسبت فرمایا کہ چونکہ محبت میں اکثر غیر واقعی مدائح مشہور کر دیئے جاتے ہیں، اس لیے میں اپنی سوانح لکھانا پسند نہیں کرتا، اگر کسی کو بہت شوق و بے تابی ہو اور دوسرے اہل تدین و تحقیق بھی اجازت دیں تو روایت میں احتیاط شدیدہ کو واجب سمجھنا چاہیے، ورنہ میں بَری ہوتا ہوں۔(۲)

دوسرا عقد فرمایا تو عدل کا اتنا التزام و لحاظ تھا کہ کسی کے (غالباً بڑی پیرانی صاحبہ ہی کے) اس کہنے پر کہ آپ نے نکاح ثانی کا دروازہ کھول دیا، فرمایا کہ نہیں، میں نے تو بند کر دیا، کیونکہ جب لوگ دیکھیں گے کہ اس میں عدل کی اتنی رعایت کرنی پڑے گی تو کیا ہمت ہوگی، اس عدل کے اہتمام کی انتہاء یہ تھی کہ ایک کی باری میں دوسری کی خیال لانا بھی خلاف عدل خیال فرماتے کہ جس کی باری ہے اس کی طرف توجہ میں کمی ہوگی جو حق تلفی ہے، بھلا یہاں تک ذہن بھی کس کا جا سکتا ہے، سوا اس کے جو اپنے قلب کی ہر ہر جنبش کی نگرانی کرتا اور ہمہ وقت اپنے کو حق تعالیٰ کے حضور میں

(۱) اشرف السوانح حصہ سوم ص/۴۷

(۲) ایضاً ص/۱۱۱

www.abulhasanalinadwi.org

پاتا اور اس کو حاضر وناظر جانتا ہو، عقد ثانی کے بعد اپنے کپڑے تک گھر کے بجائے خانقاہ میں اس لیے رکھتے کہ ایک کے گھر میں رکھیں گے تو دوسرے کو شکایت ہوگی کہ ہمارے ساتھ اتنی خصوصیت نہیں، ہر چیز دونوں گھروں میں بالکل برابر تقسیم فرماتے، جس کے لیے خانقاہ میں کانٹا لگا رکھا تھا، جس کو خود میزان عدل فرمایا کرتے۔(۱)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

جن لوگوں کو دین کا کچھ خیال ہوتا ہے، موٹے موٹے احکام میں تو خیر خود اپنی ذات تک اتباع کر بھی لیتے ہیں، لیکن اچھے اچھے اہل علم اور بزرگوں کو دیکھا کہ جہاں تک ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا تعلق ہے غیروں کا کیا ذکر ہے، بھائی برادری، اعزہ واقرباء بلکہ اہل وعیال تک کو روک ٹوک نہیں کرتے، نہ ''تغییر بالید'' سے کام لیتے ہیں کہ جن پر کچھ دباؤ ہو تو دباؤ ڈالیں، نہ زبان ہی سے کہتے ہیں حتی کہ قلب میں بھی گرانی کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا، جو ایمان کا آخری درجہ ہے، اور جس کا لازمی نتیجہ کم از کم یہ ہونا چاہیے کہ شرکت وتعاون سے باز رہیں، جس بات سے قلب میں گرانی وکراہیت ہو، اس میں اتنا تو ہوتا ہی ہے کہ آدمی ہنسی خوشی شرکت نہیں کرتا پھر علماء اور بزرگوں کی شرکت میں تو بڑا مفسدہ یہ ہے کہ دوسروں کے لیے وہ عملی فتویٰ بن جاتا ہے۔

سماج یا جماعت کا اثر

اس کے علاوہ عوام الناس پر براہ راست خدا وآخرت کے خوف کا اتنا دباؤ نہیں پڑتا، جتنا بھائی برادری اور جماعت کا، اسی لیے جن برادریوں یا جماعتوں میں جماعتی مقاطعہ کا کسی معاملہ میں دستور ہے، مشکل ہی سے اس کے افراد اس پر جرأت کرتے ہیں، مقاطعہ تو الگ رہا جماعت میں جس چیز کو معیوب خیال کیا جاتا ہے اور

(۱) اشرف السوانح حصہ سوم ص/۱۰۴

www.abulhasanalinadwi.org

لوگ اس سے نفرت وحقارت ظاہر کرتے ہیں، اس کی بھی آسانی سے کسی کو جرأت نہیں ہوتی، تغییر بالید وباللسان کے نہ ہونے کی صورت میں تغییر بالقلب کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ جب قلبی نفرت ہوگی تو عملی شرکت نہ ہوگی، اور اس عدم شرکت وبیزاری کا اثر حسب تعلق لوگوں پر پڑے گا، اور ان کو اپنا عمل بدلنا پڑے گا، جو پہلے محض مروت یا ناخوشی سے بھی ہو، تو بعد کو عادت ہوکر ہنسی خوشی ہوجائے گا، البتہ جن برائیوں پر جماعت میں کوئی نکیر نہیں ہوتی بلکہ الٹے مستحسن خیال کی جاتی ہیں، ان کے لوگ بے دھڑک مرتکب ہوتے ہیں، اس کی ایک موٹی سی مثال سکھوں کے بال ہیں کہ مشکل ہی سے کوئی سکھ ان کو ہاتھ لگانے کی ہمت کرسکتا ہے، بخلاف مسلمانوں کے کہ ان کی داڑھی بھی ایک دینی شعار ہے، لیکن جماعت میں چونکہ اس پر کوئی نکیر ونفرت نہیں رہی بلکہ الٹے منڈانا ہی فیشن بن گیا ہے، اس لیے علماء ومشائخ سب کے گھروں میں بے دھڑک استرا چلتا رہتا ہے، اور باپ بیٹے تک کو نہیں ٹوکتا، داڑھی کس شمار میں ہے، نماز روزہ تک کے لیے نکیر نہیں ہوتی، بلکہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ نام نہاد علماء ومشائخ کو تو "فیشن ایبل اَپ ٹو ڈیٹ" داماد ہی کی فکر میں اکثر دیکھا (یغفر اللہ لنا ولھم) حالانکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جو ساری انسانیت (کافۃ للنّاس) کے لیے بشیر ونذیر بنائے گئے تھے، اپنے اہل وعیال اور بھائی برادری کو امر بالصلوٰۃ اور اِنذار کا خاص حکم تھا ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا .... وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ اسی طرح سارے مسلمانوں کو بھی خاص حکم ہے کہ خود اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْآ أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾، یہ تو دین وشریعت کیا سراسر حماقت ہوگی کہ خود ہمارے گھر میں آگ لگی ہو اور ہم اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر ایران وتوران میں جو آگ لگی ہے اس کو بجھانے کی فکر میں لگے ہوں۔

www.abulhasanalinadwi.org

قابل توجہ احادیث

مثلاً ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے جو نبی بھی آیا اس کے حواری واصحاب ایسے ہوتے تھے جو اس کے طریقے پر چلتے اور اس کے امر کی اقتداء کرتے تھے پھر ان کے جانشین ایسے لوگ ہوتے جو کچھ کہتے خود نہ کرتے اور اگر کرتے تو دوسروں کو اس کا حکم نہ کرتے، پس جو شخص ایسے لوگوں سے ہاتھ سے لڑا وہ مومن ہے، جو زبان سے لڑا وہ بھی مومن ہے، جو قلب سے لڑا (یعنی دل میں برا جانا) وہ بھی مومن، باقی جو قلب سے بھی نہ لڑا، اس کے اندر رائی برابر بھی ایمان نہیں۔'' (۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی جو پیدا ہوئی، یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملتا تو کہتا کہ خدا سے ڈرو، فلاں کام چھوڑو یہ تمہارے لیے جائز نہیں، پھر جب دوسرے دن ملاقات ہوتی، اس کو علیٰ حالہ اسی کام میں مبتلاء پاتا، پھر بھی نہ اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑتا نہ بیٹھنا اٹھنا، جب یہ حال ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے سبھوں کے دل ویسے ہی کر ڈالے، اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ...... لٰكِنَّ كَثِيْراً مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ﴾ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر داؤد و عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، جنھوں نے کفر کیا تھا اور یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور اس میں حد سے گزر گئے کہ آپس میں ایک دوسرے کو بری باتوں سے روک ٹوک تک نہ کرتے تھے......، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو یاد رکھو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم ضرور ضرور لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے رہو، ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو حق کی طرف پھیر دو اور حق

---

(۱) مسلم شریف

www.abulhasanalinadwi.org

ہی پر اس کو قائم رکھو، ورنہ تمہارے دلوں کو بھی اللہ تعالیٰ ویسا ہی کر دے گا، اور تم کو بھی اسی طرح ملعون کر دے گا جیسا کہ ان کو کیا۔" (۱) اور ترمذی شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں مبتلاء ہوئے تو ان کے علماء نے روک ٹوک کی لیکن وہ نہیں رکے، پھر بھی وہ علماء ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سب کے دلوں کو ویسا ہی کر دیا اور داؤد و عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے ان کو ملعون بنا دیا، یہ اس لیے کہ انھوں نے نافرمانی کی، اور اس میں حد سے گزر گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے تھے، یہ فرما کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ بس تم بھی جب تک لوگوں کو حق پر آمادہ و مجبور کرتے رہو گے (ورنہ ویسے ہی مردودِ بارگاہ حق ہو جاؤ گے)۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ لوگ کسی کو ظلم و تعدی کرتے دیکھ کر اگر ہاتھ نہ پکڑ لیں تو اندیشہ ہے کہ سب اللہ تعالیٰ کے عذاب میں آ جائیں گے۔" (۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا ہے، اس کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے اور مسلمانوں میں ہر طرح کے مفاسد و معاصی کے پھیل جانے کا بڑا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عوام و خواص سب میں معاصی سے نفرت و بیزاری کا اظہار اور روک ٹوک کہنا چاہیے کہ بالکل ہی ختم ہو گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، ورنہ بظاہر وہی بنی اسرائیل والی ملعونیت اور قہر و عتاب آنکھوں کے سامنے ہے، کیا غضب ہے کہ جو لوگ روز رات کو نماز (وتر) میں پڑھتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ "ہم الگ کرتے اور چھوڑتے ہیں اس شخص کو جو تیری

---

(۱) بحوالہ ابوداؤد و ترمذی

(۲) ابوداؤد و ترمذی و نسائی۔ یہ سب روایتیں "ریاض الصالحین" باب امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے نقل کی گئی ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

نافرمانی کرے" (نخلع و نترک من یفجرک) وہ صبح ہی اس کو بھول جاتے ہیں، بلکہ سمجھ کچھ ایسی الٹ گئی ہے کہ ایران وتوران کے مسلمانوں کا تو غم ہوتا ہے، وہ بھی آج کل کی نام نہاد قومی وسیاسی تباہی کا، اور اس کے لیے بہت سے لوگ جان و مال کی بازی لگاتے اور حکومت کے مقابلہ تک کے لیے تیار ہو جاتے ہیں لیکن خود اپنے اہل وعیال، اعزہ واقرباء کے دین وآخرت کی بربادی کا اتنا درد بھی نہیں ہوتا کہ اپنے دباؤ سے کام لیں یا زبان ہی سے کچھ روک ٹوک کرتے رہیں، یا کم از کم شرکت اور تعاون علی الاثم سے باز رہیں اور ہجر جمیل ہی اختیار کریں۔

حضرت کا مسلک مواخذہ ومقاطعہ

حضرت علیہ الرحمہ نے نہ صرف سیکڑوں ہزاروں وعظوں اور کتابوں کے ذریعہ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق ومعاشرت غرض اسلامی زندگی کے ہر ہر شعبہ کے اصول وفروع کے متعلق عام خطاب سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی خدمات آخر دم تک انجام دیں، بلکہ اپنے تعلق رکھنے والوں کی ہمیشہ روک ٹوک اور باز پرس جاری رہی، جس میں ڈانٹ ڈپٹ، اخراج وترک کلام وغیرہ کے علاوہ کبھی کبھی ضربی تادیب تک سے کام لیتے، البتہ ہر شے حدود کے اندر اور محل وموقع سے ہوتی، اولاد تو تھی نہیں، لیکن دونوں گھروں (ازواج محرمات) کے ساتھ معاشرت میں انتہائی رعایتوں کے باوجود امر ونہی کے ادنیٰ سے ادنیٰ موقع پر بھی رعایت نہ فرمائی جاتی، وفات سے چند ماہ قبل جب یہ احقر حاضر ہوا تو علالت کا زمانہ تھا، خانقاہ میں پابندی کے ساتھ تشریف آوری نہ ہوتی تھی، بعض خادموں کو آستانہ ہی پر یاد فرما لیا جاتا، اور زنانہ ومردانہ کے درمیان ایک پردہ پڑا رہتا، اس دوران میں ایسے بعض مواقع کا تجربہ ہوا، مثلاً ایک دن کوئی ذرا سی چیز جو چمچے میں تھی، چکھ کر واپس فرمادی، تھوڑی دیر کے بعد دریافت فرمایا کہ اس کو کیا کیا گیا، پردہ سے حضرت مخدومہ محترمہ (چھوٹی پیرانی صاحبہ) مدظلہا نے

www.abulhasanalinadwi.org

عرض کیا کہ پھینک دیا، اس پر کسی قدر تغیر کے ساتھ مواخذہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تھی اس کو کیوں ضائع کیا، طوطا ہی (جو پلا ہوا تھا) کھالیتا، یہ ادنیٰ مثال ہی اس اندازہ کے لیے کافی ہے، اور چھوٹی بڑی کوتاہیوں پر کیسی روک ٹوک فرماتے ہوں گے، قریب سے قریب اعزہ کے ہاں بھی اگر شادی بیاہ وغیرہ کسی تقریب میں منکرات وبدعات کا دخل ہوتا تو شرکت فرمانا کیسا، شرکت کا شبہ تک لوگوں کو نہ ہونے دیتے، علاتی ہمشیرہ کی شادی کا واقعہ خود حضرت کی زبان سے ذرا تفصیل سے سنیے: فرمایا کہ:

''اس میں سب مروجہ رسوم ہوئی تھیں، قصہ یہ ہے کہ اس کی والدہ کو عورتوں نے بہکایا اور یہ سمجھایا کہ تمہاری ایک ہی بچی ہے، دل کھول کر شادی کرو، باقی اگر اندیشہ ہو کہ وہ (یعنی میں) شرکت نہ کرے گا (۱) تو نکاح میں تو شرکت ہو ہی جائے گی، اور جن رسموں کو برا کہتے ہیں ان میں نہ شریک ہوں گے، نکاح تو سنت ہے، اس میں ضرور شریک ہوں گے، والدہ بیچاری بہکانے میں آگئیں، برات آنے کا دن جمعہ تھا، میں نے بھینسانی (ایک گاؤں) والوں سے کہلا بھیجا کہ جب جمعہ پڑھنے آنا ایک بہلی لیتے آنا، میں بعد جمعہ تمہارے ہاں آؤں گا، میں نے جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی اور باہر باہر بہلی میں بیٹھ کر چلا گیا، یہاں گھر والوں تک کو خبر نہ کی، یہی خیال رہا سب کو کہ ہوگا کہیں یہیں مسجد وغیرہ میں، مغرب کے بعد نکاح پڑھانے کے لیے تلاش ہوئی، میں نہ ملا تو بھائی صاحب نے مختلف اطراف میں آدمی بھیجے۔

ایک آدمی بھینسانی بھی آیا، میں عشاء کی نماز پڑھ کر لیٹ گیا تھا،

---

(۱) بہت سے لوگ اس کو کافی خیال کرتے ہیں کہ بھائی اور بیہودگیوں میں شرکت نہ کرو، صرف نکاح میں شریک ہوجاؤ تو کیا مضائقہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

وہ آدمی مجھے ملا میں نے کہا جا کر کہہ دینا میں زندہ ہوں اطمینان رکھو اور اگر اوروں پر اختیار نہ تھا تو اپنے نفس پر تو اختیار تھا، خود اپنے کو بچالیا، صبح کو انشاء اللہ تعالیٰ آؤں گا، صبح کو بھی اس خیال سے دیر کر کے چلا کہ ایک براتی کی بھی صورت نہ دیکھوں، پھر تو میری شرکت نہ کرنے کی وجہ سے سارے خاندان نے توبہ کی، کہ بڑی واہیات ہوئی، اب آئندہ کبھی ایسا نہ کریں گے، جب سے اللہ کا فضل ہے، خاندان میں کبھی کوئی رسم نہیں ہوتی، گاؤں والوں کا خیال سنیے: یہاں سے بھینسانی دوسو روپیہ کا گھی خریدنے کے لیے بھیجے گئے تھے، وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم لوگوں کو خیال ہوا تھ کہ جب مولویوں کے گھر دوسو روپے کا گھی ایک گاؤں سے جارہا ہے اور دوسری جگہ سے بھی ضرور آیا ہوگا، جب گھی کا اس قدر صرفہ ہے اور اجناس میں نہ معلوم کس قدر صرفہ ہوگا، تو اب ہم بھی دل کھول کر شادیاں کیا کریں گے چاہے گھر کی جائیدادیں فروخت ہوجائیں، سو اگر اس وقت آپ یہاں نہ آتے تو ہمارے یہاں بھی شادیوں میں ایسا ہی ہوتا، جس کا انجام گھر کی بربادی ہوتی، آپ نے آکر ہمارا گاؤں بچالیا، اور ایسا ہوگیا جیسے اپنے پاس سے گاؤں ہم کو دیا۔

واقعی اگر میں وہاں نہ جاتا اور یہاں پر رہتا گو شریک نہ ہوتا مگر کسے معلوم ہوتا کہ شرکت کی یا نہیں، عوام پر بہت برا اثر ہوتا، اب یہاں پر قصبہ میں یہ حالت ہے کہ کسی کو ان رسوم کی پابندی نہیں رہی، اب کوئی صرف بھی زائد کرے تو اس کا نام نہیں کرتے، کچھ

www.abulhasanalinadwi.org

ملامت نہیں، رسوم مباحہ کا یہی درجہ ہے۔"

اس ایک واقعہ ہی سے کتنے سبق ملتے ہیں کہ بھائی برادری کے منکرات میں بھی شرکت سے کم از کم آدمی خود اپنے کو تو ہر حال میں بچا ہی لے جا سکتا ہے اور اگر وہ کسی اعتبار سے بھی صاحب وجاہت ہے اور کچھ اثر رکھتا ہے جس کی شرکت کی لوگوں کو خواہش ہو، تو اگر کچھ نہیں اس کے خیال ہی سے لوگوں کو باز رہنا پڑتا ہے، پھر اگر وہ مقتدا کی حیثیت رکھتا ہے تو اس کی شرکت کا مفسدہ کتنا متعدی ہو جاتا ہے، کیا اس کی جوابدہی نہ ہوگی، حضرت کی احتیاط وحکمت دیکھئے کہ شرکت تو کیا فرماتے شبہ شرکت کا بھی موقع نہ دیا، اب یہ احقر کیا عرض کرے کہ کیسے کیسے علماء ومشائخ بلکہ واقعی مقدس و متقی اشخاص تک کو ان امور میں کیسا بے احتیاط بلکہ بے حس دیکھا جا رہا ہے، اور شرعی تقریب کے معنی اب ان حضرات ہی نے یہ بنا دیئے ہیں کہ بس زیادہ سے زیادہ ناچ گانا نہ ہو، باقی دعوت اور کھانے وغیرہ میں چاہے جتنا فخر ومباہات اور فضولیات کا مظاہرہ ہو، بلکہ اس میں دوسروں کو روک ٹوک یا ان کے ہاں عدم شرکت کا ذکر کیا، خود اپنی اولاد کی تقریبات تک میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، لیکن حضرت نے خود اپنے چھوٹے بھائی (مخدومی محمد مظہر صاحب مرحوم) کی شادی فرمائی تو فرماتے ہیں کہ:

"بالکل سادی ہوئی تھی، صرف ایک بہلی تھی، اس میں ایک میں ایک مظہر ایک مولوی شبیر علی جو اس وقت بچے تھے ان کو اس لیے ساتھ لے لیا تھا کہ شاید گھر میں آنے جانے یا کسی بات کے کہلانے کی ضرورت ہو، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں بھی کوئی گڑبڑ نہیں، صرف خاص خاص عزیزوں کی دعوت ہے، جن کی تعداد چھ سات سے زائد نہیں، مگر یہ لوگ بھی خفا تھے، محض اس وجہ سے کہ رسوم کیوں نہیں کی گئیں، مجھ کو جب معلوم ہوا تو میں نے

www.abulhasanalinadwi.org

لڑکی والوں سے کہہ دیا کہ صاف کہہ دو، اگر جی چاہے شریک ہو جائیں ورنہ اپنے گھر بیٹھیں ہمیں ضرورت نہیں، ان لوگوں نے دعوت ہی نہیں قبول کی تھی، مگر میرا یہ صفائی کا جواب سن کر سیدھے ہو گئے، اور دستر خوان پر ہاتھ دھو کر سب آ کر بیٹھ گئے، بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکی کی ماں اس اختصار سے بڑی شکر گزار ہوئیں اور کہنے لگیں اگر زیادہ بکھیڑا ہوتا تو ایک سونے کا ہار میرے پاس تھا وہ بھی جاتا اور قرض لینا پڑتا، یہ لڑکی کی ماں میرے بڑے گھر کی خالہ ہوتی تھیں، اس لیے میں بھی ان کو عرفاً خالہ ہی کہتا تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ لڑکی کو رخصت کس وقت کرو گی، کہنے لگیں کہ بھائی صبح کو جلدی تو رخصت نہیں ہو سکتی، اس لیے جلدی میں نہ کچھ کھاؤ گے نہ کچھ ٹھہرو گے، میں نے کہا کھانا تو پکا کر ساتھ کر دو جہاں بھوک لگے گی کھا لیں گے، اور ٹھہرنے کی ضرورت نہیں، جب انھوں نے پھر اپنی رائے کا اعادہ کیا تب میں نے کہا بہت اچھا، لیکن یاد رکھو کہ اگر دیر سے رخصت کیا تو نماز ظہر کا وقت راستہ میں ہوگا اور میں اپنے اہتمام میں لڑکی کی نماز قضا ہونے نہ دوں گا، اور بلا عذر بہلی میں نماز ہو نہیں سکتی تو لڑکی کو بہلی سے اترنا پڑے گا، اور یہ بھی تم سمجھتی ہو کہ لڑکی نئی نویلی ہوگی، پہنے اوڑھے اور عطر خوشبو تیل وغیرہ بھی لگائے ہوگی، اور یہ مشہور ہے کہ کیکر وغیرہ کے درخت پر بھتنی وغیرہ رہا کرتی ہے، سو اگر کوئی بھتنی چمٹ گئی تو میں ذمہ دار نہیں، چونکہ عورتوں کے مذاق کی بات تھی کہنے لگیں نہ بھائی میں نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

روکتی، جب تمہارا جی چاہے جاسکتے ہو، میں نے کہا بعد نماز فجر صبح ہی روانہ کردو۔

اب صبح چلنے کا وقت ہوا تو ایک رسم ہے بکھیر (نچھاور) کی، دلہن کی رخصت کے وقت بستی کے اندر اندر کچھ روپیہ پیسہ کی بکھیر کی جاتی ہے، میں نے یہ کیا کہ کچھ روپیہ مساکین کو تقسیم کردیا، اور کچھ مساجد میں دیا، محض اس لیے کہ لوگ بخل و دنائت کا شبہ نہ کریں، اس سادگی کے متعلق یہ روایت سنی گئی کہ لوگ کہتے تھے کہ شادی اس کو کہتے ہیں، قلب کے اندر تازگی، شگفتگی، انشراح معلوم ہوتا ہے، یہ دنیاداروں نے کہا کہ واقعی شریعت پر عمل کرنے سے ایک نور پیدا ہوتا ہے، اب ولیمہ کا قصہ سنیے:

میں نے کسی کی دعوت نہیں کی، کھانا پکوا کر گھروں کو بھیج دیا، ایک بی بی نے کھانا واپس کردیا کہ یہ کیسا ولیمہ، میں نے کہا قبول نہیں کرتیں، ان کی قسمت جانے دو، ان کا خیال تھا منائیں گے، خوشامد کریں گے، مگر ہمیں ضرورت کیا تھی کہ گھر سے کھلائیں اور الٹے خوشامد کریں، صبح کو وہی بی بی آئیں، کہنے لگیں رات کا کھانا لاؤ، میں نے کہا وہ تو رات ہی کو ختم ہوگیا، یہ سن کر بڑی ہی دلگیر ہوئیں کہ میری ایسی قسمت کہاں تھی کہ ایسی برکت کا کھانا نصیب ہوتا، ان دنیاداروں کا دماغ یوں ہی درست ہوتا ہے، اہل دین کو قدرے استغناء برتنا چاہیے، ان کو جتنا چمٹو وہ زیادہ اینٹھ مروڑ کرتے ہیں۔'' (۱)

---

(۱) یہ دونوں واقعات الافاضات الیومیہ حصہ اول ص/۲۳۶ سے منقول ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

عہد جدید کے مصلحین

کی اصلاح بالعموم قوم ملک بلکہ ساری دنیا سے شروع ہوتی ہے، اور خود اپنی اپنے اہل وعیال اور بھائی برادری کی باری بار ہا سرے سے آتی ہی نہیں، لیکن انبیائی اصلاح کا راستہ یہی ہے کہ وہ خود اپنے نفس اور اقرباء سے شروع ہو کر دنیا میں اسی عملی نمونہ سے از خود پھیلتی ہے۔

غرض اوپر کے یہ دو واقعے ہی یہ جان لینے کے لیے کافی ہیں کہ خلاف شرع باتوں کی شرکت اور تعاون علی الاثم کے باب میں حضرت والا کو کیسی شدید احتیاط تھی، جس میں عزیز واقارب، بھائی برادری کسی کی اصلاً پرواہ نہ تھی، حدیث کی مندرجہ بالا روایات نقل کرنے کے بعد حضرت والا کے اس معمول کے ساتھ ہی ایک ملفوظ ایسا ملا جو گویا ان کا بالکل ترجمہ ہے، جس سے راقم الحروف کو اپنے خیال میں بڑی تقویت اور کامل انشراح نصیب ہوا۔

ایک برمحل ملفوظ

معاصی کے سلسلہ میں فرمایا کہ بعض لوگ تو وہ ہیں جو بظاہر خود تو اعمال صالحہ کرتے اور معاصی سے بچتے ہیں۔

> "مگر ساتھ ان لوگوں کے افعال غیر مشروع و معاصی میں بھی شریک رہتے ہیں، جو خدا کے نافرمان ہیں، محض اس خیال سے کہ یہ دنیا ہے، اس میں رہتے برادری کو کیسے چھوڑا جاسکتا ہے، اور بعض وہ ہیں کہ شریک تو نہیں ہوتے مگر ہوتے دیکھ کر ان منکرات کرنے والوں کے افعال سے نفرت بھی نہیں ہوتی، ان میں شیر وشکر کی طرح ملے جلے رہتے ہیں، یعنی روزانہ کھانے

www.abulhasanalinadwi.org

پینے میں ان سے پرہیز نہیں کرتے، حاصل یہ ہے کہ اپنے کسی برتاؤ سے ان پر اظہار نفرت نہیں کرتے، تو ایسے لوگوں کے اعتبار سے اس شبہ کا جواب کہ غیر عاصیوں پر کیوں مصائب آتے ہیں، یہ ہے کہ ان کی شرکت یا سکوت خود معصیت ہے، تو مصائب میں ان کا ابتلاء بھی معصیت ہی کے سبب ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں امم سابقہ کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فلاں بستی کو الٹ دو، عرض کیا کہ اے اللہ فلاں شخص اس بستی میں ایسا ہے کہ اس نے کبھی آپ کی کوئی نافرمانی نہیں کی، حق تعالیٰ فرماتے ہیں مع اس کے الٹ دو، وہ بھی ان ہی میں سے ہے، اس لیے کہ ہماری نافرمانی دیکھتا تھا اور کبھی اس کی تیوری پر بل بھی نہ پڑتا تھا، اور اس کی مثال تو دنیا میں بھی موجود ہے، جو شخص حکومت و سلطنت کے باغیوں سے میل جول رکھتا ہے یا ان کو امداد دیتا ہے وہ شخص بھی باغیوں میں شمار ہوتا ہے، ہم جس کے وفادار ہیں وفاداری اسی وقت تک ہے کہ اس کے دشمنوں سے بھی نہ ملیں، ورنہ ایسے شخص کو وفادار ہی نہ کہیں گے، یہ اجتماع ضدین ہے۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں
ایں خیال است ومحال است وجنوں(۱)

فہم وفراست، عقل وحکمت اور ہر طرح کے علمی وعملی کمالات کی یہ نادر جامعیت بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ آج جس طرح مسلمانوں کی زندگی کا کوئی

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۸ حصہ/۲

www.abulhasanalinadwi.org

شعبہ بھی مشکل ہی سے دینی خلل وفساد سے خالی رہا ہوگا، اسی طرح آج کی امت محمدیہ کے دین کی بجمیع اجزاء تجدید واصلاح کے لیے ایسی ہی جامع الصفات جامع المجدد دین کی ذات درکار تھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اصلاحی وتجدیدی جامعیت

حضرات انبیاء علیہم السلام کو ان کی نبوت کے لیے دلائل وآیات ہمیشہ ان کے زمانہ کے مذاق اور مطالبات کے مناسب عطا ہوتے رہے، حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب سے بڑا معجزہ ذلک الکتاب اور اس کی آیات و تعلیمات کا عطا فرمایا گیا، علیم وحکیم کے علم وحکمت نے نبوت ختم فرمادی، اب تا قیامت سارا زمانہ نبوت محمدیہ ہی کے دور دورہ کا زمانہ ہے، اور اس زمانہ کی ایک بہت بڑی نمایاں خصوصیت علوم وفنون، کتابوں اور کتب خانوں کا زور ہے، بات بات پر کتابوں کا انبار لگ جاتا ہے، انسان کی ظاہری و باطنی، جسمی و ذہنی، مادی واخلاقی، انفرادی واجتماعی زندگی کے سارے شعبوں پر سیکڑوں ہزاروں کتابیں اور کتب خانے فراہم ہوگئے ہیں، جو شخص جس چیز کی نسبت بھی کچھ جاننا چاہتا ہے، کتابوں کی طلب پیدا ہوتی ہے، پڑھا لکھا ہونا ہر کس وناکس کے لوازم حیات میں داخل ہوتا جارہا ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی دین خاتم الادیان ہونے کا مدعی ہو اور پھر اس کی اصل تعلیمات لفظاً ومعناً ''ذلک الکتاب'' میں جوں کا توں محفوظ نہ ہوں اور پھر ان تعلیمات کی تفہیم وتعمیم تجدید واصلاح کتابوں ہی کے ذریعہ نہ ہوتی رہے تو اس دین کے قائم وباقی اور دور ونزدیک ہر کس وناکس تک پہنچنے اور پہنچانے کی کیا صورت، البتہ یہ کتابیں ہر کس وناکس کے قلم کی نہیں ہوسکتیں، بلکہ جس طرح ہر علم وفن کی معتبر ومستند کتابیں وہی ہوتی ہیں جو علم وفن کی خصوصی مہارت رکھنے والوں کے قلم سے نکلی ہوں، اسی طرح دینی تعلیمات وہدایات میں بھی خصوصی مہارت وبصیرت رکھنے والوں ہی کی

www.abulhasanalinadwi.org

کتابوں سے دین کی صحیح فہم و یافت نصیب ہوسکتی ہے، اور ظاہر ہے کہ مجدد دین اور خصوصاً جامع المجدد دین وہی ہوسکتا ہے جس کو دین کے تمام شعبوں میں مبعوثی یا موہوبی بصیرت تامہ حاصل ہو، اور جس کی نظر بحیثیت مجموعی وقت کے سارے مصالح ومفاسد پر ہو کہ جو رخنہ بھی دین میں کسی علمی یا عملی راہ سے پیدا ہوگیا ہے اس پر جامع اطلاع کے ساتھ جامع اصلاح وتجدید کی خدمت انجام دے سکے۔

ذٰلک الکتاب کے مناسب حضرت کی تجدیدی کرامت

یہی اصلاحی وتجدیدی جامعیت ہے جو ذٰلک الکتاب والے دین کے جامع المجدد دین کی سیکڑوں کتابوں کے ہزاروں صفحات پر اصلاحی وتجدیدی صورت میں پھیلی ہوئی ہے، اور جس طرح ذٰلک الکتاب اس دین کا پیغمبر کا سب سے بڑا معجزہ یا سب سے بڑی برہان وآیت تھی، اس کے اتباع میں اس کے تھانوی مجدد وقت کی کتابیں اپنی کمیت وکیفیت ہر اعتبار سے اس کی تجدیدی جامعیت کی سب سے بڑی کرامت ہیں، آج جو شخص بھی دین اسلام کے چہرے کو پورے جمال وکمال کے ساتھ بالکل صاف وبے غبار جامع وکامل صورت میں ازسرنو تجدید یافتہ اور تروتازہ دیکھنا اور پانا چاہتا ہے وہ عہد حاضر کے جامع المجدد دین کی کتابی آیتوں کی طرف علماً وعملاً رجوع کرکے خود مشاہدہ کرسکتا ہے۔(۱) عجیب بات ہے کہ جس طرح ذٰلک الکتاب کا معجزہ رکھنے والے نے دوسرے غیر متعلق معجزات کے مطالبہ کی نسبت یہ فرمادیا کہ ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ، اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ اسی طرح نبی کامل کے متبع

---

(۱) معاند کا ذکر نہیں ورنہ عناد واعتقاد دونوں سے خالی الذہن جو صاحب علم وبصیرت ان کتابوں کے دو چار سو صفحات کا بھی توجہ سے مطالعہ کرے گا وہ انشاء اللہ بیان بالا میں کسی مبالغہ وخوش اعتقادی کا ہلکا سے ہلکا رنگ بھی نہ پائے گا، بلکہ نقل وبیان میں وہ بات کہاں پیدا ہوسکتی ہے جو اصل کے مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کامل کے کلام میں بھی کثرت سے جا بجا کشف وتصرفات سے اپنی قطعاً تبری فرمائی گئی ہے، اور سارا زور بس وحی یا شریعت کے احکام واتباع پر ہے۔

آگے انشاء اللہ اسی نقطۂ نظر سے اب تصنیفی وتجدیدی کارناموں پر نظر ہوگی، گو حضرت کے سیکڑوں مواعظ کی تعداد ہزاروں صفحات تک جاتی ہے، لیکن قدرت کا اہتمام دیکھو کہ ان کو بھی قلمبند کرا کے کتابی صورت دے دی، امت مسلمہ کی تیرہ سو سال سے زائد کی تاریخ میں ایک مثال بھی معلوم نہیں کہ کسی کے اتنے مواعظ کتابی صورت میں موجود ومحفوظ ہوں۔

انبیائی اصلاح جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا، اپنی ذات اور گھر سے شروع ہوتی ہے، افراد امت کی ذاتی اور گھریلو اصلاح کا مدار بہت زیادہ گھر والیوں کی اصلاح پر ہے، غور کیا جائے تو مسلمانوں کی بیشتر دینی خرابیوں اور مفاسد کی جڑیں ان کے گھروں کے اندر ہی پھیلی ملیں گی، اور وہیں سے ان مفاسد کے برگ وبار لے کر اولاد باہر آتی ہے، اور امت مسلمہ یا اسلامی سماج وجماعت کہلاتی اور بنتی ہے، حضرت جامع المجدد دین کے قلم سے اللہ تعالیٰ نے بنیادی خدمت بہشتی زیور کی صورت میں یہی لی، بہتیرے لوگ آج بھی حضرت کو "بہشتی زیور والے اشرف علی" ہی کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں، سب سے زیادہ عموم وقبول بھی اسی کتاب کو بخشا گیا، موافق ومخالف ہزاروں گھروں میں اس نے گھر کر لیا ہے، جو لوگ حضرت کے مسلک سے اختلاف رکھتے ہیں وہ بھی دیکھا گیا کہ بہشت کے اس زیور کو اپنی لڑکیوں کے جہیز میں شامل کرتے ہیں، خود حضرت والا کی اصلاحی ہدایات میں عورتوں ہی کو نہیں مردوں کو بھی پڑھنے پڑھانے اور اَن پڑھوں کو سننے سنانے کی تعلیم وتاکید ہوتی ہے، اور اسی غرض سے بہشتی گوہر کے نام سے ایک حصہ کا اضافہ فرما کر خاص مردوں کے ضروری احکام ومسائل کی تکمیل فرمادی گئی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تصنیف میں مصنف کا اثر

تعلیم نسواں کے لیے مختلف نقطہائے نظر سے کتابیں اور بھی بے شمار لکھی لکھائی گئی ہیں، اور زبان وانشاء کے چٹخارہ کے اعتبار سے زیادہ دلچسپ بھی ہیں لیکن بس وہی کہ کسی علم وفن کی مستند اور بے خوف وخطر پڑھنے پڑھانے کی کتاب وہی ہو سکتی ہے جو اس کے کسی کامل مہارت وبصیرت رکھنے والے کے قلم سے نکلی ہو، ساتھ ہی دینی مہارت وبصیرت بغیر عملی تقویٰ وطہارت کے نصیب نہیں ہوتی ۔ ذٰلک الکتاب سے بھی ہدایت یابی کی اولین شرط تقویٰ ہی ہے، (ھدی للمتقین) لہٰذا دینی کتابیں جو دراصل ذٰلک الکتاب ہی کی شرح وتفہیم ہوتی ہیں وہ بلا تقویٰ وطہارت کے فہم وبصیرت کے ساتھ کیسے لکھی جا سکتی ہے، اسی لیے دینی کتابوں میں تصنیف سے پہلے مصنف پر نظر ہونی چاہیے اور مصنف کے خالی علم پر نہیں عمل پر بھی، آج کل یہ وبا بھی پھیل گئی ہے کہ ہر کس وناکس دینی کتابوں اور رسالوں کا مصنف بن رہا ہے، بلکہ مفسر ومحدث تک، ایسی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے کچھ معلومات تو ہو جاتی ہیں لیکن عملی تاثر وتربیت کی خیر وبرکت مفقود ہے، بخلاف اس کے بہشتی زیور کا جن گھروں میں پڑھنے پڑھانے کا اہتمام ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس سے نہ صرف علمی واقفیت بلکہ عملی انقلاب رونما ہونے لگتا ہے، ایک بہشتی زیور پر کیا موقوف، احقر کا تو اس بابرکت قلم کی ساری کتابوں کے باب میں مشترک تجربہ ہے کہ ان کو پڑھ کر بس ویسا ہی ہو جانے کا جی چاہتا ہے، دوسروں کو بھی جس میں نئی پرانی تعلیم کے تعلیم یافتہ وغیرہ ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں، ان سے جب جرح کر کے حضرت کی کتابوں کی خاص خصوصیت کو معلوم کیا تو یہی بتلایا کہ عملی تاثر بہت ہوتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تعلیم نسواں کی سب سے جامع کتاب

اس اہم واقدم اور خاص امتیاز سے قطع نظر کر کے بھی دینی اعتبار سے نسوانی تعلیم کے لیے اس سے جامع تر کتاب کوئی معلوم نہیں، اس میں صرف فقہی ابواب کے ضروری مسائل شامل نہیں، جیسا کہ بالعموم سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کی ابتداء اردو ابجد کی تعلیم سے ہوتی ہے، اور قرآن مجید کے بعد ہی شروع کر دی جاسکتی ہے، ایک پورا حصہ سبق آموزی، ہمت افزائی اور دلچسپی کے لیے نیک بیبیوں کے حالات کا شریک ہے، عبادات و معاملات وغیرہ کے فقہی احکام کے ساتھ ساتھ نماز روزہ، نکاح، کسب حلال وغیرہ کے فضائل کا بھی بیان قرآن و حدیث سے ہے، فضائل کے علاوہ بھی درمیان درمیان میں یا ضمیموں میں مناسب باتوں کا اضافہ مثلاً نکاح کے سلسلہ میں شوہر کے ساتھ نباہ کی ہدایات، اولاد کی پرورش، ماں باپ، ساس سسر، اعزہ واقرباء، عام مسلمانوں اور عام انسانوں کے حقوق کا ضروری ذکر، یہ سب وہ اصلاحی باتیں ہیں جن سے غفلت کی بدولت مسلمانوں کی خانگی زندگی دینی و دنیوی برکتوں اور راحتوں سے یکسر محروم ہوگئی ہے۔

گھریلو زندگی کی فلاح و مسرت

کے لیے سب سے مقدم بی بی میاں کا باہمی خوشگوار اور محبت کا تعلق ہے، اس کے لیے بی بی کو کن باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے:

> "شوہر کی حیثیت سے زائد خرچ نہ مانگو، جو کچھ جڑے ملے، اپنا گھر سمجھ کر چٹنی روٹی کھا کر بسر کرو...... اگر میاں امیر ہو تب بھی جہاں تک ہوسکے خود کبھی کسی بات کی فرمائش نہ کرو، فرمائش کرنے سے آدمی نظروں سے گر جاتا ہے، بات ہیٹی ہو جاتی ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

کسی بات پر ضد اور ہٹ نہ کرو، اگر میاں کے ہاں تکلیف سے گزرے کبھی زبان پر نہ لاؤ، ہمیشہ خوشی ظاہر کرتی رہو، خاوند کی ناشکری نہ کرو، یوں نہ کہو اس موئے اجڑے گھر میں آکر میں نے دیکھا کیا، ایسی باتوں سے دل میں پھر جگہ نہیں رہتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں عورتیں بہت دیکھیں، کہ یہ اوروں پر لعنت بہت کیا کرتی ہیں اور اپنے خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہیں، تو خیال کرو کہ یہ ناشکری کتنی بری چیز ہے اور کسی پر لعنت کرنا، یوں کہنا کہ فلاں پر خدا کی مار، خدا کی پھٹکار، منہ پر لعنت برس رہی ہے، یہ باتیں سب بری ہیں، اگر میاں کے ماں باپ زندہ ہوں اور روپیہ پیسہ سب ان ہی کے ہاتھ پر رکھے تو کچھ برا نہ مانو، جب تک ساس سسر زندہ ہیں ان کی خدمت وتابعداری کو فرض جانو، اگر سسرال میں کوئی بات بری لگے تو میکے میں آکر چغلی نہ کھاؤ، نہ سسرال کی ذرا ذرا سی بات آکر ماں سے کہو، اور ماؤں کا کھود کھود کر پوچھنا بڑی بری بات ہے، شوہر کی چیزوں کو خوب سلیقہ اور تمیز سے رکھو، جو چیزیں تمہارے پاس رکھی ہوں ان کو حفاظت سے رکھو، کسی کام میں حیلہ حوالہ نہ کرو، جھوٹی باتیں نہ بناؤ، اس سے اعتبار جاتا رہتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔"

یہ سب ایسی باتیں ہیں کہ مسلمانوں کے ہزاروں لاکھوں گھروں میں بھی شاید ایک آدھ ہی میں ان پر عمل ہو، اور کیا یہ ہزاروں لاکھوں کے زیور سے قیمتی زیور نہیں!

www.abulhasanalinadwi.org

اولاد کی پرورش

کے بارے میں ہے کہ:

''نیک بخت دیندار عورت کا دودھ پلائیں، دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے، عورتوں کی عادت ہے کہ بچوں کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں کہیں اور کسی ڈراؤنی چیز سے، سو یہ بری بات ہے، اس سے بچے کا دل کمزور ہوجاتا ہے، اس کے دودھ پلانے اور کھانا کھلانے کا وقت مقرر رکھو کہ وہ تندرست رہے، اس کو صاف ستھرا رکھو، لیکن بہت بناؤ سنگار مت رکھو، بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا کپڑا پیسہ اور ایسی چیزیں دلواؤ، اسی طرح بھائی بہنوں یا اور بچوں کو اس کے ہاتھ سے تقسیم کرایا کرو، تاکہ سخاوت کی عادت ہو، مگر یاد رکھو کہ خود اپنی چیزیں ان کے ہاتھ سے دلوایا کرو، جو چیزیں شرع سے خود ان کی نہ ہوں اس کا دلوانا درست نہیں، غصہ، جھوٹ، لالچ، چوری، چغلی وغیرہ سے ان کو نفرت دلاتی رہو، روکو اور تنبیہ کرو، اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مارے پیٹے مناسب سزا دو، بہت سویرے مت سونے دو، سویرے جاگنے کی عادت ڈالو، جب سات برس کی عمر ہوجائے نماز کی عادت ڈالو، جہاں تک ہوسکے دیندار استاذ سے پڑھواؤ، اس کی عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کریں، اپاہج اور سست نہ ہوجائیں، رات کو اپنا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھائیں، صبح سویرے اٹھ کر تہہ کردیں، کپڑوں کی گٹھری اپنے انتظام میں رکھیں، کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو، کھیل ہو یا کھانا یا اور کوئی چیز، جو کام چھپا کر

www.abulhasanalinadwi.org

کرے سمجھ جاؤ کہ اس کو وہ برا سمجھتا ہے، سو اگر وہ برا ہے تو چھوڑاؤ اور اچھا ہے تو کہو سامنے کرے، کوئی کام محنت کا اس کے ذمہ کرو، جس سے صحت وہمت رہے، مثلاً لڑکوں کے لیے ورزش یا ایک آدھ میل چلنا اور لڑکیوں کے لیے چکی یا چرخہ چلانا، اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ ان کاموں کو عیب نہ جانیں گی، عاجزی کی عادت ڈالو، زبان سے، چال سے، برتاؤ سے شیخی نہ بگھارنے پاوے، یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑوں، مکان اور خاندان یا کتاب، قلم، دوات تک کی تعریف نہ کرنے پاوے۔''

دیکھتے ہو ایک ہمہ گیر مجدد و مصلح کی گھر کے اندر تک کی اصلاح طلب چھوٹی بڑی چیزوں پر کہاں کہاں نظر جاتی ہے۔

اس کے بعد دو حصے یعنی چھٹا اور ساتواں سرتا سر اصلاح وتجدید ہی سے متعلق ہیں، چھٹے میں پیدائش سے لے کر موت تک جو طرح طرح کی خرافات رسمیں رائج ہوگئی ہیں، اور منکرات وبدعات سے لے کر مشرکانہ حدود تک پہنچ جاتی ہے، ان کی اصلاح ہے، اس ذیل میں دینی مفاسد ومعاصی کے ساتھ ساتھ ان دنیاوی خرابیوں اور بربادیوں کو بھی واضح کیا گیا ہے، جو ایسی بیہودہ رسوم کا لازمہ ہیں، اس سلسلہ میں بھی بہت سی ایسی چیزیں ملتی ہیں، جن پر عام علماء و مصلحین کی بالعموم نظر نہیں جاتی، مثلاً تقریبات کے موقع پر یا یوں بھی مستورات کا عام رشتہ داروں یا بھائی برادری میں ہر جگہ بے تکلف چلے جانا، اس کو کون برا یا قابل اصلاح جانتا ہے، لیکن ارشاد ہے کہ:

عورتوں کی بے قیدی

''عورتوں کا اپنے گھر سے نکلنا اور کہیں آنا جانا بہت سی خرابیوں کی

www.abulhasanalinadwi.org

وجہ سے کسی طرح درست نہیں، بس اتنی اجازت ہے کہ کبھی اپنے ماں باپ کو دیکھنے چلی جایا کریں، ماں باپ کے علاوہ اور محرم رشتہ داروں کو دیکھنے جانا درست ہے، مگر سال بھر میں ایک آدھ دفعہ، بس اس کے سوا اور کہیں بے احتیاطی سے جانا جس سے عام دستور ہے جائز نہیں، نہ رشتہ دار کے ہاں نہ کسی اور کے ہاں، نہ بیاہ شادی میں، نہ غمی میں، نہ بیمار پرسی میں، نہ مبارکباد دینے میں، نہ بری برات کے موقع پر، بلکہ بیاہ برات میں جب کسی تقریب کی وجہ سے محفل و مجمع ہو تو اپنے محرم رشتہ داروں کے گھر بھی جانا درست نہیں، اگر شوہر کی اجازت سے گئی تو وہ بھی گنہگار ہوا اور یہ بھی گنہگار ہوئی۔'' (۱)

پھر ارشاد ہے کہ:

''افسوس اس حکم پر ہندوستان بھر میں کہیں عمل نہیں، بلکہ اس کو ناجائز ہی نہیں سمجھتے، بالکل جائز خیال کر رکھا ہے، حالانکہ اس کی بدولت یہ ساری خرابیاں ہیں، غرض اب معلوم ہو جانے کے بعد بالکل چھوڑ دینا چاہیے (۲) یہ تو شریعت کا حکم تھا، اب آگے اس کی برائیاں اور خرابیاں سنو۔''

---

(۱) ص/۴۴

(۲) چھوڑنا تو الگ رہا، راقم الحروف کو اندیشہ ہے کہ بہتیرے ''روشن خیال'' عورتوں کی یہ سزائے قید کی تجویز پڑھ کر اس کتاب ہی کو نہ ہاتھ سے پھینک دیں، بھلا جب عورتوں کا بناؤ سنگار کے ساتھ تن تنہا یا نامحرم مردوں کے ساتھ تک بے حجابانہ بازاروں، سیر گاہوں میں پھرنا، تماشوں اور نمائشوں میں اپنی نمائش کرنا، تھیٹر اور سینما میں غیر مردوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھنا، کلبوں، ناچ گھروں میں بے محابا جانا، بلکہ غیروں کی بغل میں ناچنا تک سب عین روشن خیالی اور معیاری تہذیب ہے تو جو شخص ان باتوں کو تحمل کے ساتھ صرف سن ہی لے یا عمل نہ کرے تو کم از کم برا ہی جانے، اس زمانہ کا وہ آدمی نہیں فرشتہ ہے یا پھر نئے ''مہذبوں'' کے نزدیک پرانا وحشی!

www.abulhasanalinadwi.org

''جب خبر ہوئی کہ فلاں گھر فلاں تقریب ہے، تو ہر بی بی کو نئے کپڑے اور قیمتی جوڑے کی فکر ہوتی ہے، کبھی خاوند سے فرمائش ہوتی ہے، خود بزاز کو بلا کر دروازہ پر اس سے ادھار لیا جاتا ہے، یا سودی قرض لے کر خریدا جاتا ہے، یہ جوڑا محض فخر اور دکھاوے کے لیے بنتا ہے، جس کے لیے حدیث میں ہے کہ ایسے شخص کو قیامت کے روز ذلت کا لباس پہنایا جائے گا، ایک گناہ تو یہ ہوا، پھر اس غرض سے مال کا خرچ کرنا فضول خرچی ہے، یہ دوسرا گناہ ہوا، خاوند سے اس کی وسعت سے زائد فرمائش کرنا اس کو ایذا پہنچانا ہے، یہ تیسرا گناہ ہوا، بزاز سے بلاضرورت نامحرم سے باتیں کرنا بلکہ اکثر لینے دینے کے واسطے آدھا آدھا ہاتھ جس میں چوڑی مہندی سب ہی کچھ ہوتا ہے باہر نکال دینا کس قدر غیرت وعفت کے خلاف ہے، یہ چوتھا گناہ ہوا، پھر اگر سودی لیا تو یہ پانچواں گناہ ہوا، اگر خاوند کی نیت ان بیجا فرمائشوں سے بگڑ گئی اور حرام آمدنی پر اس کی نظر پہنچی، کسی کی حق تلفی کی، رشوت لی، تو یہ گناہ اس بی بی کی وجہ سے ہوا، اور گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے، یہ چھٹا گناہ ہوا ......''

''یہ تو پوشاک کی تیاری تھی، اب زیور نہیں تو مانگا تانگا پہنا جاتا ہے، اور اس کو مانگے کا ہونا ظاہر نہیں کیا جاتا، بلکہ اپنی ہی ملک ظاہر کرتی ہیں، یہ ایک قسم کا فریب اور جھوٹ ہے، حدیث میں ہے کہ جو شخص ایسی چیز کا اپنا ہونا ظاہر کرے جو سچ مچ اس کی نہیں، اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دو کپڑے جھوٹ اور فریب

www.abulhasanalinadwi.org

کے پہن لیے، یعنی سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا، یہ ساتواں گناہ ہوا، پھر اگر زیور ایسا بھی پہنا جاتا ہے جس کی جھنکار دور تک جائے تا کہ محفل میں جاتے ہی سب کی نگاہیں اس کے نظارے میں لگ جائیں (تہذیب نو میں زیور تو جھنکار کے نہیں ہوتے مگر مطلب زیور ولباس سب کا یہی ہوتا ہے کہ جہاں جائیں سب کی نظریں ان کے نظارے میں محو ہو جائیں) یہ دسواں گناہ ہوا، وغیرہ وغیرہ۔''

''اب جہاں گئیں وہاں مجلس جمی تو بڑا شغل یہ ہوا کہ گپیں شروع ہوئیں، اس کی شکایت اس کی غیبت، اس کی چغلی، اس پر بہتان، جو بالکل حرام اور سخت گناہ ہے، یہ سولہواں گناہ ہوا، باتوں کے درمیان ہاتھ سے، پاؤں سے، زبان سے ہر طرح اس کا اظہار ہوتا ہے کہ میری پوشاک وزیور پر سب کی نظر پڑے، یہ صاف ریا ہے، جو قرآن وحدیث میں صاف صاف حرام ہے، اور جس طرح اپنا سامان فخر سے دکھلاتی ہیں، اسی طرح دوسروں کے کل حالات دیکھنے کی بھی کوشش ہوتی ہے، پھر اگر کسی کو اپنے سے کم پایا تو اس کو حقیر وذلیل اور اپنے کو بڑا سمجھا، بعض غرور بیٹی تو ایسی ہوتی ہیں کہ سیدھی طرح منہ سے بات بھی نہیں کرتیں، یہ صریح تکبر ہے جو اٹھارہواں گناہ ہوا، اگر دوسروں کو اپنے سے بڑھا دیکھا تو حسد وناشکری اور حرص اختیار کی، یہ انیسواں گناہ ہوا، اکثر تقریبوں کے طوفان اور ان بیہودہ مشغولیوں میں نمازیں اُڑ جاتی ہیں، ورنہ وقت ضرور ہی تنگ

www.abulhasanalinadwi.org

ہو جاتا ہے، یہ بائیسواں گناہ ہوا، پھر اکثر ایک دوسرے کو دیکھ کر یا ایک دوسرے سے سن کر یہ خرافات باتیں سیکھتی ہیں، گناہ کا سیکھنا سکھانا دونوں گناہ ہیں، یہ تیئیسواں گناہ ہوا۔

غرض اس طرح عورتوں کے بلاضرورت کسی ایک تقریب میں جانے ہی کے سلسلہ میں حضرت نے موٹے موٹے تیئیس گناہ گنائے ہیں، جن کے درمیان درمیان بہت کچھ چھوڑ چھوڑ کر اور اختصار کے ساتھ اوپر پیش کیا گیا ہے۔

مگر ظاہر ہے کہ یہ سب ان کے لیے تھا جن کو خدا اور رسول اور قرآن وحدیث کی باتوں کا کچھ خوف وخیال تھا، یا جن کے نزدیک خدا اور رسول کی نافرمانی یا گناہ کوئی قصور تھا، اب تو یہ سب باتیں جہالت ودقیانوسیت کی ہیں، اور کبر، نمائش، فخر ومباہات وغیرہ تو اب سب ترقی کے لوازم بلکہ عین ترقی وتمدن!

شادی بیاہ کی رسمیں

اس سلسلہ میں سو سے زائد رسموں کو گنا کر لکھا ہے کہ:

''ان میں سے کسی میں ایک گناہ ہے، کسی میں دو، کسی میں چار پانچ، اور بعض میں بتیس تک جمع ہیں، اگر ہر ایک میں تین تین ہی کا اوسط رکھا جائے تو یہ شادی تین سو سے زائد گناہوں کا مجموعہ ہے، جس نکاح میں تین سو سے زائد شرعی احکام کی مخالفت ہوتی ہو، اس میں بھلا خیر وبرکت کا کیا ذکر، غرض یہ سب باتیں ان مختلف گناہوں سے بھری پڑی ہیں:

۱- مال کا بیہودہ اڑانا، ۲- بیحد افتخار یعنی نمود وشان، ۳- بیحد پابندی، ۴- کافروں کی مشابہت، ۵- سودی یا بلاضرورت قرض لینا، ۶- انعام واحسان کو زبردستی حاصل کرنا، ۷- بے پردگی،

www.abulhasanalinadwi.org

۸- شرک اور عقیدہ کی خرابی، ۹- نمازوں کا قضا ہونا یا مکروہ وقت میں پڑھنا، ۱۰- گناہ میں مدد دینا، ۱۱- گناہ پر قائم و برقرار رہنا اور اس کو اچھا جاننا۔‘‘

اس کے بعد قرآن و حدیث سے ان باتوں کی مذمت کا بیان ہے۔

دین میں بے دینی

بعض باتوں کو جو دین وثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے، ان میں بھی بے دینی کی اتنی رسمیں شریک کر دی گئی ہیں کہ سراسر سامان عذاب بن کر رہ گئی ہیں، مثلاً ایک فاتحہ یا ایصال ثواب ہی کو لو کہ اس میں گنوا کر کم از کم پندرہ مفاسد بتلائے گئے ہیں، جن میں سے بعض کفر و شرک تک پہنچے ہیں، حالانکہ ایصال ثواب کی:

’’حقیقت شرع میں فقط اتنی ہے کہ کسی نے کوئی نیک کام کیا، اس پر جو کچھ ثواب اس کو ملا، اپنی طرف سے وہ ثواب کسی دوسرے کو دے دیا، کہ یا اللہ میرا یہ ثواب فلاں کو دے دیجیے، اور پہنچا دیجیے، مثلاً کسی نے خدا کی راہ میں کچھ کھانا، مٹھائی یا روپیہ پیسہ، کپڑا وغیرہ دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جو کچھ اس کا ثواب مجھ کو ملا ہے وہ فلاں کو پہنچا دیجیے، ایک آدھ پارہ قرآن مجید یا ایک آدھ سورت پڑھی اور اس کا ثواب بخش دیا چاہے وہ نیک کام آج ہی کیا ہو یا اس سے پہلے عمر بھر میں کبھی کیا ہو، دونوں کا ثواب پہنچ جاتا ہے، اتنا تو شرع سے ثابت تھا، اب دیکھو جاہلوں نے اس میں کیا کیا بکھیڑے شامل کیے ہیں۔‘‘

آگے ان بکھیڑوں کی تفصیل ہے، جس کا کچھ نمونہ ملاحظہ ہو:

’’اول تھوڑی سی جگہ لیپتے ہیں، اس میں کھانا رکھتے ہیں، بعض

www.abulhasanalinadwi.org

کھانے کے ساتھ پانی اور پان بھی رکھتے ہیں، پھر ایک شخص کھانے کے سامنے کچھ سورتیں پڑھتا ہے، اور نام بنام مردوں کو بخشتا ہے، اس من گھڑت طریقے میں خرابیاں یہ ہیں: ۱- بڑی خرابی یہ ہے کہ جاہلوں کا عقیدہ ہے بغیر اس طریقے کے ثواب ہی نہیں پہنچتا ہے، جب تک فاتحہ نہ ہو جائے وہ کھانا کسی کو نہیں دیا جاتا، کیونکہ اب تک تو ثواب پہنچا ہی نہیں، بعض کم علم کہتے ہیں کہ ثواب تو بغیر اس کے بھی پہنچ جاتا ہے لیکن سورتیں اس لیے پڑھتے ہیں کہ دہرا ثواب پہنچ جائے، ایک کھانے کا ایک قرآن کا، اگر یہی مطلب ہے تو خاص اس وقت پڑھنے کی کیا وجہ، جو قرآن تم نے صبح تلاوت کیا ہے، اس کو اس کے ساتھ بخش دیا ہوتا، اگر کوئی اس وقت نہ پڑھے، پہلے کا پڑھا ہوا ایک آدھ پارہ بخش دے یا یوں کہے کہ اچھا مٹھائی تقسیم کر دو، میں پڑھ کے بخش دوں گا، تو کوئی نہ مانے گا، یا اس کھانے یا مٹھائی کے پاس نہیں، کہیں دور بیٹھا بیٹھا پڑھ دے تب بھی نہیں مانتے، پھر اس صورت سے دوسرے سے فاتحہ کرانے کے کوئی معنی نہیں کیونکہ قرآن پڑھنے کا ثواب اس پڑھنے والے کو ہوگا، تو تمہاری طرف سے تو بہر حال فقط مٹھائی کا ثواب پہنچا، یہ اچھی زبردستی کہ جب ہم ثواب بخشیں تو کچھ نہ کچھ دوسرا بھی بخشے۔"

"۲- لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ صرف اس طرح پڑھ کر بخش دینے سے ثواب پہنچ جاتا ہے، کھانا خیرات کرنے کی ضرورت نہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور بزرگ کا فاتحہ دلا کر خود

www.abulhasanalinadwi.org

کھا جاتے ہیں، گیارہویں وغیرہ کی مٹھائی اگر تقسیم بھی کرتے ہیں تو زیادہ تر فلاں نواب صاحب، تحصیلدار صاحب، تھانیدار صاحب، یا دوستوں عزیزوں کو بھیجی جاتی ہے، یہ نہیں کہ سب شیرینی فقراء ومساکین کو خیرات کردی جائے۔ ۳- ہم نے مانا کہ فاتحہ کے بعد کھانا محتاج ہی کو دے دیا، تو محتاج کو دینے اور کھلانے سے پہلے ثواب بخشنے کا کیا مطلب، تم کو تو ثواب اس وقت ملے گا جب فقیر کو دے دو، یا کھلا دو، ابھی تم ہی کو ثواب نہیں ملا تو بیچارے مردہ کو کیا بخشا۔ ۴- بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ خود وہ چیز پہنچ جاتی ہے، چنانچہ بعض کھانا کے ساتھ پانی اور پان اور بعض حقہ بھی رکھتے ہیں، مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ شب برات کے فاتحہ میں ایک بڑھیا نے پھلجھڑیاں رکھ دی تھیں کہ ان کو آتش بازی کا بڑا شوق تھا، خدا کی پناہ جہالت کی بھی حد ہوگئی۔ ۵- یہ بھی خیال ہے کہ اس وقت اس کی روح آتی ہے چنانچہ لوبان وغیرہ خوشبو سلگانے کا یہی منشاء ہے، گو سب کا نہ ہو۔ ۸- پھر اگر ثواب پہنچانے کے لیے سامنے رکھ کر پڑھنا ضروری ہے تو اگر روپیہ پیسہ یا کپڑا وغیرہ ثواب بخشنے کے لیے دیا جائے، اس پر فاتحہ کیوں نہیں پڑھتی ہو۔ ۱۲- حضرت بی بی کے فاتحہ و صحنک میں یہ بھی قید ہے کہ مرد نہیں کھا سکتے، کوئی پاک صاف نیک عورت کھائے اور وہ بھی ایسی نہ ہو جس نے دوسرا نکاح کرلیا ہو۔ ۱۴- بزرگوں اور اولیاء اللہ کے فاتحہ میں ایک اور خرابی یہ ہے کہ لوگ ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اس نیت سے فاتحہ و

www.abulhasanalinadwi.org

نیاز دلاتے ہیں کہ ان سے ہمارے کام نکلیں گے، اولاد ہوگی، مال ورزق بڑھے گا، اس طرح کا عقیدہ شرک ہے، خدا بچائے۔

۱۵- بعضے آدمی مزاروں پر چادریں اور غلاف بھیجتے ہیں اور اس کی منت مانتے ہیں، چادر چڑھانا منع ہے، اور جس عقیدہ سے یہ کیا جاتا ہے وہ شرک ہے۔''

''بعضے موقعوں پر صدقہ کے لیے بعض چیزوں کو خاص کر رکھا ہے، جیسے ماش اور تیل اور وہ بھی بھنگی کو دیا جاتا ہے...... اس میں یہ اعتقاد بھی ہوتا ہے کہ اس صدقہ میں ہماری الا بلا لپٹی ہوئی ہے، اس لیے گندے ناپاک لوگوں کو دینا چاہیے...... ایک رواج یہ نکال رکھا ہے کہ گلگلے وغیرہ پکا کر عورتیں مسجد میں لے جا کر خاص محراب یا منبر پر رکھتی ہیں، جب عورتوں کا مسجد میں نماز تک کے لیے جانا منع ہے تو ان واہیات باتوں کا کیا ذکر......''

''اس لیے خیرات کے ان سب طریقوں کو چھوڑ کر سیدھا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ جو کچھ میسر ہو وہ چپکے سے کسی محتاج کو یہ سمجھ کر دے دیا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوں گے اور اس کی برکت سے بلا اور مصیبت کو رفع کر دیں گے۔

موت کی رسموں کے مفاسد

اسی طرح موت کی رسموں کے سلسلہ میں جو مفاسد بیان فرمائے گئے ہیں، ان میں مثلاً ایک یہ ہے جس کو عین ثواب خیال کیا جاتا ہے کہ:

''اکثر عادت ہے کہ مرنے کے بعد مردہ کے کپڑے جوڑے یا قرآن مجید وغیرہ نکال کر اللہ کے واسطے دے دیتے ہیں، خوب

www.abulhasanalinadwi.org

سمجھ لو کہ جب کوئی مرجاتا ہے شرع سے جتنے آدمیوں کو اس کی میراث کا حصہ پہنچتا ہے وہ سب اس مردے کی ہر چھوٹی بڑی چیز کے مالک بن جاتے ہیں، اور وہ سب چیزیں ان سب کے ساجھے کی ہو جاتی ہیں، پھر ایک یا دو شخصوں کو کب درست ہوگا کہ ساجھے کی چیز کسی کو دے دیں، اور اگر سب ساجھی اجازت بھی دے دیں لیکن کوئی ان میں نابالغ ہے تب بھی ایسی چیز کا دینا درست نہیں، اور اس کی اجازت کا اعتبار نہیں، اسی طرح اگر سب ساجھی بالغ ہوں لیکن شرما شرمی اجازت دیں تب بھی درست نہیں۔''

یہ بظاہر ایک معمولی مسئلہ اور موٹی بات ہے، لیکن اچھوں اچھوں کی نظر نہیں جاتی، احقر کا گھر الحمدللہ دیندار ہے، اور حضرت والدہ مدظلہا تو غیر معمولی طور سے عابدہ زاہدہ متقیہ ہیں، مگر وہ تک بے تکلف مردہ کی چیزیں ثواب کی نیت سے غریبوں محتاجوں کو دے دیا کرتی تھیں، جب میں نے ایک دفعہ ہمشیرہ کے انتقال کے وقت عرض کیا تب سے خیال فرمانے لگی ہیں۔

ساتویں حصہ کی تجدیدی شان

ساتواں حصہ تحسین اعمال، اصلاح اخلاق و معاشرت و تزکیۂ نفس و تصحیح قلب کا ہے، یہ چیزیں حضرت کے ہاں نہ فقط دین و ایمان کی جان ہیں بلکہ انھیں کا نام تصوف یا درویشی ہے، اس لیے اس حصہ میں پیری مریدی کی نسبت بھی کچھ مختصر ہدایات درج ہیں، ان باتوں سے عوام کیا خواص اور دینداروں تک میں غفلت عام ہے، اس لیے یہ حصہ زیادہ خصوصیت سے اصلاحی و تجدیدی شان کا حامل ہے، اگر گنجائش مانع نہ ہوتی تو اس کا بیشتر حصہ نقل کر دینے کا جی چاہتا ہے، تاہم کچھ ایسے

www.abulhasanalinadwi.org

اقتباسات درج ذیل ہیں جو کم از کم مہلک کوتاہیوں کی نسبت ہماری آنکھوں کو کچھ کھولنے اور حضرت کی تجدیدی نباضی کو سمجھنے کے لیے کافی ہوں۔

نکاح میں مقدم خیال

پہلے عبادات ومعاملات کی تحسین (سنوارنے) کا ذکر ہے، اس میں نکاح کے سلسلہ میں ہدایت ہے کہ "اپنی اولاد کے نکاح میں زیادہ اس کا خیال رکھو کہ دیندار آدمی سے ہو، دولت وحشمت پر زیادہ خیال نہ کرو، خاص کر آج کل زیادہ دولت والے انگریزی پڑھنے سے ایسے بھی ہونے لگے ہیں کہ کفر کی باتیں کرتے ہیں، ایسے آدمی سے نکاح ہی درست نہیں، تمام عمر بدکاری کا گناہ ہوتا رہتا ہے" ہمارے دیندار مسلمان بلکہ علماء ومشائخ تک اس معاملہ میں ذرا اپنے نفس کا ٹھنڈے دل سے محاسبہ فرمائیں کہ کس قماش کے دامادوں کی تلاش وتمنا ہمارے اندر گھر کر گئی ہے!

عادات ومعاشرات کی تحسین

کے سلسلہ میں کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے وغیرہ سب ہی باتوں کے آداب کا تھوڑا تھوڑا بقدر ضرورت بیان ہے، خصوصاً زبان کے بارے میں کہ اس میں زیادہ بے احتیاطیاں بھی ہوتی ہیں، اور ان کی زیادہ پروا بھی نہیں کی جاتی، ارشاد ہے کہ:

> "کسی کو بے ایمان کہنا یا یوں کہنا کہ خدا کی مار، خدا کی پھٹکار، خدا کا غضب پڑے، دوزخ نصیب ہو، خواہ آدمی کو خواہ جانور کو، یہ سب گناہ ہے، جس کو کہا گیا اگر وہ ایسا نہ ہوا تو سب پھٹکار لوٹ کر کہنے والے پر پڑتی ہے، اگر کوئی بیجا بات بدلے میں کہے اتنا ہی کہے، اگر ذرا بھی زیادہ کہا تو گنہگار ہوگی، خوشامد سے کسی کی

www.abulhasanalinadwi.org

تعریف مت کرو، اور پیٹھ پیچھے حد سے زیادہ تعریف مت کرو، کسی سے بحث مت کرو، اپنی بات کو اونچی مت کرو، زیادہ مت ہنسو، اس سے دل کی رونق جاتی رہتی ہے، اپنی کسی چیز یا ہنر پر بڑائی مت کرو، نہ کلام میں بہت طول یا مبالغہ کرو، ضرورت کے بقدر بات کرو، کسی کا عیب دیکھو تو اس کو چھپاؤ، گاتی مت پھرو، دوسروں کو بھی نیک کام بتلاتی رہو، بری باتوں سے منع کرتی رہو، البتہ اگر بالکل قبول کرنے کی امید نہ ہو یا اندیشہ ہو کہ ایذا پہنچائے گی تو خاموشی جائز ہے، مگر دل سے بری بات کو برا سمجھتی رہو، اور بدوں لاچاری ایسے آدمیوں سے نہ ملو''

خیال کیجیے کہ آج کل ان باتوں کا کون خیال کرتا ہے، اور ان کے کتنے مفاسد ہیں، پھر زیادہ بولنے کی برائی کے ذیل میں علاج بھی نہایت حکیمانہ تجویز فرمایا ہے کہ:

''نفس کو زیادہ بولنے میں مزہ آتا ہے، اور اس سے صدہا گناہوں میں پھنس جاتا ہے، جھوٹ، غیبت، کوسنا، طعنہ دینا، اپنی بڑائی جتلانا، خواہ مخواہ کسی سے بحثا بحثی لگانا وغیرہ ان سب آفتوں سے بچنا جب ہی ممکن ہے جب زبان کو روکے، طریقہ یہی ہے کہ جو بات منھ سے نکالنا ہو، جی میں آتے ہی نہ کہہ ڈالے، پہلے خوب سوچ لے کہ اس بات میں کسی طرح کا گناہ ہے یا ثواب، یا نہ گناہ ہے نہ ثواب، اگر تھوڑا یا بہت گناہ ہے تو بالکل اپنی زبان بند کرلو، اگر اندر سے نفس تقاضا کرے تو یوں سمجھاؤ کہ اس وقت تھوڑا سا جی کو مار لینا آسان ہے لیکن دوزخ کا عذاب بہت سخت

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، اگر وہ بات ثواب کی ہے تو کہہ ڈالو، اور اگر نہ گناہ ہے نہ ثواب تو بھی مت کہو اور اگر بہت ہی جی چاہے تو تھوڑی سی کہہ کر چپ ہو جاؤ، ہر بات میں اسی طرح سوچا کرو، تھوڑے دنوں میں بری باتوں سے خود نفرت ہو جائے گی، اور زبان کی حفاظت کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ بلا ضرورت کسی سے نہ ملو، جب تنہائی ہوگی خود ہی زبان خاموش رہے گی۔"

زیادہ بولنا اور بکواس عورتوں کا شدید مرض تو ہے ہی لیکن مردوں کو بھی اس میں اتنا عام ابتلاء ہے کہ اگر مذکورۂ بالا تدبیر وعلاج پر پچاس فیصد بھی عمل کر کے بے محل کلام سے زبان کو بند رکھا جائے تو خدا جانے کتنے انفرادی و اجتماعی، دینی و دنیوی مفاسد کا دروازہ از خود بند ہو جائے۔

نام اور تعریف

چاہنے کی برائی اور اس کا علاج یہ ہے کہ ایسا آدمی:

"دوسرے کے نام وتعریف سے جلتا اور حسد کرتا ہے، جس کی برائی اوپر (حسد کے ذکر میں) سن چکی ہو، اور دوسرے کی برائی اور ذلت سن کر جی خوش ہوتا ہے، یہ سب گناہ کی بات ہے کہ دوسرے کا برا چاہے اور اس میں یہ بھی برائی ہے کہ کبھی ناجائز طریقوں سے نام پیدا کیا جاتا ہے مثلاً شادی وغیرہ میں خوب مال اڑایا، فضول خرچی کی اور وہ مال کبھی رشوت سے جمع کیا، کبھی سودی قرض لیا وغیرہ......

علاج ایک تو یہ ہے کہ یوں سوچئے کہ جن لوگوں کی نگاہ میں ناموری وتعریف ہوگی نہ وہ رہیں گے نہ میں رہوں گی، تھوڑے

www.abulhasanalinadwi.org

دنوں بعد کوئی پوچھے گا بھی نہیں ...... دوسرا علاج یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کردے جو شرع کے خلاف تو نہ ہو مگر لوگوں کی نگاہ میں ذلیل و بدنام ہو جائے، مثلاً بچی ہوئی باسی روٹیاں غریبوں کے ہاتھ سستی بیچنے لگے جس سے خوب رسوائی ہوگی۔"

غرور و شیخی

"اس کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے کو علم، عبادت، دینداری، حسب و نسب، مال و سامان، عزت و آبرو، یا عقل وغیرہ کسی بات میں اوروں سے بڑا سمجھے اور دوسروں کو اپنے سے کم یا حقیر جانے، جو بڑا گناہ ہے، حدیث میں ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا، دنیا میں بھی لوگ ایسے آدمی سے نفرت کرتے ہیں اور اس کے دشمن ہوتے ہیں ......علاج یہ ہے کہ اپنی حقیقت میں غور کرو کہ مٹی اور ناپاک پانی کی پیدائش ہوں، ساری خوبیاں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، اگر وہ چاہیں ابھی سب لے لیں، پھر شیخی کس بات پر کروں، اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی یاد کرو، اس وقت اپنی بڑائی دل میں نہ آئے گی، اور جس کو حقیر سمجھا ہے اس کے سامنے عاجزی کرے اور اس کی تعظیم کرے تو شیخی دل سے نکل جائے گی، اگر زیادہ ہمت نہ ہو تو اپنے ذمہ اتنی پابندی کرلے کہ جب کوئی چھوٹے درجہ کا آدمی ملے، تو اس کو پہلے خود سلام کرلیا کرے، انشاء اللہ اس سے نفس میں بہت عاجزی آجائے گی۔"

www.abulhasanalinadwi.org

ریاکاری

دکھلاوے کے متعلق ہے کہ وہ:

''کئی طرح کا ہوتا ہے، کبھی صاف زبان سے کہ ہم نے قرآن اتنا پڑھا، ہم رات کو اٹھے، کبھی اور باتوں میں ملا ہوتا ہے مثلاً کہیں عرب کے بدوؤں کا ذکر ہو رہا تھا کسی نے کہا نہیں صاحب، یہ سب باتیں غلط ہیں، ہمارے ساتھ ایسا ایسا برتاؤ ہوا، تو اب بات تو ہوئی اور کچھ لیکن اسی میں سب نے جان لیا کہ انھوں نے حج کیا ہے، کبھی کام کرنے سے ہوتا ہے جیسے دکھلاوے کے لیے سب کے سامنے تسبیح لے کر بیٹھ گئی...... قیامت میں ایسے نیک کاموں پر، جو دکھلاوے کے لیے کیے گئے ہوں، ثواب کے بدلے الٹے عذاب ہوگا، علاج وہی ہے جو اوپر نام و تعریف چاہنے کا ہے۔''

پھر نفس کی برائیوں اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کے گناہوں کا ایک آسان علاج یہ تحریر ہے کہ:

''جب نفس سے کوئی شرارت اور برائی یا گناہ کا کام ہو جائے، اس کو کچھ سزا دیا کرے، اور دو سزائیں آسان ہیں کہ ہر شخص کر سکتا ہے، ایک تو یہ کہ کبھی کوئی بری بات ہو جایا کرے تو اپنے ذمہ کچھ آنہ دو آنے، روپیہ دو روپئے جیسی حیثیت ہو جرمانے کے طور پر ٹھہرا لے، جو غریبوں کو بانٹ دیا کرے، دوسری سزا یہ ہے کہ ایک یا دو وقت کھانا نہ کھایا کرے، ان سزاؤں کے اہتمام و پابندی سے انشاء اللہ سب برائیاں چھوٹ جائیں گی۔''

www.abulhasanalinadwi.org

ان بری باتوں پر تنبیہ اور ان کے علاج کے بعد پھر ایسی باتوں کا بیان ہے:

توبہ

''جن سے دل سنورتا ہے، مثلاً توبہ اور اس کا طریقہ کہ زبان سے صرف توبہ کہہ لینا کافی نہیں، بلکہ ''گناہوں کے عذاب کو یاد کرے اور سوچے جس سے دل دکھے گا، اس وقت چاہیے کہ زبان سے بھی توبہ کرے، اور جو نماز روزہ وغیرہ قضا ہوا ہو، اس کو بھی قضا کرے، اگر بندوں کے حقوق ضائع ہو گئے ہوں ان کو ادا کرے، یا معاف کرائے، اور جو ایسے گناہ ہو گئے ہوں ان پر خوب کُڑھے اور رونے کی شکل بنا کر خدا تعالیٰ سے خوب معافی مانگے۔''

صبر کے معنی

لوگ بالعموم کسی مصیبت پر جزع وفزع نہ کرنے کو جانتے ہیں، حالانکہ اصل میں

''صبر نفس کو دین کی باتوں پر پابند رکھنا اور دین کے خلاف اس سے کام نہ ہونے دینا ہے، اور اس کے کئی مواقع ہیں، ایک یہ کہ آدمی چین وامن کی حالت میں ہو...... تو ایسے وقت کا صبر یہ ہے کہ دماغ خراب نہ ہو جائے، غریبوں کو حقیر نہ سمجھے۔''

اسی طرح کچھ اور دوسرے مواقع کی تفصیل ہے۔

خدا پر بھروسہ

رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ:

''بدون خدا تعالیٰ کے ارادہ کے نہ کوئی نفع حاصل ہو سکتا ہے نہ

www.abulhasanalinadwi.org

نقصان پہنچ سکتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ جو کام کرے اپنی تدبیر پر بھروسہ نہ کرے، نظر اللہ تعالیٰ ہی پر رکھے اور کسی مخلوق سے نہ زیادہ امید رکھے نہ کسی سے زیادہ ڈرے، یہ سمجھ لے کہ بدون خدا کے چاہے کوئی کچھ نہیں کرسکتا......طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کو اور مخلوق کے ناچیز و بے بس ہونے کو خوب سوچا کرے اور یاد کیا کرے۔"

سچی نیت کے معنی

یہ ہیں کہ: "دین کا جو کام کرے اس میں اپنا کوئی مطلب نہ ہو، نہ تو دکھلاوا ہو نہ ایسا کوئی مطلب ہو جیسے پیٹ میں گرانی ہو کہا لاؤ روزہ رکھ لیں، نماز کے وقت گرمی میں تازہ وضو کرلیا کہ وضو بھی تازہ ہوجائے گا اور ہاتھ پاؤں بھی ٹھنڈے ہوجائیں گے، یا کسی سائل کو اس لیے دیا کہ اس کے تقاضے سے جان بچی، یہ سب باتیں سچی نیت کے خلاف ہیں، طریقہ یہ ہے کہ کام کرنے سے پہلے خوب سوچ لیا کرے، اگر کسی ایسی بات کا میل پائے تو اس کو دل سے صاف کرلے۔"

مراقبہ

یعنی دل سے خدا کا دھیان رکھنا یہ ہے کہ:

"ہر وقت یہ دھیان رکھے کہ اللہ کو میرے ہر کام کی خبر ہے، دل کی بھی، ظاہر کی بھی، اگر برا کام کیا یا برا خیال دل میں لائے شاید اللہ تعالیٰ دنیا یا آخرت میں سزا دیں، دوسرے عبادت کے وقت یہ دھیان رکھے کہ وہ میری عبادت کو دیکھ رہے ہیں، اچھی طرح

www.abulhasanalinadwi.org

بجا لانا چاہیے، طریقہ یہی ہے کہ کثرت سے ہر وقت یہ سوچا
کرے، تھوڑے دنوں میں دھیان بندھ جائے گا، پھر انشاء اللہ
کوئی بات اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہوگی۔''

اسی طرح خدا سے خوف ورجا، محبت ورضا، شکر وغیرہ سب کا تھوڑا تھوڑا بقدر ضرورت اور عام غلطیوں سے پاک کرنے کا ذکر ہے، پیری ومریدی کا بھی تھوڑا سا بیان ہے۔

پیری ومریدی

''پیر سے لوگ یا تو دنیاوی حاجت برآنے کی توقع رکھتے ہیں، یا
مرید ہونے کا یہ مطلب جانتے ہیں کہ آخرت میں پیر ہم کو
بخشوائیں گے۔''

اس لیے پہلے مرید ہونے کے صحیح فائدے بیان کیے گئے ہیں، مثلاً:

''پہلا یہ ہے کہ دل سنوارنے کے لیے اوپر جو طریقے بیان کیے
گئے ہیں اس کو برتنے میں کبھی کم سمجھی میں غلطی ہو جاتی ہے، پیر
اس کا ٹھیک راستہ بتلا دیتا ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ کتاب پڑھنے
سے بعض دفعہ اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا پیر کے بتلانے سے ہوتا
ہے، ایک تو اس کی برکت ہوتی ہے، پھر یہ بھی خوف ہوتا ہے کہ
اگر کوئی نیک کام میں کمی یا بری بات کی، پیر سے شرمندگی ہوگی۔''

اسی طرح مریدی کے اور کئی اصلی فوائد بیان کرنے کے بعد یہ بتلایا گیا ہے کہ پیر میں کیا کیا باتیں دیکھنی چاہئیں، جن میں دین کے مسائل سے ضروری واقفیت اور شریعت کی پابندی عقیدہ کی صحت وغیرہ کا دیکھنا ہے، یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ:

''جو کہہ دیتے ہیں وہی ہو جاتا ہے، ایک چھو کر دیتے ہیں تو بیاری

www.abulhasanalinadwi.org

جاتی رہتی ہے، جس کام کے لیے تعویذ دیتے ہیں وہ مرضی کے موافق ہوجاتا ہے، ایسی توجہ دیتے ہیں کہ آدمی لوٹ پوٹ ہوجاتا ہے، ان تاثیروں سے کبھی دھوکہ مت کھانا۔" نیز: "اس پیر میں یہ بات بھی ہو کہ دین کی نصیحت کرنے میں مریدوں کا لحاظ و ملاحظہ نہ کرتا ہو اور بے جا بات سے روک دیتا ہو۔"

اگر پیر کوئی وظیفہ یا ذکر بتلائے اور کچھ مدت تک اس کا اثر یا مزہ دل میں کچھ نہ معلوم ہو تو اس سے تنگ دل یا پیر سے بد اعتقاد نہ ہو، بلکہ یوں سمجھو کہ بڑا اثر یہی ہے کہ اللہ کے نام لینے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے، اور اس نیک کام کی توفیق ہوتی ہے، اور ایسے اثر کبھی کا کبھی دل میں خیال نہ لائے کہ مجھ کو خواب میں بزرگوں کی زیارت ہوا کرے، ہونے والی باتیں معلوم ہوجایا کریں، خوب رونا آئے، عبادت میں ایسی بے ہوشی ہوجائے کہ دوسری چیزوں کی خبر نہ رہے، کبھی کبھی یہ باتیں بھی ہوجاتی ہیں اور کبھی نہیں ہوتیں، اگر ہوجائیں خدا تعالیٰ کا شکر بجالائے اور اگر نہ ہوں یا ہو کر کم ہوجائیں یا جاتی رہیں، تو غم نہ کرے، البتہ اگر خدا نہ کرے شرع کی پابندی میں کمی ہونے لگے یا گناہ ہونے لگیں تو یہ بات البتہ غم کی ہے، جلدی ہمت کر کے حالت درست کرے اور پیر کو اطلاع دے اور وہ جو بات بتلائیں اس پر عمل کرے۔"

دیکھو اقتباسات بالا کے ہر ہر جزء میں جہاں کہیں بھی کوئی دینی فساد یا غلط فہمی راہ پا گئی ہے کس طرح اس کو تجدیدی نگاہ نے پکڑ لیا اور اس کی اصلاح و احیاء کی خدمت انجام دی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مسلمان کی زندگی

اس کے بعد چالیس ہدایات بطور خلاصہ ایسی درج فرمائی گئی ہیں جو نہ صرف مرید بلکہ مسلمان کی زندگی کا دستور العمل ہیں کہ مسلمان کی زندگی کیسی ہونی چاہیے اور اس کو دن رات کیسے رہنا چاہیے:۔

''ہر مسلمان کو چاہیے کہ: ۱-ضرورت کے موافق دین کا علم حاصل کرے، خواہ کتاب پڑھ کر یا عالموں سے پوچھ پوچھ کر۔ ۲-سب گناہوں سے بچے۔ ۳-اگر کوئی گناہ ہو جائے فوراً توبہ کرے۔ ۴-کسی کا حق نہ رکھے، کسی کو زبان سے یا ہاتھ سے تکلیف نہ دے نہ کسی کی برائی کرے۔ ۵-مال کی محبت اور نام کی خواہش نہ رکھے، نہ بہت اچھے کھانے کپڑے کی فکر میں رہے۔ ۶-اگر اس کی خطا پر کوئی ٹوکے تو بات نہ بنائے، فوراً اقرار اور توبہ کرے۔ ۷-بدون سخت ضرورت کے سفر نہ کرے، سفر میں بہت باتیں بے احتیاطی کی ہوتی ہیں، بہت سے نیک کام چھوٹ جاتے ہیں، وظیفوں میں خلل پڑتا ہے، وقت پر کوئی کام نہیں ہوتا۔ ۸-بہت نہ ہنسے نہ بولے، خاص کر نامحرم سے بے تکلفی کی باتیں نہ کرے۔ ۹-کسی سے جھگڑا، تکرار نہ کرے۔ ۱۰-شرع کا ہر وقت خیال رکھے۔ ۱۱-عبادت میں سستی نہ کرے۔ ۱۲-زیادہ وقت تنہائی میں رہے۔ ۱۳-اگر اوروں سے ملنا جلنا پڑے تو سب سے عاجزی کے ساتھ ملے، سب کی خدمت کرے بڑائی نہ جتلائے۔ ۱۴-اور امیروں سے تو بہت ہی کم ملے۔ ۱۵-بددین آدمی سے تو دور بھاگے۔ ۱۶-دوسروں کا عیب نہ

www.abulhasanalinadwi.org

ڈھونڈے، کسی پر بدگمانی نہ کرے، اپنے عیبوں کو دیکھا کرے اور ان کی درستی کیا کرے۔ ۱۷- نماز کو اچھی طرح، اچھے وقت، دل سے، پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا بہت خیال رکھے۔ ۱۸- دل اور زبان سے ہر وقت اللہ کی یاد میں رہے، کسی وقت غافل نہ ہو۔ ۱۹- اگر اللہ کے نام میں مزا آئے، دل خوش ہو تو اللہ کا شکر بجالائے۔ ۲۰- بات نرمی سے کرے۔ ۲۱- سب کاموں کے لیے وقت مقرر کرلے اور پابندی سے اس کو نباہے۔ ۲۲- جو کچھ رنج وغم، نقصان پیش آئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانے، پریشان نہ ہو، اور یوں سمجھے کہ اس میں مجھ کو ثواب ملے گا۔ ۲۳- ہر وقت دل میں دنیا کے حساب وکتاب اور دنیا کے کاموں کا ذکر مذکور نہ رکھے، بلکہ خیال بھی اللہ ہی کا رکھے۔ ۲۴- جہاں تک ہوسکے دوسروں کو فائدہ پہنچائے، خواہ دنیا کا یا دین کا۔ ۲۵- کھانے پینے میں نہ اتنی کمی کرے کہ کمزور یا بیمار ہوجائے نہ اتنی زیادتی کرے کہ عبادت میں سستی ہونے لگے۔ ۲۶- خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے طمع نہ کرے، نہ کسی کی طرف خیال دوڑائے کہ فلاں جگہ سے ہم کو یہ فائدہ ہوجائے۔ ۲۷- خدا تعالیٰ کی تلاش میں بے چین رہے۔ ۲۸- نعمت تھوڑی ہو یا بہت اس پر شکر بجالائے اور فقر وفاقہ سے دل تنگ نہ ہو۔ ۲۹- جو اس کی حکومت میں ہیں ان کی خطا وقصور سے درگزر کرے۔ ۳۰- کسی کا عیب معلوم ہوجائے تو چھپائے، البتہ اگر کوئی کسی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے اور تم کو معلوم ہوجائے تو اس

www.abulhasanalinadwi.org

سے کہہ دو۔ ۳۱- مہمانوں، مسافروں اور غریبوں اور عالموں اور درویشوں کی خدمت کرے۔ ۳۲- نیک صحبت اختیار کرے۔ ۳۳- ہر وقت خدائے تعالیٰ سے ڈرا کرے۔ ۳۴- موت کو یاد رکھے۔ ۳۵- کسی وقت بیٹھ کر روز کے روز اپنے دن بھر کے کاموں کو سوچا کرے، جو نیکی یاد آئے اس پر شکر کرے، گناہ پر توبہ کرے۔ ۳۶- جھوٹ ہر گز نہ بولے۔ ۳۷- جو محفل خلاف شرع ہو، وہاں ہر گز نہ جائے۔ ۳۸- حیا اور بردباری سے رہے۔ ۳۹- ان باتوں پر مغرور نہ ہو کہ میرے اندر ایسی خوبیاں ہیں۔ ۴۰- اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ نیک کام پر قائم رکھیں۔

مسلمان کی دنیوی ترقی بھی دین ہی سے ہے

سوچنے کی بات ہے کہ اگر آج مسلمان ان چیزوں کا اپنی شخصی وخانگی زندگی میں صد فی صد کیا، آدھا تہا کا بھی لحاظ واہتمام رکھیں تو ان کی دین ودنیا کی فلاح وترقی کہاں سے کہاں تک پہنچ جائے اور ان کے کتنے انفرادی واجتماعی مفاسد کی سرے سے جڑ ہی کٹ جائے، پھر کیا ان باتوں کے اختیار کرنے کے لیے بجز اپنے اختیار وہمت کو کام میں لانے کے لیے کسی انجمن وچندہ وجلسہ وجلوس کی کوئی ضرورت ہے؟ کیا ان میں حکومت یا غیر مسلموں سے کوئی مقابلہ وتصادم یا ان سے موالات یا ترک موالات کا سوال ہے؟ اگر ہم صرف اپنی اپنی شخصی ومنزلی زندگی میں وہ بھی صرف اپنے اختیار کی حد تک محض اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موالات کی کمر کس لیں تو پھر ایک نسل ہی میں دیکھ لے سکتے ہیں کہ اللہ کی نصرت کا وعدہ کس طرح پورا ہوتا ہے، دنیا کی ترقی جس کے پیچھے ہم نے غیروں کی دیکھا دیکھی دین وآخرت، خدا ورسول سب کو پس پشت ڈال رکھا ہے، اور یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہماری دنیاوی ترقی بھی غیروں کی طرح

www.abulhasanalinadwi.org

ان کی نقالی میں، جلسہ بازیوں، انجمن سازیوں اور طرح طرح کے اسکولوں کالجوں، یونیورسٹیوں اور سیاسی اداروں کے قائم کرنے میں ہے تو یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے ساتھ معاملہ غیروں کا نہیں، ہماری دنیاوی ترقی کی راہ بھی دین اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامے رہنے ہی میں ہے، اور حضرت علیہ الرحمہ کو تو اس پر اتنا کامل و واثق یقین تھا کہ قسم کھا کھا کر متنبہ و متوجہ فرمایا کرتے تھے۔

"ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مسلمانوں کی شان کے خلاف ہے کہ وہ دوسری قوموں کی روش اختیار کریں یا ان کی تدابیر ترقی کو اپنا ذریعۂ ترقی بنائیں یا ان سے کسی قسم کی امداد کے خواہاں ہوں، بڑے غیرت کی بات ہے، ان کو تو حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے، مشروع تدابیر اختیار کرنا چاہیے، اپنے سلف کے کارناموں کو پیش نظر رکھنا چاہیے، اسی میں ان کی خیر و فلاح اور بہبود ہے، جو سبق مسلمانوں کو تعلیم کیا گیا ہے اس میں قوت بھی ہے شجاعت بھی ہے، سب کچھ ہے، اس میں ہم کو یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ سامان سے غلبہ نہیں ہوا کرتا، بلکہ غلبہ ہوتا ہے قوت قلب سے اور قوت قلب میسر ہوتی ہے خدا کے ساتھ تعلق بڑھانے سے، اور خدا کے ساتھ تعلق بڑھتا ہے ان کے احکام کی اتباع کرنے، ان کی بتائی ہوئی تدابیر پر عمل کرنے سے، مگر مسلمانوں کے قلوب میں اس چیز کو کیسے اتار دوں، میں خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے قسم کھاتا ہوں کہ اگر سب مسلمان احکام حق پر عمل پیرا ہو جائیں اور ان کے راضی کرنے کی سعی و کوشش میں لگ جائیں تو چند روز میں انشاء اللہ کایا پلٹ جائے۔"

www.abulhasanalinadwi.org

حتی کہ اگر رضائے حق اور خالص اتباع کی نیت نہ بھی ہو تو بھی مشروع طریق اور تدابیر اپنا اثر دکھلائے بغیر نہیں رہ سکتیں، فرماتے ہیں کہ:

"اگر بہ نیت اتباع ایسا نہ کریں تو ایک تدبیر ہی کا درجہ سمجھ کر کر کے دیکھ لیں، آخر اور بھی تدابیر کر رہے ہو، ایک یہ بھی سہی، تمہارا مقصود تو یہ ہے کہ مقاصد میں کامیابی نصیب ہو، تو جب کہ تمہاری خود ساختہ پرداختہ تدابیر میں اب تک کامیابی نہیں ہوئی، تو اللہ و رسول کی بتلائی ہوئی تدابیر کو تدابیر ہی کی نیت سے کر کے دیکھ لو کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اگر کامیابی نہ ہوگی چھوڑ دینا پھر بھی تو اختیار میں ہوگا، لیکن کر کے دیکھو تو، کرنے سے پھانسی کیوں لگتی ہے، مرے کیوں جاتے ہو، کوئی پکڑ کر تھوڑا ہی تم کو بٹھلا لے گا، بہت دنوں تک بتوں کی پرستش کر کے تجربہ کر لیا اب ذرا خدا کو بھی پوج کر دیکھ لو، اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

سالہا تو سنگ بودی دل خراش

آزمودن را یک زمانے خاک باش"(۱)

پھر آگے فرماتے ہیں کہ:

"کوئی انگریزوں کی بغل میں جا کر گھستا ہے کہ ان کے پاس ہماری فلاح و بہبود کے اسباب ہیں، ان کی سی بول چال، ان کا سا لباس، ان کی سی معاشرت اختیار کرتا ہے، کوئی ہندوؤں کی بغل میں جا کر گھستا ہے کہ ان کے ساتھ رہنے میں ہماری فلاح و بہبود ہے، ان کے ساتھ شریک ہو کر احکام اسلام تک کو پامال

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۴۷ حصہ/۵

www.abulhasanalinadwi.org

کر لینے کو تیار ہوتے ہیں، حتی کہ ایمان تک ان کی نذر کر دیا، مگر رہے کورے کے کورے، نہ انگریزوں سے کچھ ملا نہ ہندوؤں نے کچھ دیا۔"(۱)

غرض مسلمانوں کی دنیا کی فلاح بھی دین کے راستہ ہی سے ممکن ہے۔

مسلمانوں کا سب سے بڑا مرض

اس زمانہ میں خود اپنے اور اپنے اہل وعیال واتباع کے دین سے غفلت ہے جس کی پروا ان کو اتنی بھی نہیں ہوتی جتنا بظاہر فلسطین اور جاوا دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے شور وغل مچاتے ہیں، عجیب بات ہے کہ فلسطین اور جاوا کے مسلمانوں سے تمہارا اگر کوئی خاص تعلق ہے تو دین ہی کا، لیکن جب ہم کو خود اپنے دین ہی کی فکر نہیں تو ان کے لیے شور وغل جلسہ وجلوس کو دین پر کیسے مبنی قرار دیا جائے، سوا اس کے کہ اس چودھویں صدی کا یہ بھی بہت بڑا دجالی فتنہ ہے کہ دین کو بھی قوم اور قومیت وسیاست کا لباس پہنا دیا گیا ہے، اور مسلمان کی مسلمانوں کے ساتھ دینی نہیں، قومی وسیاسی ہمدردی فرائض قومیت وسیاست میں داخل ہے۔

جس زمانہ میں کانپور کی مسجد کا واقعہ پیش آیا، راقم ہذا سری نگر (کشمیر) میں تھا، اسی زمانہ میں انگریزی کے ایک اعلی تعلیم یافتہ اور دین کے منکر نام کے مسلمان بھی وہاں سیاحتاً آئے ہوئے تھے، جو اکثر مخدومی شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی مرحوم سے ملنے جلنے آجایا کرتے اور مسجد کانپور کے معاملہ میں بڑے جوش وخروش کا اظہار کرتے، میں نے کہا کہ آپ کو تو سرے سے دین اور اصول دین ہی پر اعتقاد نہیں، پھر مسجد کے معاملہ میں آپ کے مجاہدانہ جوش وخروش کے کیا معنی؟ فرمایا کیا میں قوماً بھی مسلمان نہیں ہوں!

---

(۱) الافاضات الیومیہ ص/۳۸ حصہ/۵

www.abulhasanalinadwi.org

کیا عرض کیا جائے، ہمارے جدید تعلیم یافتہ جو صریح انکار والحاد کی اس حد کو نہیں بھی پہنچے ہیں، ان کا اسلام بھی بالعموم بس قومی وسیاسی اسلام ہو کر رہ گیا ہے، اس لیے خود اپنے اور اپنے اہل وعیال اور اتباع یا محکوموں کے دین وآخرت کا اتنا دردوغم بھی نہیں ہوتا جتنا ہزاروں میل کے دور مسلمانوں کی قومی وسیاسی غلامی کا ہوتا ہے، دین نام تھا دنیا کو بالکلیہ اس کے تابع رکھنے کا، اب الٹ کر دین ہی کو دنیا کے تابع بنا دیا گیا ہے۔

دین کی جان

اصل یہ ہے کہ دین کی جان یوم دین پر ایمان یا آخرت کا یقین ہے، لیکن یہ عقیدہ اتنا بے جان ہو کر رہ گیا ہے کہ مشکل ہی سے ہم کو اپنی دن رات کی زندگی میں کبھی اس کا خیال آتا ہے کہ اس فانی زندگی کا دامن موت کے بعد ایک غیر فانی زندگی سے بندھا ہوا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ نہ موت کی فکر، نہ اس کے بعد حساب وکتاب کا اندیشہ، نہ جنت ودوزخ یا جزا وسزا کی پروا، گویا قرآن وحدیث کا سارا دفتر جو دراصل آخرت کی زندگی کے بناؤ بگاڑ سے وابستہ اور اسی کے تعلیمات سے بھرا ہوا ہے (معاذ اللہ) ایک بے معنی افسانہ ہے، انگریزی خوانوں اور دنیا داروں کا ذکر ہی کیا، اچھے اچھے علمائے دین کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اسلام کے دنیاوی منافع وبرکات سے تو رطب اللسان رہتے ہیں، لیکن دوزخ وجنت کا نام مشکل سے زبان پر آتا ہے، اور وہاں کی نعمتوں اور مصیبتوں کی تفصیل تو شاید اب کسی کٹھ ملا ہی کی زبان پر آتی ہو، ہم کو اپنے مرنے والوں تک کا غم زیادہ تر محض ان کی زندگی کے دنیاوی منافع واقعی یا متوقع یا طبعی تعلقات کی بنا پر ہوتا ہے، باقی ان کی ذات کا غم شاید ہی کسی کو ہوتا ہو، اس کی بدولت سارا دین شجر بے ثمر ہو کر رہ گیا ہے، اور توحید ورسالت تک کا اجمالی ایمان بے جان بن گیا ہے، اغیار کی نقالی میں دینی اصول وحدود سے قطع نظر کر کے جس طرح کی قومی وسیاسی سرگرمیوں کے سیلاب میں بہے جا رہے ہیں، انھوں نے اور بھی آخرت کی فکر واعتقاد

www.abulhasanalinadwi.org

سے غافل بنا دیا ہے، کل کی بات ہے کہ امین آباد (لکھنؤ) کی طرف جانا ہوا تو عین مغرب کے وقت الیکشن کے ہنگامہ میں کسی طرف سنی بورڈ کی لاریاں دوڑ رہی ہیں، اور ان کے انتخابی نعرے آسمان پھاڑ رہے تھے، اور کسی طرف سے پاکستان زندہ باد، جناح زندہ باد کا شور تھا، لیکن شاید ہی ان نعرہ باز مجمعوں میں کوئی بندۂ خدا ایسا ہو جس نے ٹھیک اسی وقت مسجدوں کے اندر سے مؤذن کی جو پکار بلند تھی، اس کی طرف کان لگائے ہوں کہ یہ کون اور کدھر بلا رہا ہے!

خود یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت و آخرت کے عقیدہ کے احیاء و تجدید کے بغیر دین کا نام لے کر اس طرح مسلمانوں کی ساری دوڑ دھوپ یا سعی حیات دنیا ہی میں گم ہوتی رہے گی، اور سب سے سنگین گمراہی یہ ہے کہ اس کو عین دین خیال کیا جانے لگا، (وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا) دین تو یوم دین کے ایمان کو تازہ و زندہ کرنے ہی سے زندہ ہو سکتا اور رہ سکتا ہے۔

حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمہ کے نہ صرف کثرت سے حیات آخرت پر مستقل مواعظ الحیاۃ، شوق لقاء، مظاہر الآمال، ہمّ الآخرۃ، تذکرۃ الآخرۃ، الرضا بالدنیا، حبّ العاجلۃ، ازالۃ الغفلۃ، ذکر الموت وغیرہ کے ناموں سے ہیں، بلکہ کوئی وعظ شاید ہی اس پر تنبیہ اور اس کی طرف توجہ دلانے سے خالی ہوتا ہوگا، اور نہ کوئی مجلس آخرت کے عذاب و ثواب کے ذکر سے خالی جاتی تھی، اکثر فرماتے کہ بھائی میں تو چھوٹی سی چھوٹی مصیبت میں بھی وہاں کے ثواب ہی کو یاد کر کے تسلی حاصل کرتا ہوں۔

المولد البرزخی

ساری دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ناسوتی یا دنیوی کے سلسلہ میں جشن میلاد مناتی اور مجالس میلاد منعقد کرتی ہے، اور بعض اس سلسلہ میں وفات کے ذکر تک کو معیوب جانتے ہیں، لیکن حضرت علیہ الرحمہ کا ایک بڑا لطیف و دلچسپ وعظ

www.abulhasanalinadwi.org

المولد البرزخی کے نام سے ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر آخرت یا وفات کو عین ولادت بلکہ اس ولادتِ ناسوتیہ کے مقابلہ میں اس کو "اہم و اعظم، اقویٰ و ابقیٰ، اصفیٰ و اکمل" قرار دیا گیا ہے، اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ملکوتیہ کے کمالات و فضائل بیان فرمائے گئے ہیں، اور بتلایا گیا ہے کہ ولادت ناسوتیہ کے کمالات و فضائل دراصل اسی اکمل و اعلیٰ ولادت ملکوتیہ کا مقدمہ ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کس کی حیات دنیا عین دین ہو سکتی ہے، مگر یہ عین دین اسی لیے تو تھی کہ ساری تعلیمات اور زندگی کا مطمح نظر دنیا اور حیاتِ دنیا نہیں بلکہ یوم دین یا حیاتِ آخرت تھی۔

قربِ قیامت کی نشانیاں

بہشتی زیور جو دراصل حضرت کی ساری اصلاحی و تجدیدی عمارت کا سنگ بنیاد ہے، اس میں نہ صرف موت اور قیامت کے حساب و کتاب، بہشت و دوزخ کو یاد رکھنے کی تاکید صحیح حدیثوں سے فرمائی گئی ہے، اور نہ صرف نفس قیامت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں بلکہ قرب قیامت کی نشانیوں کا خاصا تفصیلی ذکر ہے، تا کہ ان نشانیوں کو دیکھ کر قیامت کو دور نہ جانیں، اور اس سے غافل نہ ہوں، یوں تو اصل میں قیامت و آخرت کی نشانیوں کا ظہور دنیا کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی سے شروع ہو گیا، لیکن جیسا جیسا بُعد بڑھتا جاتا ہے، ان نشانیوں میں اشتداد ہوتا جاتا ہے، اور بعض تو اب دن دوپہر کی طرح روشن ہیں، مثلاً:

> "لوگ خدائی مال کو اپنی مِلک سمجھنے لگیں، زکوٰۃ کو ڈانڈ کی طرح بھاری سمجھیں، امانت کو اپنا مال سمجھیں، مرد بیوی کی تابعداری اور ماں کی نافرمانی کرے، باپ کو غیر سمجھیں اور دوست کو اپنا، دین کا علم دنیا کمانے کو حاصل کریں، سرداری اور حکومت ایسوں

www.abulhasanalinadwi.org

کو ملے جو سب میں نکمے یعنی بدذات لالچی اور بدخلق ہوں، جو جس کام کے لائق نہ ہو وہ کام اس کے سپرد ہو، ظالموں کی تعظیم اور خاطر اس خوف سے لوگ کریں کہ یہ ہم کو تکلیف نہ پہنچائیں، شراب کھلم کھلا پی جانے لگے، ناچنے گانے والی عورتوں کا رواج ہو (جواب ڈانس و میوزک کے نام سے شرفاء کی بہو بیٹیوں تک میں چل پڑا ہے بلکہ عزت و ہنر سمجھا جانے لگا ہے، اعاذنا اللہ) پچھلے لوگ امت کے پہلے بزرگوں کو برا بھلا کہنے لگیں...... دین کا علم کم ہو جائے، جھوٹ بولنا ہنر سمجھا جائے اور امانت کا خیال دلوں سے جاتا رہے، حیا و شرم جاتی رہے، سب طرف کافروں کا زور ہو جائے اور جھوٹے جھوٹے طریقے نکلنے لگیں، سب ملکوں میں نصاریٰ کی عملداری ہو جائے۔" (۱)

کیا آج قرب قیامت کی ان نشانیوں کو دیکھنے کے لیے کسی خوردبین یا دوربین کی ضرورت رہ گئی ہے!

اس کے بعد تھوڑا تھوڑا خود خاص قیامت کے دن اور بہشت کی نعمتوں اور دوزخ کی مصیبتوں کا ذکر ہے۔

پورا مسلمان

پھر مشہور حدیث کے تحت میں کہ ایمان کے ستر شعبے ہیں، اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ:

"جب اتنی باتیں ایمان سے علاقہ رکھتی ہیں تو پورا مسلمان وہی ہوگا جس میں سب باتیں ہوں اور جس میں کوئی بات ہو کوئی نہ

(۱) منقول از قیامت نامہ شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ تعالیٰ، الافاضات الیومیہ۔ ص/۶۳ حصہ/ ۷

www.abulhasanalinadwi.org

ہو وہ ادھورا مسلمان ہے، اور یہ سب جانتے ہیں کہ مسلمان پورا ہی ہونا ضروری ہے، اس لیے ہر ایک کو لازم ہے کہ ان سب باتوں کو اپنے اندر پیدا کرے اور کوشش کرے کہ کسی بات کی کسر نہ رہ جائے، اس لیے ہم ان باتوں کو لکھ کر بتلا دیتے ہیں، وہ سب سات اوپر ستر ہیں، تیس تو دل سے متعلق ہیں اور سات زبان سے اور باقی سارے جسم سے۔

دل کے متعلق یہ ہیں:

۱-اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ ۲-یہ اعتقاد رکھنا کہ خدا تعالیٰ کے سوا سب چیزیں پہلے ناپید تھیں پھر خدا کے پیدا کرنے سے پیدا ہوئیں۔ ۳-یہ یقین کرنا کہ خدا تعالیٰ نے جتنی کتابیں پیغمبروں پر اتاریں، سب سچی ہیں، البتہ اب قرآن کے سوا اوروں کا حکم نہیں رہا۔ ۴-یہ یقین کرنا کہ سب پیغمبر سچے ہیں البتہ اب فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کا حکم ہے۔ ۵-یہ یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ کو سب باتوں کی پہلے ہی سے خبر ہے۔ ۶-اور جو ان کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ۷-یہ یقین کرنا کہ قیامت آنے والی ہے۔ ۸-جنت کا ماننا۔ ۹-دوزخ کا ماننا۔ ۱۰-اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا۔ ۱۱-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا۔ ۱۲-اور کسی سے اگر محبت یا دشمنی کرے تو اللہ کے واسطے کرنا۔ ۱۳-ہر کام میں نیت دین ہی کی کرنا۔ ۱۴-گناہوں پر پچھتانا۔ ۱۵-خدا تعالیٰ سے ڈرنا۔ ۱۶-خدا تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنا۔ ۱۷-شرم کرنا۔ ۱۸-نعمت کا شکر کرنا۔ ۱۹-عہد پورا کرنا۔ ۲۰-صبر

www.abulhasanalinadwi.org

کرنا۔ ۲۱- اپنے کو اوروں سے کم سمجھنا۔ ۲۲- مخلوق پر رحم کرنا۔ ۲۳- جو کچھ خدا کی طرف سے ہو اس پر راضی رہنا۔ ۲۴- خدا پر بھروسہ کرنا۔ ۲۵- اپنی کسی خوبی پر نہ اترانا۔ ۲۶- کسی سے کینہ کپٹ نہ رکھنا۔ ۲۷- کسی پر حسد نہ کرنا۔ ۲۸- غصہ نہ کرنا۔ ۲۹- کسی کا برا نہ چاہنا۔ ۳۰- دنیا سے محبت نہ رکھنا۔

زبان سے متعلق سات باتیں یہ ہیں:

۱- زبان سے کلمہ پڑھنا۔ ۲- قرآن کی تلاوت کرنا۔ ۳- علم سیکھنا۔ ۴- علم سکھلانا۔ ۵- دعاء کرنا۔ ۶- اللہ کا ذکر کرنا۔ ۷- لغو اور گناہ کی بات سے جیسے جھوٹ، غیبت، گالی، کوسنا، خلاف شرع گانا ان سب سے بچنا۔

باقی سارے جسم سے متعلق چالیس باتیں یہ ہیں:

۱- وضو کرنا، غسل کرنا، کپڑے کا پاک رکھنا۔ ۲- نماز کا پابند رہنا۔ ۳- زکوٰۃ وصدقۂ فطر دینا۔ ۴- روزہ رکھنا۔ ۵- حج کرنا۔ ۶- اعتکاف کرنا۔ ۷- جہاں رہنے میں دین کی خرابی ہو وہاں سے چلے جانا۔ ۸- خدا کی منت پوری کرنا۔ ۹- جو قسم گناہ کی بات پر نہ ہو اس کو پوری کرنا۔ ۱۰- ٹوٹی ہوئی قسم کا کفارہ دینا۔ ۱۱- جتنا بدن ڈھانکنا فرض ہے اس کو ڈھانکنا۔ ۱۲- قربانی کرنا۔ ۱۳- مردے کا کفن دفن کرنا۔ ۱۴- کسی کا قرض آتا ہو، اس کو ادا کرنا۔ ۱۵- لین دین میں خلاف شرع باتوں سے بچنا۔ ۱۶- سچی گواہی کا نہ چھپانا۔ ۱۷- اگر نفس تقاضا کرے نکاح کر لینا۔ ۱۸- جو اپنی حکومت میں ہیں ان کا حق ادا کرنا۔ ۱۹- ماں باپ کو

www.abulhasanalinadwi.org

آرام پہنچانا۔ ۲۰-اولاد کی پرورش کرنا۔ ۲۱-ناتے داروں سے بدسلوکی نہ کرنا۔ ۲۲-آقا کی تابعداری کرنا۔ ۲۳-انصاف کرنا۔ ۲۴-مسلمانوں کی جماعت سے الگ کوئی طریقہ نہ نکالنا۔ ۲۵-حاکم کی تابعداری کرنا مگر خلاف شرع باتوں میں نہ کرے۔ ۲۶-لڑنے والوں میں صلح کرانا۔ ۲۷-نیک کام میں مدد دینا۔ ۲۸-نیک راہ بتلانا، بری باتوں سے روکنا۔ ۲۹-اگر حکومت ہو شرع کے موافق سزا دینا۔ ۳۰-اگر وقت آئے دین کے دشمنوں سے لڑنا۔ ۳۱-امانت کا ادا کرنا۔ ۳۲-ضرورت والے کو قرض دینا۔ ۳۳-پڑوسی کی خاطر داری رکھنا۔ ۳۴-آمدنی پاک لینا۔ ۳۵-خرچ شرع کے موافق کرنا۔ ۳۶-سلام کا جواب دینا۔ ۳۷-اگر کوئی چھینک لے کر الحمد للہ کہے تو اس پر یرحمک اللہ کہنا۔ ۳۸-کسی کو ناحق تکلیف نہ دینا۔ ۳۹-خلاف شرع کھیل تماشوں سے بچنا۔ ۴۰-راستہ میں ڈھیلا، پتھر، کانٹا، لکڑی ہٹا دینا۔''

اگر الگ الگ ان سب باتوں کا ثواب معلوم کرنا ہو تو ''فروع الایمان'' (مصنفہ حضرت علیہ الرحمہ) دیکھو۔

پورا اور پکا مسلمان بننا بالکل اپنے اختیار میں ہے

یہاں پھر وہی سوال ہے کہ ادھورا نہیں پورا اور پکا مسلمان ہونے کے لیے قلب وزبان اور جسم وجوارح کے جن اعمال کو اوپر گنایا گیا ہے ان میں آخر کس بات میں انگریزوں کی حکومت یا ہندوؤں کی عداوت مانع ومزاحم ہے؟ اور جن کو بغیر سیاسی آزادی یا بلا حکومت الٰہیہ کے قیام کے پورا نہیں کیا جا سکتا؟ صرف دو ایک باتیں جہاد و

www.abulhasanalinadwi.org

حکومت وغیرہ کے احکام سے البتہ ایسی باتیں تعلق رکھتی ہیں جو شخصی وانفرادی تدبیرو اختیار سے باہر ہیں، اور جو چیزیں اختیار سے باہر ہیں ان کی تکلیف ہی سرے سے کب ہے، بلاشبہ ان کے لیے حسب استطاعت تدابیر اختیار کرنے کی تکلیف ہے، وہ بھی شریعت کے اصول وحدود کے موافق، لیکن اس کے لیے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ جو دینی احکام واعمال بالکل ہمارے شخصی اختیار میں ہیں ایک طرف ان کو ترک کریں، دوسری طرف محض جاہ ومال کی طلب میں کونسل و اسمبلی کی ممبریوں، وزارتوں اور نوکریوں کے لیے شریعت کے حدود واصول کو بے دھڑک توڑتے پھریں۔

اسلامی جنگ و جہاد وسیاست وحکومت سب کچھ محض دین کی حفاظت اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے ہے، لیکن ہماری سیاست حاضرہ میں ایسے کتنے شریک ہیں، جن کے پیش نظر دنیاوی مقاصد ومنافع جاہ ومنصب کے علاوہ دین کی حفاظت اور نفس کی سربلندیوں کے علاوہ کلمۂ حق کی سربلندی کا قلب میں خطرہ بھی آتا ہو، جو لوگ نماز تک کے عمداً تارک ہیں، خدا کے آگے کبھی سر نہیں جھکاتے، مسجدوں کے اندر قدم نہیں رکھتے، آخر ان کے متعلق یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ وہ کونسل و اسمبلی کے اندر اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے داخل ہوتے ہیں۔

پھر غضب یہ کہ اس سراسر دنیا طلبی ونفس پروری کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے نام دین کا لیا جاتا ہے، اور قرآن وحدیث کے حوالے دیئے جاتے ہیں، کیا یہ دین فروشی (يَشْتَرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ ثَمَناً قَلِيْلاً) کی بنی اسرائیلی راہ کے سوا کچھ اور ہے، اور جو لوگ ٹھیک اس وقت جب مسجدوں میں مغرب کی اذان ہورہی ہو، زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگاتے پھرتے ہوں کیا ان کی یہ بے باکی اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے سوا اس کی نصرت کی امید کا کوئی حق رکھتی ہے!

www.abulhasanalinadwi.org

یہ تو ہماری دینی بیماری کی علامات ہیں لیکن حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی نظر علامات سے زیادہ اسباب مرض اور تدابیر علاج پر رہتی ہے، اور یہ دونوں ابواب حضرت کی مجددانہ جامعیت کے اس درجہ حکیمانہ وحاذقانہ ہوتے ہیں کہ اگر مریض تدابیر کے اختیار اور بدپرہیزی سے احتراز کی ہمت کرلے تو انشاء اللہ مرض کے مہلک سے مہلک درجہ میں بھی شفا یقینی ہے۔

دین کی ساری بیماریوں کے دو ہی سبب ہیں

ایک تو خود ہی اپنے اندر کے نفس اور شیطان بلکہ دراصل صرف نفس اس لیے کہ شیطان کا بس بندۂ نفس ہی پر چلتا ہے، اور دوسرا بیرونی تعدیہ یعنی صحبت یا ملنے جلنے والوں کا اثر، ساتویں حصہ کے آخر میں انھیں دونوں اسباب مرض اور ان کی تدابیر علاج کی طرف اس طرح متوجہ فرمایا گیا ہے کہ:

> ”اوپر جتنی اچھی بری باتوں کا اور ثواب اور عذاب کی چیزوں کا بیان آیا ہے اس میں دو چیزیں کھنڈت ڈالتی ہیں، ایک تو خود اپنا نفس کہ ہر وقت گود میں بیٹھا ہوا طرح طرح کی باتیں سوجھاتا رہتا ہے، نیک کاموں میں بہانے نکالتا رہتا ہے، اور برے کاموں میں ضرورتیں بتلاتا رہتا ہے، اور عذاب سے ڈراؤ تو اللہ تعالیٰ کا غفور رحیم ہونا یاد دلاتا ہے (مگر ہم میں اب ایسے نفوس بھی کتنے ملیں گے جو عذاب سے اپنے نفس کو ڈراتے بھی ہوں!) اور اوپر سے شیطان سہارا دیتا ہے، اور دوسرے کھنڈت ڈالنے والے وہ آدمی ہیں جو اس سے طرح طرح کا واسطہ رکھتے ہیں یا تو عزیز وقریب ہیں یا جان پہچان والے ہیں، یا برادری کنبے کے

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں یا اس کی بستی کے ہیں۔" (۱)

ایک اعتبار سے یہ دوسرا سبب پہلے سے بھی زیادہ مہلک ہے، کہ اس کی نوعیت وبائی تعدیہ کی سی ہوتی ہے جس کی تفصیل یوں فرمائی گئی ہے کہ:

"بعضے گناہ تو اس واسطے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھ کر ان کی بری باتوں کا اثر ان میں آجاتا ہے اور بعضے گناہ ان کی خاطر سے ہوتے ہیں اور بعضے اس واسطے ہوتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں ہلکا پن نہ ہو اور بعضے گناہ اس لیے ہوجاتے ہیں کہ وہ لوگ اس کے ساتھ برائی کرتے ہیں، کچھ وقت اس برائی کے رنج میں، کچھ وقت ان کی غیبت میں اور کچھ وقت ان سے بدلہ لینے کی فکر میں خرچ ہوتا ہے، اور پھر اس سے طرح طرح کے گناہ پیدا ہوجاتے ہیں۔" (۲)

جن کو دور کرنے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں

"غرض ساری خرابی اس نفس کی تابعداری اور آدمیوں سے بھلائی کی امید رکھنے کی ہے، اس لیے ان کی خرابی سے بچنے کے لیے دو باتیں ضروری ٹھہریں، ایک تو اپنے نفس کو دبانا اور اس کو کبھی بہلا پھسلا کر، کبھی ڈانٹ ڈپٹ کر دین کی راہ پر لگانا، دوسرے سب آدمیوں سے زیادہ لگاؤ نہ رکھنا اور اس بات کی پرواہ نہ کرنا کہ وہ اچھا کہیں گے، اس لیے دونوں ضروری باتوں کو الگ الگ لکھا جاتا ہے۔" (۳)

(۱) ص/۷۹ (۲) ص/۸۰ (۳) ص/۸۰

www.abulhasanalinadwi.org

نفس کے ساتھ برتاؤ

اس کا کلی علاج یہ تجویز فرمایا گیا ہے کہ:

''پابندی کے ساتھ تھوڑا سا وقت صبح کو اور تھوڑا سا شام کو یا سوتے وقت مقرر کرلو، اس وقت میں اکیلے بیٹھ کر اور اپنے دل کو جہاں تک ہوسکے سارے خیالوں سے خالی کرکے اپنے جی سے یوں باتیں کیا کرو، اے نفس خوب سمجھ لے کہ تیری مثال دنیا میں ایک سوداگر کی سی ہے، پونجی تیری عمر ہے، اور نفع اس کا یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کی بھلائی یعنی آخرت کی نجات حاصل کرے، اگر یہ دولت حاصل کرلی تو سوداگری میں نفع ہوا، اور اگر اس عمر کو یوں ہی کھودیا اور بھلائی اور نجات حاصل نہ کی تو اس سوداگری میں بڑا ٹوٹا اٹھایا کہ پونجی بھی گئی اور نفع بھی نصیب نہ ہوا، اور یہ پونجی ایسی قیمتی ہے کہ اس کی ایک ایک گھڑی بلکہ ایک ایک سانس بے انتہا قیمت رکھتی ہے اور کوئی خزانہ کتنا ہی بڑا ہو، اس کی برابری نہیں کرسکتا، کیونکہ خزانہ اگر جاتا رہے تو کوشش سے اس کی جگہ دوسرا خزانہ مل سکتا ہے اور یہ عمر جتنی گذرتی ہے، اس کا ایک پل بھی لوٹ کر نہیں آسکتا، نہ دوسری اور عمر مل سکتی ہے، دوسرے یہ کہ اس عمر سے کتنی بڑی دولت کما سکتے ہیں، یعنی ہمیشہ کے لیے بہشت اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور دیدار، اتنی بڑی دولت کسی خزانے سے کوئی نہیں کما سکتا، اس لیے یہ پونجی بہت ہی قدر اور قیمت کی ہوئی، اور اے نفس اللہ تعالیٰ کا احسان مان کہ ابھی تیری موت نہیں آئی جس سے یہ تیری عمر ختم ہوجاتی، خدا تعالیٰ نے آج

www.abulhasanalinadwi.org

کا دن اور دے دیا ہے، اور اگر تو مرنے لگے تو ہزاروں دل و جان سے آرزو کرے کہ ہم کو ایک دن کی عمر اور مل جائے تو اس ایک دن میں سارے گناہوں سے سچی اور پکی توبہ کرلوں اور پکا وعدہ اللہ تعالیٰ سے کرلوں کہ پھر ان گناہوں کے پاس نہ پھٹکوں گا اور وہ سارا دن خدا تعالیٰ کی یاد اور تابعداری میں گزاردوں، جب مرنے کے وقت تیرا یہ حال اور خیال ہو، تو اپنے دل میں تو یوں ہی سمجھ لے کہ گویا میری موت کا وقت آ گیا اور میرے مانگنے سے اللہ تعالیٰ نے آج کا دن اور دے دیا ہے، اور اس دن کے بعد معلوم نہیں کہ دوسرا دن نصیب ہوگا یا نہیں، تو اس دن کو اس طرح گزارنا چاہیے جیسے عمر کا اخیر دن معلوم ہو جاتا اور اس کو گزارتا، یعنی سب گناہوں سے پکی توبہ کرلے اور اس دن کوئی چھوٹی یا بڑی نافرمانی نہ کرے اور تمام دن اللہ تعالیٰ کے دھیان اور خوف میں گزاردے اور کوئی حکم خدا کا نہ چھوڑے، جب وہ سارا دن اس طرح گزر جائے، پھر اگلے دن یوں ہی سوچے کہ شاید عمر کا اب یہی ایک دن باقی رہ گیا ہو، اور اے نفس اس دھوکہ میں نہ آنا کہ اللہ تعالیٰ معاف کریں گے، اول تو تجھ کو کیسے معلوم کہ معاف ہی کردیں گے اور سزا نہ دیں گے، بھلا اگر سزا ہونے لگے تو اس وقت کیا کرے گا، اور اس وقت کتنا پچھتانا پڑے گا، اور ہم نے مانا کہ معاف ہی ہوگیا تب بھی تو نیک کام کرنے والوں کو جو انعام اور مرتبہ ملے گا وہ تجھ کو نصیب نہ ہوگا، پھر جب تو اپنی آنکھ سے اوروں کو ملنا اور اپنا محروم ہونا دیکھے گا، کس قدر حسرت و

www.abulhasanalinadwi.org

افسوس ہوگا، اس پر اگر نفس سوال کرے کہ بتلاؤ پھر میں کیا کروں اور کس طرح کوشش کروں، تو تم اس کو جواب دو کہ یہ کام کر کہ جو چیز تجھ سے مر کر چھوٹنے والی ہے، یعنی دنیا اور بری عادتیں، تو اس کو ابھی سے چھوڑ دے، اور جس سے تجھ کو سابقہ پڑنے والا ہے، یعنی اللہ اور اس کو راضی کرنے والی باتیں ان کو ابھی سے لے بیٹھے اور اس کی یاد اور تابعداری میں لگ جا۔ اور بری عادتوں کا بیان اور ان کے چھوڑنے کا علاج اور خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کی باتوں کی تفصیل اور ان کے حاصل کرنے کی تدبیر خوب سمجھا سمجھا کر اوپر لکھ دی ہے، اس کے موافق کوشش اور برتاؤ کرنے سے دل سے برائیاں نکل جاتی ہیں اور نیکیاں جم جاتی ہیں۔"

"اور اپنے نفس سے کہو کہ اے نفس تیری مثال بیمار کی سی ہے اور بیمار کو پرہیز کرنا پڑتا ہے، اور گناہ بدپرہیزی ہے، اس واسطے اس سے پرہیز کرنا ضروری ہوا، اور یہ پرہیز اللہ تعالیٰ نے ساری عمر کے لیے بتلا رکھا ہے، بھلا سوچ تو سہی اگر دنیا کا کوئی ادنیٰ سا حکیم کسی سخت بیماری میں تجھ کو بتلا دے کہ فلانی مزیدار چیز کبھی کھائے گا اس سے بیماری کو سخت نقصان پہنچے گا اور تو سخت تکلیف میں مبتلاء ہوگا، اور فلاں کڑوی دوا روزمرہ کھاتے رہو تو اچھے رہو گے، تو یقینی بات ہے کہ اپنی جان اگر پیاری ہے تو اس حکیم کے کہنے سے کیسی ہی مزیدار چیز ہو ساری عمر کے لیے چھوڑ دے گا اور دوا کیسی ہی بدمزہ ہو آنکھ بند کر کے اس کو نگل جایا کرے گا، تو

www.abulhasanalinadwi.org

ہم نے مانا کہ گناہ بڑے مزیدار ہیں اور نیک کام بہت ناگوار ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان مزیدار چیزوں کا نقصان بتلایا ہے اور ناگوار کاموں کو فائدہ مند فرمایا ہے، پھر نقصان اور فائدہ بھی کیسا، ہمیشہ ہمیشہ کا جس کا نام دوزخ اور جنت ہے، تو اے نفس تعجب اور افسوس ہے کہ جان کی محبت میں ادنیٰ حکیم کے کہنے کا تو یقین کر لے اور اس کا پابند ہو جائے اور اپنے ایمان کی محبت میں اللہ تعالیٰ کے کہنے پر دل نہ جمائے اور گناہوں کو چھوڑنے کی ہمت نہ کرے، اور نیک کاموں سے پھر بھی جی چرائے تو کیسا مسلمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے کو ایک چھوٹے سے حکیم کے کہنے کے برابر نہ سمجھے اور کیسا بے عقل ہے کہ جنت کے ہمیشہ ہمیشہ کے آرام کی دنیا کے تھوڑے دنوں کی برابر بھی قدر نہ کرے، اور دوزخ کی اتنی سخت اور دراز تکلیف سے دنیا کی تھوڑے دنوں کی تکلیف کے برابر بھی بچنے کی کوشش نہ کرے۔"

"اور نفس سے یوں کہو کہ اے نفس دنیا سفر کا مقام ہے اور سفر میں پورا آرام ہرگز میسر نہیں ہوا کرتا، طرح طرح کی تکلیفیں جھیلنی پڑتی ہیں مگر مسافر اس لیے ان تکلیفوں کو سہ لیتا ہے کہ گھر پہنچ کر پورا آرام مل جائے گا، بلکہ اگر ان تکلیفوں سے گھبرا کر کسی سرائے میں ٹھہر کر اس کو اپنا گھر بنائے اور سب سامان آسائش کے وہاں جمع کر لے تو ساری عمر بھی گھر پہنچنا نصیب نہ ہو، نہ گھر کی راحت ملے، اسی طرح دنیا میں جب تک رہنا ہے محنت و مشقت کو سہ لینا چاہیے، عبادت میں بھی محنت ہے اور گناہوں کے چھوڑنے میں

www.abulhasanalinadwi.org

بھی مشقت ہے اور بھی طرح طرح کی مصیبت ہے، لیکن آخرت ہمارا گھر ہے، وہاں پہنچ کر سب مصیبت کٹ جائے گی، یہاں کی ساری محنت ومشقت کو جھیلنا چاہیے، اگر یہاں آرام ڈھونڈھا تو گھر جاکر آرام کا سامان ملنا مشکل ہے اور وہاں جانا لازم ہے، یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ وہاں نہ جائیں، بس یہ سمجھ کر کبھی دنیا کی راحت ولذت کی ہوس نہ کرنا چاہیے اور آخرت کی درستی کے لیے ہر طرح کی محنت کو خوشی سے اٹھانا چاہیے۔''

''غرض ایسی ایسی باتیں کر کے نفس کو راہ پر لگانا چاہیے اور روزمرہ اسی طرح سمجھانا چاہیے، اور یاد رکھو کہ اگر تم خود اس طرح اپنی بھلائی اور درستی کی کوشش نہ کروگے تو کون آئے گا جو تمہاری خیرخواہی کرے گا، اب تم جانو اور تمہارا کام۔''(۱)

عام آدمیوں سے برتاؤ

اس کے بعد پھر ''عام آدمیوں سے برتاؤ'' کا بیان اس طرح ہے کہ:

''عام آدمی تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جن سے دوستی کا علاقہ ہے، دوسرے جن سے صرف جان پہچان ہے، تیسرے جن سے جان پہچان بھی نہیں، اگر ان کے ساتھ ملنا بیٹھنا ہو تو ان باتوں کا خیال رکھو کہ وہ جو ادھر ادھر کی باتیں اور خبریں بیان کریں ان کی طرف کان مت لگاؤ، وہ کچھ واہی تباہی بکیں، ان سے بالکل بہرے بن جاؤ، ان سے بہت مت ملو، ان سے کوئی امید والتجا مت کرو، اگر ان میں کوئی بات خلاف شرع دیکھو تو اگر

---

(۱) از ص/۸۰ تا ۸۳ ساتواں حصہ

www.abulhasanalinadwi.org

تمہاری نصیحت مان لینے کی امید ہو تو بہت نرمی سے سمجھا دو۔''

دوستی کس سے کرے؟

''اور جن سے دوستی زیادہ اور راہ و رسم ہے ان میں اس کا خیال رکھو کہ اول تو ہر کسی سے دوستی اور راہ رسم مت پیدا کرو، ہر آدمی دوستی کے قابل نہیں ہوتا، البتہ جس میں پانچ باتیں ہوں، اس سے راہ و رسم رکھنے میں مضائقہ نہیں: ۱-عقلمند ہو، کیونکہ بیوقوفوں سے اول تو دوستی کا نباہ نہیں ہوتا، دوسرے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فائدہ پہنچانا چاہتا ہے مگر بیوقوفی کی وجہ سے الٹا نقصان کر گزرتا ہے۔ ۲-دوسری بات یہ ہے کہ اس کے اخلاق و عادات اور مزاج اچھا ہو، اپنے مطلب کی دوستی نہ ہو، اور غصہ کے وقت آپے سے باہر نہ ہو جائے، ذرا ذرا سی بات میں طوطے کی سی آنکھیں نہ بدلے۔ ۳-دیندار ہو، کیونکہ جو شخص دیندار نہیں، جب وہ خدا تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا تو تم کو اس سے کیا امید، دوسری خرابی یہ ہے کہ جب تم بار بار اس کو گناہ کرتے دیکھو گے اور دوستی کی وجہ سے نرمی کرو گے تو تم کو بھی گناہ سے نفرت نہ رہے گی، تیسری خرابی یہ ہے کہ اس کی صحبت کا اثر تم کو بھی پہنچے گا اور ویسے ہی گناہ تم سے بھی ہونے لگیں گے۔ ۴-اس کو دنیا کی حرص نہ ہو، کیونکہ حرص والوں کے پاس بیٹھنے سے ضرور دنیا کی حرص بڑھتی ہے، اور جس کو خود حرص نہ ہو، موٹا جھوٹا کھانا کپڑا ہو، دنیا کی ناپائیداری کا ذکر ہو، اس کے پاس بیٹھ کر جو کچھ تھوڑی بہت حرص ہو وہ بھی نکل جا سکتی ہے۔ ۵-جھوٹ بولنے کی عادت

www.abulhasanalinadwi.org

نہ ہو، جھوٹ بولنے والے کا کچھ اعتبار نہیں، خدا جانے اس کی کس بات کو سچا سمجھ کر آدمی دھوکے میں آجائے۔"

دوستی کے حقوق

"ان پانچ باتوں کا خیال تو دوستی پیدا کرنے سے پہلے کر لینا چاہیے اور جب کسی سے دوستی اور راہ و رسم پیدا کر لی، اب اس کا حق اچھی طرح ادا کرو، جہاں تک ہو سکے اس کی ضرورت میں کام آؤ، اگر خدا تعالیٰ گنجائش دیں، اس کی مدد کرو، اس کا بھید کسی سے نہ کہو، جو کوئی اس کو برا کہے اس کو خبر مت کرو، جب وہ بات کرے کان لگا کر سنو، اگر اس میں کوئی عیب دیکھو، نرمی و خیر خواہی سے تنہائی میں سمجھاؤ، اگر اس سے کوئی خطا ہو جائے، درگذر کرو، اس کی بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔"

عام جان پہچان والوں سے احتیاط

"اب رہ گئے وہ آدمی جن سے صرف جان پہچان ہے، ایسے آدمیوں سے بڑی احتیاط درکار ہے، کیونکہ جو دوست ہیں وہ تمہارے بھلے میں ہیں، اور جن سے جان پہچان بھی نہیں وہ اگر بھلے میں نہیں تو برائی میں بھی نہیں، اور جو بیچ کے رہ گئے، جن سے نہ دوستی ہے نہ بالکل انجان، زیادہ تکلیف اور برائی ایسوں ہی سے پہنچتی ہے، کہ زبان سے تو دوستی اور خیر خواہی کا دم بھرتے ہیں اور اندر ہی اندر جڑیں کھودتے ہیں اور حسد کرتے ہیں، اور ہر وقت عیب ڈھونڈھا کرتے ہیں اور بدنام کرنے کی فکر میں رہتے

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں......اور اگر کوئی تمہاری عزت و خاطر کرے یا تمہاری تعریف کرے اور محبت ظاہر کرے تو اس کے دھوکے میں مت آجانا اور اس کے بھروسے میں مت رہنا کیونکہ بہت کم آدمی ہیں جن کا ظاہر و باطن ایک سا ہو، اور بہت کم اطمینان ہے کہ ان کا یہ برتاؤ صاف دل سے ہو، اس کی امید ہرگز کسی سے مت رکھو ......خلاصہ یہ کہ کسی سے کسی طرح کی بھلائی کی امید مت رکھو، نہ کسی قسم کے فائدے پہنچنے کی اور نہ کسی کی نظر میں آبرو بڑھنے کی، اور نہ کسی کے دل میں محبت پیدا ہونے کی، جب کسی سے کوئی امید نہ ہوگی، تو پھر کوئی کیسا ہی برتاؤ تم سے کرے ذرا رنج نہ ہوگا، اور خود جہاں تک ہوسکے سب کو فائدہ پہنچاؤ، اگر کسی کی کوئی بھلائی کی بات سمجھ میں آئے اور یقین ہو کہ وہ مان لے گا تو اس کو بتلا دو، نہیں تو خاموش رہو، اگر کسی سے کوئی فائدہ پہنچ جائے تو اللہ کا شکر کرو اور اس شخص کے لیے دعا کرو اور اگر کسی سے کوئی نقصان یا تکلیف پہنچے یوں سمجھو کہ میرے گناہ کی سزا ہے، اللہ سے توبہ کرو اور اس شخص سے رنج مت رکھو، غرض نہ مخلوق کی بھلائی کو دیکھو نہ برائی کو، بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ پر نگاہ رکھو اور ان ہی سے کام رکھو اور ان ہی کی تابعداری اور یاد میں لگے رہو، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق بخشیں۔'' (۱)

باطن کی درستی

پھر آخر میں ''قلب کی صفائی اور باطن کی درستی کی ضرورت'' ایک ضمیمہ میں

(۱) از ص/۸۴تا۸۷

www.abulhasanalinadwi.org

بتائی گئی ہے، اس میں اصلاح باطن اور ظاہر و باطن کے تعلق کی نسبت بہت اہم کوتاہیوں اور غلط فہمیوں کو رفع فرمایا گیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (فقط) تمہارے جسموں کی طرف نہیں دیکھتے نہ (خالی) تمہاری صورتوں کی طرف، بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایسے اعمال کو قبول نہیں کرتے جو فقط ظاہر میں اچھے معلوم ہوں اور دل کی توجہ اور خلوص سے خالی ہوں ...... یہ غرض نہیں کہ ظاہری اعمال کا بالکل اعتبار نہیں، اعتبار ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ دل کی توجہ اور اخلاص بھی اس کے ساتھ ہو، جیسا کہ حدیث و قرآن سے ثابت ہے..... مثلاً کوئی ظاہر میں مسلمان ہو اور دل سے نہ ہو، تو اس کے اسلام کا خداوند کریم کے نزدیک کچھ بھی اعتبار نہیں، اسی طرح کوئی محض دکھانے وغیرہ کسی بری نیت سے نماز پڑھے، خیر خیرات کرے تو وہ کسی طرح میں نہیں، گو فرض اس صورت میں بھی اتر جائے گا اور کچھ ثواب بھی ملے گا مگر ساتھ ہی گناہ بھی ہوگا اور پورے ثواب سے محروم رہے گا۔

ظاہر و باطن کا غیر منفک تعلق

''لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے اعمال کے مقبول ہونے کا مدار دل کی اصلاح و درستی پر ہے، لوگوں نے آج کل اس میں بہت زیادہ کوتاہی کر رکھی ہے، محض ظاہری اعمال تو کچھ تھوڑے بہت کرتے ہیں، اور ان کا علم بھی حاصل کر لیتے ہیں، مگر باطنی اصلاح اور قلب کی درستی کی کچھ فکر نہیں، گویا یہ

www.abulhasanalinadwi.org

خیال کرتے ہیں کہ باطن کی اصلاح ریا، کینہ، حسد وغیرہ کا علاج اوراس سے محفوظ رہنا کچھ ضرور نہیں، فقط ظاہری اعمال کو واجب جانتے اور نجات کے لیے کافی خیال کرتے ہیں، حالانکہ اصل مقصود قلب کی اصلاح ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے اور ظاہری اعمال ذریعہ ہیں قلب کے درست ہونے کا، ظاہر و باطن میں کچھ ایسا قدرتی تعلق ہے کہ بغیر ظاہری حالت درست کیے باطنی حالت درست نہیں ہوتی، اور جب تک ظاہری حالت پر دوام نہ ہو باطنی اصلاح بھی قائم نہیں رہتی، اور جب باطنی حالت درست ہو جاتی ہے تو ظاہری اعمال خوب اچھی طرح ادا ہوتے ہیں، لیکن کوئی بے عقل یہ نہ سمجھ لے کہ ظاہری اعمال کی اس وقت تک حاجت ہے جب تک قلب کی حالت درست نہ ہو جائے، اور جب قلب درست ہو گیا تو پھر ظاہری اعمال کی کچھ حاجت نہیں، خواہ کریں خواہ نہ کریں، اس لیے کہ یہ عقیدہ کفر ہے، وجہ یہ ہے کہ جب قلب درست ہوگا تو وہ خود ہی حتی المقدور طاعت الٰہی میں مصروف رہے گا، اور یہی علامت ہے اس کے درست ہونے کی، کیونکہ مقصود اصلاح قلب سے یہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو، اس کا شکر کیا جائے، اس کی نافرمانی نہ ہو، اور نماز روزہ وغیرہ کا طاعت الٰہی ہونا ظاہر ہے، تو جب یہ طاعات چھوڑ دی گئیں تو قلب کہاں درست رہا، اگر درست رہتا تو مثل اولیائے کرام اور انبیاء علیہم السلام کے طاعات میں ضرور لگا رہتا، کیا نعوذ باللہ کسی احمق کو یہ

www.abulhasanalinadwi.org

بھی وسوسہ ہو سکتا ہے کہ کسی کا قلب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے بڑھ کر صاف و درست ہے، جو اس کو عبادت ظاہری کی حاجت نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو باوجود اکمل الکاملین اور افضل المرسلین ہونے کے ظاہری اعمال میں اس قدر مصروف ہوتے تھے کہ دیکھنے والوں کو بھی رحم آتا تھا......
لہٰذا مسلمانو! خوب سمجھ لو کہ جس طرح ظاہری اعمال مثل صوم و صلوٰۃ وغیرہ کا ادا کرنا اور ان کے ادا کرنے کا طریقہ جاننا واجب ہے، اسی طرح باطنی اعمال جیسے صوم وصلوٰۃ وغیرہ کا ریا ونمود وغیرہ سے محفوظ رکھنا، کینہ، حسد وغضب وغیرہ سے قلب کو صاف رکھنا اور ان اعمال کے ادا کرنے کا طریقہ جاننا بھی واجب ہے ......حدیث میں ہے کہ دو رکعت نماز ایسے پرہیز گار کی جو شبہ کی چیزوں سے بچتا ہو اس شخص کی ہزار رکعت سے افضل ہے جو شبہ کی چیزوں سے نہ بچے، ظاہر ہے کہ یہ فضیلت بغیر صفائی قلب اور اصلاح باطن کے میسر نہیں ہو سکتی، جو امراض باطنی سے تندرست نہیں وہ تو واجبات بھی ٹھیک طور سے ادا نہیں کر سکتا، اور حرام چیزوں سے بچنے پر بھی پورا قادر نہیں، پھر مشتبہ چیزوں سے کیسے بچ سکتا ہے......لہٰذا مسلمان کو لازم ہے کہ ظاہر و باطن کی کامل اصلاح کرے کہ یہی ذریعۂ نجات ہے۔"

اصل بات یہ ہے کہ اگر ہماری نظر صرف دنیا کے چند روزہ نفع وضرر پر نہ ہو اور آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی زندگی کا کچھ بھی خیال واہتمام ہو تو پھر انشاء اللہ ظاہر و باطن کی اصلاح آسان ہے، اسی لیے آگے متنبہ فرمایا کہ:

www.abulhasanalinadwi.org

”اگر تم بیمار ہو اور تمہارا جسم مریض، تو کیا یہ گوارا کرو گے کہ مرض میں مبتلاء رہو اور باوجود قدرت کے علاج نہ کرو، یہاں تک کہ وہ مرض تم کو ہلاک کر دے، ہرگز نہیں گوارا کر سکتے، حالانکہ اس مرض سے جو تکلیف ہوگی وہ جسمانی تکلیف پھر وہ بھی چند روزہ دنیا ہی میں ہے، پس جب یہ گوارا نہیں تو روحانی امراض میں مبتلاء رہنا جس کی وجہ سے ایسی جگہ تکلیف ہو جہاں ہمیشہ رہنا ہے، عقل سلیم کے بالکل خلاف ہے۔“

”فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار رہو اس بات سے کہ بدن میں ایک جز (اور وہ ایک بوٹی ہے) ہے، جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہوتا ہے، اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو تمام بدن فاسد اور خراب ہو جاتا ہے، اور آگاہ رہو وہ دل ہے، اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا، مطلب یہ کہ اعضاء کی درستی اور اطاعت خداوندی بجالانا موقوف ہے قلب کی درستی پر، کیونکہ قلب سلطان البدن ہے اور رعیت کی صلاح موقوف ہوتی ہے سلطان کے صالح ہونے پر، سو اعضاء نیک کام جب ہی کریں گے جب قلب صالح ہو، لہٰذا اصلاح قلب میں کوشش کرنا واجب قرار پایا...... دیکھئے شریعت نے ایسی حالت میں جبکہ انسان کو بھوک کی خواہش ہو اور اس حالت میں نماز پڑھنے سے طبیعت پریشان ہو تو حکم دیا ہے کہ ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، پہلے کھانا کھالو پھر نماز پڑھو، بشرطیکہ نماز کا وقت فوت نہ ہو جائے، تو اس میں حکمت یہی ہے

www.abulhasanalinadwi.org

کہ مقصود عبادت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری اور اظہار بندگی ہے، اس طرح کہ ظاہر و باطن سب اس کی طرف مشغول و متوجہ ہوں اور غیر اللہ کی طرف حتی الامکان توجہ نہ رہے، اور جب بھوک لگی ہو تو ظاہر ہے بدن نماز میں مشغول ہوگا اور قلب پریشان ہوگا۔"

"ایک اور حدیث میں ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو رکعت نماز درمیانی طور پر پڑھنا بہتر ہے رات بھر نماز پڑھنے سے ایسی حالت میں کہ قلب غافل ہو...... مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص صرف دو رکعت نماز پڑھے اور درمیانی طور پر ادا کرے، اس طرح کہ اس کے فرائض و سنن کو حضور قلب کے ساتھ ادا کرے، قرأت وغیرہ طویل نہ ہو، ایسی دو رکعتیں نہایت عمدہ و مقبول ہیں، رات بھر غفلت قلب کے ساتھ نماز پڑھنے سے، اس حدیث سے اہتمام قلب کی کس قدر تاکید معلوم ہوتی ہے، وجہ یہ ہے کہ فی الحقیقت فعل کی کیفیت دیکھی جاتی ہے کہ کام کیسا کیا، اور نری کمیت مطلوب نہیں کہ کتنا کام کیا، اگر چہ تھوڑا ہی کام ہو مگر باقاعدہ اور عمدہ ہو تو وہ حق تعالیٰ کے ہاں محبوب و مقبول ہے اور اگر بہت سا کام ہو لیکن بے ضابطہ و بے قاعدہ غفلت سے ہو، وہ ناپسند ہے خوب سمجھ لو۔"

دنیا کے کام بھی باطن کی خرابی سے خراب ہوتے ہیں

دین پر کیا موقوف دنیا کے سارے اجتماعی وسیاسی کام جن پر ہم جان دیتے ہیں وہ بھی زیادہ تر محض دلوں کی خرابی کی وجہ سے خراب و تباہ ہوتے ہیں، قلوب میں

www.abulhasanalinadwi.org

جب نفسانیت وخود غرضی، بغض وحسد کے سوا کچھ نہ ہوتو دنیاوی کاموں میں بھی نا اتفاقی، پراگندگی، سازش اور ایک دوسرے کی بیخ کنی کے سوا کیا رہ جاتا ہے، جس کا شرمناک تماشہ افراد اور جماعتوں سب میں دن رات ہمارے سامنے ہے، خصوصاً دینی سیاست ومعاشرت میں تو دلوں کی یہ خرابی اس کی عین آبادی اور بڑا اتد برو دانائی ہے۔

عورتوں کا قرآن وحدیث میں خصوصی ذکر

چونکہ بہشتی زیور کا اصلاً تعلق عورتوں کی اصلاح وحفاظت دین سے ہے، اس لیے اس کے آٹھویں حصہ میں انبیاء، اولیاء وسلاطین کے گھرانوں کی ایسی نیک بی بیوں کے مختصر حالات مذکور ہیں کہ ان کی نیک مثالوں سے نیکی کی ہمت وسبق حاصل کریں گے، نیز بری عورتوں کی برائیوں اور مکاریوں کے کچھ قصے ہیں، تاکہ عبرت حاصل ہو، پھر اسی حصہ میں ایک رسالہ بنام کسوۃ النسوۃ شامل فرمایا گیا ہے، جس میں ایسی آیتوں، حدیثوں کا خلاصہ وترجمہ درج ہے جن میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص کر نیک بی بیوں کی خصلت اور تعریف اور درجے بیان فرمائے ہیں، کیونکہ بیبیوں کو جب خبر ہوگی کہ ان میں اللہ ورسول نے ارادہ کرکے خاص ہمارا ہی بیان فرمایا ہے تو اس سے دل بڑھے گا اور نیک خصلتوں کا زیادہ شوق ہوجاوے گا، اور مشکل بات آسان ہوجاوے گی۔

اس میں ایسی آیتوں اور حدیثوں کا بیان بھی ہے جن پر عمل سے بی بی میاں کے تعلقات خوشگوار رہ سکیں، جو آج کل خصوصاً موجودہ تہذیب میں عنقا ہے، ظاہری و بناوٹی خوشگواری کے اظہار کے لیے تو اس بے حیائی تک کو اختیار کیا جاتا ہے کہ بیبیوں کو بنا سنوار کر بازاروں اور شاہراہوں پر بغل میں لے کر پھرایا جاتا ہے، اور اپنے پرائے دوستوں، عزیزوں سب کی صحبت میں بے تکلف خلا ملا اور ہنسی مذاق تک کی بے غیرتی گوارا کی جاتی ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ دلوں میں ایک دوسرے کی

www.abulhasanalinadwi.org

طرف سے ناسور بہتا رہتا ہے۔

''ایک آیت میں ہے کہ ''جو عورتیں اپنی عزت و آبرو کو بچاتی ہیں، یعنی کسی کے سامنے ہو جانے کا اور کسی کو آواز سنانے کا اور خلاف شرع کپڑے پہننے کا، بے ضرورت کسی سے ہنسنے بولنے کا اور بھی ہر طرح کی بے شرمی کا پرہیز رکھتی ہیں اور جو عورتیں اللہ کو بہت یاد رکھتی ہیں...... ایسی عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''جو عورتیں نیک بخت ہوتی ہیں ان میں یہ باتیں ہوتی ہیں کہ وہ تابعدار ہوتی ہیں اور خاوند گھر نہ بھی ہو جب بھی اپنی آبرو کا بچاؤ رکھتی ہیں۔''

''اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اچھا خزانہ نیک بخت ایسی عورت ہے کہ خاوند اس کے دیکھنے سے خوش ہو، اور جب خاوند کوئی کام بتلائے تو اس کو بجا لاوے اور جب خاوند گھر میں نہ ہو تو عزت و آبرو تھامے بیٹھی رہے، اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت جب پانچ وقت کی نماز پڑھتی رہے اور رمضان کے روزے رکھ لیا کرے اور اپنی آبرو کی حفاظت رکھے اور خاوند کی تابعداری کرے تو ایسی عورت بہشت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے، مطلب یہ کہ دین کی ضروری باتوں کی پابندی رکھے اور بڑی بڑی محنت کی عبادتیں اس کو کرنے کی ضرورت نہیں، جو درجہ مرد کو ان محنت کی عبادتوں سے ملتا ہے وہ عورت کو خاوند کی تابعداری اور اولاد کی خدمت گزاری اور گھر کے بندوبست سے مل جاتا ہے۔''

www.abulhasanalinadwi.org

عورتوں کی اصلی جگہ گھر ہے

جب تک کوئی غیر معمولی صورت یا ضرورت نہ ہو عورت کے فطری فرائض و طبعی مناسبت اور تقسیم عمل کی بناء پر اسلامی تعلیم وتہذیب میں اس کی اصلی جگہ گھر کی اندرونی مصروفیات اور اولاد کی پرورش و پرداخت ہے، جب تک کوئی شدید ضرورت نہ ہو سفر تک عورتوں کے لیے پسندیدہ نہیں، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیبیوں کو ساتھ لے کر حج فرمایا تو ارشاد ہوا کہ بس یہ حج تو کر لیا پھر اس کے بعد بوریوں پر جمی بیٹھی رہنا'' دوسری حدیث نقل ہے کہ ''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کا اپنے گھر میں گھرستی کا کام کرنا جہاد کرنے والوں کے جہاد کے مرتبہ کو پہنچتا ہے'' انشاء اللہ تعالیٰ۔

ضبطِ تولید

آج کل ''برتھ کنٹرول'' کی تبلیغ کا دور دورہ ہے، طرح طرح سے اس کی ضرورت وفضیلت ثابت کی جاتی ہے، کل پرسوں ہی ۱۰ر فروری ۱۹۴۷ء کے ایک انگریزی اخبار میں ہندوستان میں زبردست قحط کا جو تازہ سرکاری اعلان ہوا ہے، اس کے سلسلہ میں کسی رپورٹ میں تھا کہ بڑا سبب قحط کا آبادی کی کثرت ہے، جو ہندوستان میں بہت سرعت سے بڑھ رہی ہے، جب تک اس کی روک تھام نہ ہو یہاں کا قحط لاعلاج ہے! یوں ہی ہوس رانیوں کو ناجائز راہوں سے پورا کرنے کے لیے ضبط تولید کی تبلیغ کیا کچھ گل یورپ میں کھلا چکی ہے اور یہاں کھلا رہی ہے، اس پر معاشی و سماجی فوائد کے وعظ کا اضافہ ''کڑوا کریلا نیم چڑھا'' مغرب کی طرح مشرق میں اور غیروں کی طرح مسلمان عورتوں میں بھی اب اس فطری فرض سے روگردانی کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں، بہشتی زیور کے اس حصہ میں متعدد حدیثیں ایسی بھی نقل فرمائی گئی

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں جن میں ضبط تولید کے خلاف تولید کے فرائض کی فضیلت کا بیان ہے مثلاً:

"ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (عورتوں سے) کیا تم اس بات پر راضی نہیں (راضی ہونا چاہیے) کہ جب تم میں کوئی اپنے شوہر سے حاملہ ہوتی ہے اور شوہر اس سے راضی ہو تو اس کو ایسا ثواب ملتا ہے کہ جیسا اللہ کی راہ میں روزہ رکھنے والے اور شب بیداری کرنے والے کو، اور جب اس کو دردزہ ہوتا ہے تو آسمان و زمین کے رہنے والوں کو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا جو سامان مخفی رکھا گیا ہے اس کی خبر نہیں، پھر جب وہ بچہ جنتی ہے، اس کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہیں نکلتا اور اس کے پستان سے ایک مرتبہ بھی بچہ نہیں چوستا جس میں اس کو ہر گھونٹ اور ہر چوسنے پر ایک نیکی نہ ملتی ہو، اور اگر بچہ کے سبب اس کو رات کو جاگنا پڑے تو اس کو راہِ خدا میں ستر غلاموں کے آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے۔"

"اسی طرح فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورت اپنی حالت حمل سے لے کر بچہ جننے اور دودھ چھڑانے تک ایسی ہے جیسے اسلام کی راہ میں سرحد کی نگہبانی کرنے والا، اور اگر وہ اس درمیان میں مرجائے تو اس کو شہید کا ثواب ملتا ہے۔

ان ترغیبات کا صاف مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنے جنسی وفطری فرائض سے غافل ہو کر بلا اتفاقی وشدید ضرورت کے مردوں کے مردانہ سیاسی ومعاشی وجنگی مشاغل کی ہوس میں نہ مبتلا ہو جائیں، جیسا کہ آج کل سیکھا اور سکھلایا جا رہا ہے، اور ضبط تولید کا ایک مخفی محرک یہ بھی ہے کہ عورتوں میں مردانہ مشاغل کی ہوس پیدا کر دی گئی ہے، جس میں تولید کے فرائض مزاحم ہوتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایک اور شیطانی سبق

اس زمانہ کا یہ بھی ہے کہ عورت و مرد کی بدکاری و نیک کاری مساوی ہے حالانکہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدکار عورت کی بدکاری ہزار بدکار مردوں کے برابر اور نیک کار عورت کی نیک کاری ستر اولیاء اللہ کی عبادت کے برابر ہے۔

لباس برہنگی

تہذیب جدید کی سوغاتوں میں سے برہنگی اور نیم برہنگی کے فتنوں اور بے شرمیوں سے تو کوئی دل کا اندھا ہی اندھا ہوگا، گو ایسے اندھوں کی آبادی روزافزوں ہے جو حدیث اس سلسلہ میں نقل فرمائی گئی ہے، اس میں اس فتنہ کی کیسی ایمان بخش و عبرتناک پیشین گوئی ہے کہ ''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے ایسی عورتوں کو نہیں دیکھا یعنی میرے زمانہ کے بعد ایسی عورتیں پیدا ہوں گی کہ کپڑے پہنے ہوں گی اور ننگی ہوں گی''، یعنی نام کو بدن پر کپڑا ہوگا، لیکن اس قدر باریک ہوگا کہ تمام بدن نظر آئے گا، اور اترا کر بدن کو مٹکا کر چلیں گی۔

نئی مصیبت

نئی تہذیب کی راہ سے ہمارے گھروں میں ایک نئی مصیبت یہ داخل ہوگئی ہے کہ ایک طرف تو طرح طرح کی نئی نئی بیماریاں نکل آئی ہیں، اور دوسری طرف گھر والیاں معمولی معمولی بیماریوں تک کی تدبیر و علاج سے عاجز و جاہل ہو رہی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ اپنی اور بال بچوں کی ذرا ذرا سی بیماری و شکایت پر حکیم و ڈاکٹر کے پاس دوڑنا پڑتا ہے، اور زیادہ تر ڈاکٹروں ہی کے پاس جن کی گراں قیمت دوائیں اور فیسیں جان کا تو خیر خدا حافظ ہے، مال کا دیوالہ نکال دیتی ہیں، پھر اس نئی تہذیب کے طفیل

www.abulhasanalinadwi.org

حرص کا اتنا غلبہ ہوگیا ہے کہ ڈاکٹر تو ڈاکٹر ان کی دیکھا دیکھی اطباء کی نظر بھی مرض سے زیادہ مریض کی جیب پر رہنے لگی ہے، الا ماشاء اللہ۔

ابھی ایک نسل پہلے تک نہ بیماریوں کا اتنا زور تھا نہ دوا علاج اتنا گراں، اور بچوں وغیرہ کی روزمرہ کی معمولی شکایتوں کا علاج تو گھر کی ان پڑھ بیبیاں تک کچھ نہ کچھ کر لیتی تھیں، خود اپنے گھر کا تجربہ ہے کہ والدہ مدظلہا معمولی کھانسی بخار، پھوڑے پھنسی وغیرہ کی دوا بے تکلف سارے گھر کی کر لیتی ہیں، اور ایسی کر لیتی ہیں کہ ہمارے محترم دوست ڈاکٹر و حکیم سید عبد العلی صاحب ان نسخوں اور تدبیروں کی اکثر توثیق فرماتے ہیں، لیکن جب وہ گھر میں تشریف فرما نہیں ہوتیں تو پھر ہر موقع پر ڈاکٹر صاحب ہی کی خدمت میں دوڑنے دوڑانے کی ضرورت ہوتی ہے، نیز تہذیب کے جدید مومنین بالغیب مانیں نہ مانیں لیکن ڈاکٹری دوائیں کچھ ہمارے مزاج اور ہندوستانی آب و ہوا کے بھی زیادہ موافق نہیں معلوم ہوتیں، اور فوری و عارضی نفع کے ساتھ کسی نہ کسی دیرپا ضرر کا تحفہ ضرور چھوڑ جاتی ہیں۔

ان باتوں کے پیش نظر بہشتی زیور میں ایک پورا نواں حصہ حضرت علیہ الرحمہ نے خود اپنے ایک خاص مجاز طریقت طبیب حاذق حضرت حکیم محمد مصطفیٰ صاحب مرحوم بجنوری سے لکھا کر شامل فرما دیا ہے، جس میں عورتوں اور بچوں کی صحت کے متعلق ضروری باتیں اور کثیر الوقوع امراض کے علاج درج کیے گئے ہیں اور اس میں چند باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

''۱- ان امراض کا علاج لکھا گیا ہے جن کی تشخیص و علاج میں چنداں لیاقت کی ضرورت نہیں، معمولی پڑھی لکھی عورتیں بھی ان کو سمجھ سکتی ہیں، اور جن امراض کے علاج میں علمی قابلیت درکار ہے ان کو چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ بہت جگہ تصریح کے ساتھ لکھ دیا گیا

www.abulhasanalinadwi.org

ہے کہ اس کے علاج کی جرأت نہ کریں بلکہ طبیب سے علاج کرائیں۔

۲- نسخے مجرب اور سہل الحصول لکھے گئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی رعایت رکھی گئی ہے کہ ایسی دوائیں ہوں کہ اگر تجویز میں غلطی ہو یا کوئی اور وجہ ہو، نقصان نہ کریں۔

۳- عبارت ایسی سہل رکھی گئی ہے کہ بہت معمولی لیاقت والا بھی بخوبی سمجھ لے۔"

عورتوں کو جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈوں کا خاص مذاق ہوتا اور اکثر دوا سے زیادہ ان پر اعتقاد ہوتا ہے، اور اعتقاد کا اثر معلوم ہے کہ خود معین شفا ہوتا ہے، جس کی بدولت بعض ناجائز بلکہ مشرکانہ حرکتوں تک میں مبتلاء ہو جاتی ہیں، اور بجائے خود دوا علاج کی طرح جھاڑ پھونک کا نافع ہونا بھی مجرب ہے، اس لیے آخر میں:

"دوا دارو کا بیان لکھنے کے بعد تھوڑا سا بیان جھاڑ پھونک کا بھی لکھنا مناسب سمجھا، دوسرے یہ کہ بعض جاہل عورتیں بچوں کی بیماری میں یا اولاد ہونے کی آرزو میں ایسی ڈانواں ڈول ہو جاتی ہیں کہ خلاف شرع کام کرنے لگتی ہیں، کہیں فال کھلواتی ہیں، کہیں چڑھاوے چڑھاتی ہیں، کہیں واہی تباہی منتیں مانتی ہیں، کہیں کسی کو ہاتھ دکھاتی ہیں، بد دین اور ٹھگ لوگوں سے تعویذ گنڈے یا جھاڑ پھونک کراتی ہیں، بلکہ بعض جاہل تو ایسے وقت میں سیتلا بھوانی تک کو پوجنے لگتی ہیں، جس سے دین بھی خراب ہوتا ہے اور گناہ بھی ہوتا ہے، بلکہ بعض باتوں سے آدمی کافر و مشرک ہو جاتا ہے، اور بعض دفعہ ایسے لوگ کچھ پیسے روپے یا

www.abulhasanalinadwi.org

کپڑا غلہ، مرغا اور بکرا بھی وصول کر لیتے ہیں، اور کبھی کبھی ایسے لوگوں کے پاس عورتوں کے آنے جانے یا بات چیت کرنے سے ان کی نیت بگڑ جاتی ہے اور آبرو کے لاگو ہو جاتے ہیں، غرض ہر طرح کا نقصان ہے، اور پھر ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے، اس واسطے خیال ہوا کہ کسی قدر جھاڑ پھونک کے ایسے طریقے بتلا دیئے جائیں جو ہماری شریعت کے خلاف نہ ہوں، تاکہ خدا تعالیٰ کے نام کی برکت سے شفا بھی ہو، دین بھی بچا رہے اور مال و آبرو کا بھی نقصان نہ ہو۔"

ایک کامل و جامع مجدد کا بنیادی و تجدیدی کارنامہ (بہشتی زیور) ظاہر ہے کہ ان کھلے ہوئے دینی مفاسد و مصالح کی رعایت سے کیسے خالی رہ سکتا تھا جو عملیات اور تعویذ وغیرہ خود حضرت علیہ الرحمہ کے معمول تھے اور جو زیادہ تر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں، دس بارہ صفحوں میں ان کا مستقلاً اضافہ کر دیا گیا ہے، گو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری طبیعت کو ان چیزوں سے مناسبت نہیں لیکن امت کی مصلحت تو بہر حال طبیعت پر مقدم ہی تھی، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب (یعنی حضرت کے پیر مرشد حاجی امداد اللہ صاحبؒ) کا حکم تھا کہ جو کوئی تعویذ مانگا کرے دے دیا کرو۔

دینی اعتبار سے ایک اور خطرناک فروگزاشت لوگوں سے یہ ہوتی ہے جس میں اکثر معالج و مریض دونوں مبتلاء ہیں کہ دوا علاج میں جائز و ناجائز، حرام و حلال کی بہت کم پروا کی جاتی ہے۔

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علاج معالجہ کے واسطے جائز و ناجائز دیکھنے کی ضرورت نہیں ...... یہ خیال غلط ہے، خوب سمجھ لینا چاہیے کہ مریض حق تعالیٰ کی حکومت سے خارج نہیں ہوتا، ان کو

www.abulhasanalinadwi.org

جان و مال سب چیزوں پر مالکانہ حق حاصل ہے، (خود ارشاد فرمایا کہ) ہم اگر لوگوں پر فرض کر دیتے کہ خودکشی کرو یا جلاوطن ہو جاؤ تو سوائے شاذ و نادر کے وہ اس کی تعمیل نہ کرتے، حالانکہ جو بات ان کو بتلائی جاتی ان کے موافق کرنا ان کے واسطے بہتر ہوتا، جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو یہ بھی اقتدار حاصل ہے کہ قصداً جان تلف کرنے کا حکم دے دیں تو صحت کا کیا ذکر۔"

غرض اس رسالہ میں جمادی، نباتی و حیوانی چیزیں یا ان کے مرکبات دوا علاج میں کام آتے ہیں، ان کے داخلی یا خارجی استعمالات کے جواز و عدم جواز کی تفصیل ہے، جان کے ساتھ بلکہ جان سے بڑھ کر ایمان کو عزیز رکھنے والے مریض و معالج دونوں کے لیے اس ضمیمہ کی اہمیت کسی زیادہ تفصیل و تاکید کی محتاج نہیں۔

ایک آخری ضرورت

سب سے آخری دسویں حصہ میں عورتوں کی ایک آخری ضرورت کی بھی بقدر ضرورت تکمیل فرما دی گئی ہے یعنی کھانے پکانے کی چیزوں اور ترکیبوں کا، یا تھوڑا سا بیان ہاتھ کے ہنر اور پیشہ کا خصوصاً اس لیے کر دیا گیا ہے کہ:

"بعض لاوارث غریب عورتیں جن کے کھانے کپڑے کا کوئی سہارا نہیں، ایسی پریشانی و مصیبت میں مبتلاء ہیں کہ خدا کی پناہ، اس کا علاج دو باتوں سے ہوسکتا ہے، یا تو نکاح کرلیں یا اپنے ہاتھ کے ہنر سے چار پیسے حاصل کرلیں، لہٰذا اگر کسی کی عمر نکاح کے قابل ہے تو نکاح کرلے اور اگر اس قابل نہ ہو یا یہ کہ اس کو عیب تو نہیں سمجھتی مگر ویسے ہی دل نہیں چاہتا یا بکھیڑے سے گھبراتی ہے تو اس صورت میں اپنا گزر کسی پاک ہنر کے ذریعہ

www.abulhasanalinadwi.org

سے کرو، اگر کوئی اس کو حقیر سمجھے یا ہنسے ہرگز پروا مت کرو، دوسرے نکاح کا بیان تو چھٹے حصہ میں پہلے آچکا اور ہنر و پیشہ کا بیان اب کیا جاتا ہے، اگر اس میں کوئی بات بے غیرتی کی ہوتی تو پیغمبران کاموں کو کیوں کرتے، ان سے زیادہ کس کی عزت ہے، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائیں، اور فرمایا کہ کوئی پیغمبر ایسے نہیں گزرے جنھوں نے بکریاں نہ چرائی ہوں، اور یہ بھی فرمایا کہ سب سے اچھی کمائی ہاتھ کی ہے۔"

ایک اہم تجدیدی جزء

لیکن اس دسویں حصہ کا سب سے اہم تجدیدی جز وہ ہے جس کو لوگوں نے سرے سے دین سے خارج بلکہ دنیا ہی سمجھ رکھا ہے۔

"وہ ایسی باتیں ہیں جس سے دنیا میں خود بھی آرام سے رہے اور دوسروں کو بھی اس سے تکلیف نہ پہنچے، اور یہ باتیں ظاہر میں تو دنیا کی معلوم ہوتی ہیں لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پورا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ مسلمان کو مناسب نہیں کہ کسی سخت تکلیف میں پھنس کر اپنے آپ کو ذلیل کرے، اور یہ بھی آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وعظ میں اس کا خیال رکھتے تھے کہ سننے والے اُکتا نہ جائیں، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ مہمان اتنا نہ ٹھہرے کہ گھر والا تنگ ہو جائے، اس سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت تکلیف اٹھانا یا کسی کو تکلیف دینا یا ایسا برتاؤ کرنا جس سے دوسرا آدمی اکتا جائے یا تنگ ہونے لگے، یہ بھی دین کے خلاف ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اس لیے دین کی باتوں کے ساتھ ایسی باتیں بھی اس کتاب میں لکھ دی ہیں جن سے اپنے آپ کو اور دوسروں کو آرام پہنچے۔"

جس دین نے دنیا کو عین دین بنا دیا ہو، وہ اپنی تعلیمات و ہدایات کی فہرست سے زندگی کے اس معاشرتی پہلو کو کیسے خارج رکھتا، اور حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمہ تو اس اصول کو عین اسلامی تہذیب فرمایا کرتے تھے کہ اپنی اور دوسروں کی راحت و آزادی کا ہر چھوٹی بڑی بات میں پورا پورا اہتمام رکھا جائے، اس سے خالص دینی کام بھی نشاط و یکسوئی کے ساتھ انجام پاتے ہیں، باقی ہمارے تکلفات کی مصنوعی یا بناوٹی تہذیب کو تو بجائے تہذیب کے بجا طور پر تعذیب فرمایا کرتے تھے۔

بہرکیف اس حصہ میں پہلے زیادہ تر ایسی باتوں کا بیان ہے جو روزمرہ کی اور خاص کر عورتوں کی زندگی میں اپنی اور دوسروں کی راحت و عافیت کا سامان ہیں، مثلاً:

"اگر کسی سے ملنے جاؤ تو اتنا مت بیٹھو یا اتنی دیر تک باتیں مت کرو کہ وہ تنگ ہو جائے یا اس کے کسی کام میں حرج ہونے لگے، سب گھر والے اس بات کے پابند رہیں کہ ہر چیز کی ایک جگہ مقرر کر لیں اور وہاں سے جب اٹھائیں تو برت کر وہیں رکھ دیں تاکہ ہر آدمی کو وقت پر پوچھنا یا ڈھونڈھنا نہ پڑے، جگہ بدلنے سے بعض دفعہ کسی کو بھی نہیں ملتی، سب کو تکلیف ہوتی ہے، اور جو چیزیں خاص تمہارے برتنے کی ہیں ان کی جگہ بھی مقرر رکھو تاکہ ضرورت کے وقت ہاتھ ڈالتے ہی مل جائیں، راہ میں چارپائی، پیڑھی یا اور کوئی برتن، اینٹ، پتھر، سل وغیرہ نہ ڈال دو، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اندھیرے میں یا بعض دفعہ دن ہی میں کوئی جھپٹا ہوا بے کھٹکے چلا آ رہا ہے وہ الجھ کر گر گیا اور جگہ بے جگہ چوٹ لگ گئی،

www.abulhasanalinadwi.org

کسی کے گھر مہمان جاؤ تو اس سے کسی چیز کی فرمائش مت کرو، بعضی چیز ہوتی تو ہے بے حقیقت مگر وقت کی بات گھر والا پوری نہیں کرسکتا، ناحق اس کو شرمندگی ہوگی، بدن اور کپڑے میں بو نہ پیدا ہونے دو، اگر دھوبی کے گھر کے کپڑے دھلے نہ ہوں تو بدن ہی کے کپڑوں کو دھو ڈالو، نہا ڈالو، دامن، آستین، آنچل سے ناک مت پونچھو، مہمان کے کھانے میں اتنا تکلف مت کرو کہ وقت پر اس کو کھانا نہ ملے، کھانا وقت پر پکالو چاہے سادہ اور مختصر ہی ہو، اگر اپنی تندرستی چاہو تو اپنے کو بہت آرام طلب مت بناؤ، کچھ محنت کا کام اپنے ہاتھ سے کیا کرو، سب سے اچھی چیز عورتوں کے لیے چکی پیسنا یا موسل سے کوٹنا یا چرخہ کاتنا ہے، اس سے بدن تندرست رہتا ہے۔"(۱)

بعض عیب کی باتیں

مذکورۂ بالا قسم کی ۶۰/ باتیں "بعض سلیقہ اور آرام" کی باتوں کے عنوان کے تحت درج ہیں، اس کے بعد دوسرا عنوان "بعض باتیں عیب اور تکلیف کی جو عورتوں میں پائی جاتی ہیں" اس کے تحت ۲۹/ باتیں درج ہیں، مثلاً:

"ایک عیب یہ ہے کہ آپس میں دو عورتیں جو باتیں کرتی ہیں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک کی بات ختم ہونے نہیں پاتی اور دوسری شروع

(۱) چکی چرخے کا تو نام بھی نہ لو، یہ کمینوں اور غریبوں کا کام ہے! عورتوں کی تندرستی کا ماڈرن سامان ٹینس اور بیڈمنٹن ہے، پوری ترقی چاہو تو غیر مردوں کے ساتھ بغل گیر ہو کر ڈانس! کیا ان باتوں میں مسلمان سیاسیات و معاشیات سے بھی زیادہ تجدید دین کے محتاج نہیں، اگر کوئی سیاسی لیڈر سیاسی مصلحت سے کہہ دے تو عورتیں کیا بڑے بڑے مرد بھی چرخہ چلانے لگتے ہیں!

www.abulhasanalinadwi.org

کردیتی ہے بلکہ بہت دفعہ دونوں ایک دم سے بولنے لگتی ہیں، وہ اپنی کہہ رہی ہے یہ اپنی ہانک رہی ہے، نہ وہ اس کی سنے نہ یہ اس کی، بھلا ایسی بات کرنے ہی سے کیا فائدہ، ہمیشہ یاد رکھو کہ جب ایک بولنے والی کی بات ختم ہو جائے اس وقت دوسری کو بولنا چاہیے، ایک عیب یہ ہے کہ پان تمباکو کا خرچ اس قدر بڑھا لیا ہے کہ غریب آدمی تو اس کو سہار ہی نہیں سکتا، اور امیروں کے ہاں اتنے خرچ میں چار پانچ غریبوں کا بھلا ہو سکتا ہے، ایک عیب یہ ہے کہ اپنی خطا یا غلطی کا کبھی اقرار نہ کریں گی، جہاں تک ہو سکے گا بات کو بنا دیں گی، خواہ بن سکے یا نہ بن سکے، ایک عیب یہ ہے کہ بچوں کو بے بھوک کھلا دیتی ہیں، یا مہمان کو اصرار کر کے کھلاتی ہیں، پھر بے بھوک کھانے کی تکلیف ان کو بھگتنی پڑتی ہے۔"

وغیرہ وغیرہ۔

دیکھو ایک کامل و جامع مجدد کی نگاہ تجدید و اصلاح اندر باہر کہاں کہاں تک جاتی ہے، اس کے بعد:

بعض باتیں تجربہ و انتظام کی

ہیں، مثلاً جہاں تک ہو سکے سودا قرض مت منگاؤ، جو بہت ناچاری میں منگانا ہی پڑے تو دام پوچھ کر تاریخ کے ساتھ لکھ لو اور جب دام ہوں فوراً دے دو، آٹا چاول اٹکل سے مت پکاؤ، اپنے خرچ کا اندازہ کر کے دونوں وقت سب چیزیں تول ناپ کر خرچ کرو، اگر کوئی تم کو طعنہ دے کچھ پروا مت کرو، لحاظ کی جگہ سے قرض

www.abulhasanalinadwi.org

مت لو اور زیادہ قرض بھی مت دو، اتنا دو کہ اگر وصول نہ ہو تو تم کو بھاری نہ معلوم ہو، جو کوئی نیا یا بڑا کام کرو پہلے کسی سمجھدار اور خیر خواہ آدمی سے صلاح لے لو، ہر کام کا پہلے انجام سوچ لیا کرو اس وقت شروع کیا کرو، سفر میں جانے والوں سے حتی الامکان کوئی فرمائش نہ کرو کہ فلاں جگہ سے خرید لانا، ہماری فلاں چیز فلاں جگہ سے ساتھ لے آنا، یہ اسباب لیتے جانا فلاں کو پہنچا دینا، یہ خط فلانے کو دے دینا، ان فرمائشیوں سے اکثر دوسرے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے، اور اگر دوسرا بے فکر ہو تو اس کے بھروسہ رہنے سے تمہارا نقصان ہوگا، خط دو پیسے میں جہاں چاہو بھیج دو، چیز اگر یہاں مہنگی مل سکتی ہو تو مہنگی لے سکتی ہو یا ریل سے منگا سکتی ہو، اپنی تھوڑی سی بچت کے واسطے دوسروں کو پریشان کرنا بہتر نہیں، بعض کام ہوتا تو ہے ذرا سا، مگر اس کے بندوبست میں بڑی الجھن ہوتی ہے، اور اگر بہت ہی ناچاری آپڑے تو چیز کے منگانے میں دام پہلے دے دو، اور اگر ریل میں آوے جاوے تو کچھ زیادہ دام دے دو، شاید اس کے پاس خود اپنا سامان بھی ہو، اور سب مل کر تولنے کے قابل ہو جاوے، کسی کو ٹھہرانے پر یا کھانا کھلانے پر زیادہ اصرار نہ کرے، بعض دفعہ اس میں دوسرے کو الجھن اور تکلیف ہوتی ہے، ایسی محبت سے کیا فائدہ جس کا انجام نفرت و الزام ہو، اگر کہیں مہمان جاؤ اور کھانا کھا چکی ہو تو جاتے ہی کہہ دو، کیونکہ وہ لحاظ کے مارے خود پوچھیں گی نہیں، چپکے چپکے سب فکر کریں گی...... جب سامنے آیا تم نے کہہ دیا کہ ہم نے تو

www.abulhasanalinadwi.org

کھانا کھالیا، اس وقت ان کو کتنا افسوس ہوگا، جو جگہ لحاظ و تکلف کی ہو وہاں سے خرید و فروخت کا معاملہ مناسب نہیں، کیونکہ ایسی جگہ نہ بات صاف ہوسکتی ہے نہ تقاضا ہوسکتا ہے، اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا، یہ کل ۵۹؍باتیں ہیں۔"

بچوں کی پرورش و تربیت

عورتوں کا سب سے اہم و اصل فریضہ حیات بچوں کی تربیت ہے، جس میں ابتداء ہی سے اگر بعض بظاہر چھوٹی چھوٹی اور موٹی موٹی باتوں کا خیال نہ رکھا جائے جو بہت کم رکھا جاتا ہے تو جسم و جان، عادات و اخلاق سب کی پہلی ہی اینٹ ٹیڑھی رکھ جاتی ہے، مثلاً:

"ہر روز بچے کا ہاتھ، منھ، گلا، کان، چڈی وغیرہ گیلے کپڑے سے خوب صاف کردیا کریں، میل جمنے سے گوشت گل کر زخم پڑ جاتے ہیں، (پورا غسل اگر نہ ہوسکے تو یہ اس کے لیے آسان بدل ہے) عام طور پر بچوں کو ساتھ سلانے کی عادت ہے، جس میں اور خرابیوں کے علاوہ ایک خطرناک بات یہ ہے کہ "شاید سوتے میں کہیں کروٹ تلے دب جائے، ہاتھ پاؤں نازک ہوتے ہیں، اگر صدمہ پہنچ جائے، تعجب نہیں ایک جگہ اسی طرح ایک بچہ دب کر صبح مرا ملا" اس لیے ضروری ہے کہ بچے کو الگ سلائیں اور حفاظت کے واسطے دونوں طرف کی پٹیوں سے ملا کر دو چارپائیاں بچھادیں یا دونوں کروٹ پر دو تکیے رکھ دیں، جھولے کی زیادہ عادت نہ ڈالیں، کیونکہ جھولا ہر جگہ نہیں ملتا، اور بہت گود میں بھی نہ رکھیں، اس سے بچہ کمزور ہوجاتا ہے، چھوٹے

www.abulhasanalinadwi.org

بچے کی عادت ڈالیں کہ سب کے پاس آیا جایا کرے، ایک آدمی کو زیادہ ہل جانے سے اگر وہ مرجائے یا نوکری سے ہٹا دیا جائے تو بچے کی مصیبت ہو جاتی ہے۔"

"اگر بچے کو انّا کا دودھ پلانا ہو تو ایسی انّا تجویز کرنا چاہیے جس کا دودھ اچھا ہو، جو جوان ہو اور دودھ تازہ ہو یعنی اس کا بچہ چھ سات مہینے سے زیادہ کا نہ ہو، اور وہ خصلت کی اچھی اور دیندار ہو، احمق، بے شرم، بدچلن، کنجوس اور لالچی نہ ہو، (بھلا ان باتوں کا کتنے آدمی خیال کرتے ہیں، اور نہ خیال کرنے سے بے دینی، بداخلاقی اور بیماری سب گویا بچے کو دودھ کے ساتھ ہی پلائی جاتی ہے) انّا اور کھلائی پر بچے کا کھانا نہ چھوڑیں، خود اپنے یا کسی سلیقہ دار معتبر آدمی کے سامنے کھانا کھلایا کریں تا کہ بے اندازہ کھا کر بیمار نہ ہو جائے، اور بیماری میں دوا بھی اپنے سامنے بنوائیں اور پلائیں، (اس معاملہ میں بے احتیاطی گھر گھر کتنی عام ہے، اکثر بچوں کو خود ہی چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جتنا اور جس طرح تمیز و بے تمیزی سے چاہیں کھالیں) ماں باپ خود بھی خیال رکھیں اور جو مرد یا عورت بچے پر مقرر ہو وہ بھی خیال رکھے کہ بچہ ہر وقت صاف ستھرا رہے، جب ہاتھ منھ میلا ہو جائے فوراً دھلا دے، (کتنے بچے ہونگے جو ہر وقت مجھ کو ناک سے لیستے رہتے ہیں، یا وقت ناوقت کچھ نہ کچھ کھاتے رہتے ہیں، جو اکثر منھ تک لگا رہتا ہے، اور مائیں پروا بھی نہیں کرتیں) بچے کی عادت ڈالیں کہ بجز اپنے بزرگوں کے اور کسی سے کوئی چیز نہ

www.abulhasanalinadwi.org

مانگے، اور نہ بلا اجازت کسی کی دی ہوئی چیز لے، (یہ عادت کون ڈالتا ہے اور اس کی بدولت کتنی خرابیوں کا اندیشہ رہتا ہے)
پڑھنے میں بچے پر بہت محنت نہ ڈالے، شروع میں ایک گھنٹہ پڑھنے کا وقت مقرر کرے، پھر دو گھنٹے پھر تین گھنٹے، اسی طرح اس کی طاقت اور سہار کے موافق محنت لیتا رہے، ایسا نہ کرے کہ سارا دن پڑھاتا رہے، ایک تو تھکن کی وجہ سے بچہ جی چرانے لگے گا پھر زیادہ محنت سے دل و دماغ خراب ہو کر ذہن و حافظہ میں فتور آ جائے گا، اور بیماروں کی طرح سست رہنے لگے گا، پھر پڑھنے میں جی نہ لگاوے گا۔''

غرض اس طرح کی کوئی ۴۲ ہدایات ایسی درج فرمائی گئی ہیں کہ اگر ان کا لحاظ رکھا جائے تو بچوں کی تعلیم و تربیت کی بنیاد استوار ہو جائے، ایک اور وعظ میں (۱) جو خاص طور سے مستورات کے لیے فرمایا گیا تھا، جس کی ابتداء میں بچوں کی تربیت کے لیے عورتوں کی اصلاح کی ضرورت کے سلسلہ میں ارشاد ہے کہ:

''عورتوں کے متعلق بچوں کی بھی تربیت ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ بچہ ابتدائے عمر میں جس کے پاس رہتا ہے اسی کے اخلاق و اعمال اختیار کرتا ہے، اور بچے ابتدائے عمر میں زیادہ تر اپنی ماؤں کے پاس ہی رہتے ہیں، اس لیے بچوں کی تربیت اسی طرح عمدہ ہو سکتی ہے کہ مستورات کی اصلاح ہو جائے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ابتدائے عمر میں بچوں کو سمجھ ہی کیا ہوتی ہے جو وہ اچھی بری بات کا اثر لیں......سو خوب سمجھ لیجیے کہ یہ خیال غلط ہے، بچپن میں جبکہ بچہ

---

(۱) وعظ موسوم بہ ''الکمال فی الدین للنساء'' ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ

www.abulhasanalinadwi.org

دودھ پیتا ہے، اس وقت بھی اس کے دماغ میں اخذ کا مادہ ہوتا ہے، گو وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے فوٹوگراف کہ تم جو کچھ کہتے ہو وہ سب اس میں جا کر محفوظ و منقش ہو جاتا ہے گو اس وقت آواز نہ نکلے، لیکن جس وقت ان نقوش پر سوئی چلے گی وہ سب باتیں اس میں سے بعینہٖ نکلیں گی، یہی حال بچوں کے دماغ کا ہے کہ ابتدائے عمر میں بھی وہ سب باتوں کو اخذ کر کے محفوظ کر لیتا ہے، گو اس وقت اس پر عمل نہ کر سکے یا زبان سے ظاہر نہ کر سکے، پھر جب اس میں قوت عمل و نطق کامل ہو جاتی ہے تو پہلی باتوں کے آثار اس سے ظاہر ہونے لگتے ہیں، ایک تجربہ کار کا مقولہ ہے کہ بچوں کی اصلاح کا وقت پانچ سال تک ہے اس عرصہ میں جتنے اخلاق پختہ ہونے ہوتے ہیں ہو جاتے ہیں، اس کے بعد اس میں پھر کوئی عادت پختہ نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ جس زمانہ کو ہم ناسمجھی کا زمانہ خیال کرتے ہیں، وہی وقت بچوں کی اصلاح کا ہے، اور بچے اسی زمانہ میں سب کچھ اخذ کر لیتے ہیں، ایک مسماۃ نے بیان کیا کہ بچوں کی اصلاح کا سہل طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے بچے کی کامل تربیت کر دی جائے پھر سارے بچے اسی جیسے اٹھیں گے، جیسے کام کرتے ہوئے اس کو دیکھیں گے اگلے بچے بھی وہی کام کریں گے اور اس کی عادتیں خصلتیں سیکھ لیں گے۔''

اس سے بڑھ کر یہ کہ صرف شیر خوارگی یا پانچ سال تک کی عمر ہی قابل اہتمام نہیں:

www.abulhasanalinadwi.org

"بلکہ اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے والدین اپنی حالت درست کرلیں تو بچہ نیک ہی پیدا ہوگا...... ایک حکایت ہے کہ دو میاں بیوی نے آپس میں صلاح کی کہ آؤ ہم دونوں سب گناہوں سے توبہ کرلیں اور آئندہ کوئی گناہ نہ کریں، تاکہ بچہ نیک پیدا ہو، چنانچہ اس کا اہتمام کیا گیا، اسی حالت میں حمل قرار پایا اور بچہ پیدا ہوا، تو وہ بہت صالح اور سعید تھا، ایک روز بچے نے کسی دوکان پر سے ایک بیر چرایا، مرد نے بیوی سے کہا سچ بتلا یہ اثر کہاں سے آیا، بیوی نے بیان کیا کہ پڑوسی کے گھر میں جو بیر کا درخت ہے اس کی ایک شاخ ہمارے گھر میں ہے، اس میں ایک بیر لگ رہا تھا میں نے وہ توڑ لیا تھا، مرد نے کہا بس اسی کا اثر ہے جو آج ظاہر ہوا، پس اولاد کے نیک ہونے کے لیے اول درجہ تو یہی ہے کہ والدین خود نیک بنیں، دوسرا درجہ یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اس کے سامنے بھی کوئی حرکت بے جا نہ کریں، اگر چہ وہ بالکل ناسمجھ ہو...... تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب بچہ بڑا ہو جائے تو اس کو علم دین سکھاؤ اور خلاف شریعت کاموں سے بچاؤ اور نیک لوگوں کی صحبت میں رکھو، برے لوگوں کی صحبت سے بچاؤ، بچوں کے اخلاق کی درستی زیادہ تر عورتوں ہی کے اہتمام کرنے سے ہوسکتی ہے، کیونکہ بچے زیادہ تر ان ہی کے پاس رہتے ہیں۔"

بچوں کی نفسیات (سائکالوجی) اور تعلیم و تربیت کا جدید سے جدید ماہر بھی اصولاً اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہے! اور وراثت کا اثر تو آج کل کے علمی مسلمات میں داخل ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

پھر یہی بچے آگے چل کر مرد بنتے ہیں، اس لیے جن گودوں میں یہ پرورش پاتے ہیں ان کی اصلاح دراصل ساری امت کی اصلاح کی جڑ بنیاد ہے، جیسا کہ آگے اسی وعظ (الکمال فی الدین للنساء) میں فرمایا کہ ''بچوں کی تربیت چونکہ زیادہ تر عورتوں کے ہاتھ میں ہے اس لیے ان کی اصلاح سے مردوں کی اصلاح بھی متوقع ہے، کیونکہ یہی بچے ایک وقت میں مرد بھی بنیں گے۔''

بہشتی زیور دراصل اصلاح امت کا سنگ بنیاد ہے

اس سے پوری طرح واضح ہو گیا کہ بہشتی زیور دراصل حضرت جامع المجدد دین علیہ الرحمہ کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں کی بنیادی پتھر ہے، اور اگر مسلمان گھرانوں میں صرف بہشتی زیور کے عام طور سے پڑھنے پڑھانے، سننے سنانے کا اہتمام کر لیا جائے جس کی حضرت علیہ الرحمہ تاکید فرماتے رہے، تو پورا تو پورا، تھوڑا بہت عمل بھی اگر اس کی تعلیمات و ہدایات پر ہو تو تجربہ کر کے مسلمان دیکھ لیں کہ ایک ہی نسل میں ان کی دنیا و دین دونوں کی اس ترقی کا قدم کہاں سے کہاں جا نکلتا ہے، جس کے لیے دن رات طرح طرح کی انجمن سازیوں، چندہ بازیوں اور نعرہ زنیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل پڑا ہے، اور جس کی بدولت جان و مال دین و ایمان سب کی اضاعت ہی اضاعت کا سامان ہے۔

نیکیوں کی عام باتیں

بچوں کی متعلق مذکورۂ بالا قسم کی ضروری احتیاطوں کے بعد پھر کچھ عام ''باتیں نیکیوں اور نصیحتوں'' کی درج فرمادی گئی ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

''پرانی باتوں کا کسی کو طعنہ دینا بری بات ہے، عورتوں کی یہ ایسی بری عادت ہے کہ جن رنجوں کی صفائی اور معافی بھی ہو چکی ہے

www.abulhasanalinadwi.org

جب کوئی نئی بات ہوگی پھر ان رنجوں کے ذکر کو لے بیٹھیں گی، یہ گناہ بھی ہے اور اس سے دوبارہ دلوں میں رنج وغبار بھی بڑھتا ہے،...... اگر اپنی ساس، نند، دیورانی، جٹھانی یا دور نزدیک کے رشتہ داروں کی شکایت سنو تو اس کو دل میں مت رکھو، بہتر تو یہ ہے کہ اس جھوٹ سمجھ کر دل سے نکال ڈالو، اگر اتنی ہمت نہ ہو تو جس نے تم سے کہا ہے اس کا سامنا کرا کر منھ در منھ صاف کرلو، اس سے فساد نہیں بڑھتا، نوکروں پر ہر وقت سختی اور تنگی مت کرو، اور اپنے بچوں کی دیکھ بھال رکھو تا کہ وہ ماما، نوکروں یا ان کے بچوں کو نہ ستانے پاویں، یہ لوگ لحاظ کے مارے زبان سے کچھ نہ کہیں تو دل میں ضرور کوسیں گے، نہ بھی کوسا، جب بھی ظلم کا وبال وگناہ تو ضرور ہوگا، اپنا وقت فضول باتوں میں مت کھویا کرو اور کچھ وقت اس کام کے لیے بھی رکھو کہ لڑکیوں کو قرآن اور دین کی کتابیں پڑھایا کرو اور اگر زیادہ نہ ہو تو قرآن کے بعد یہ کتاب بہشتی زیور شروع سے ختم تک تو ضرور پڑھایا کرو، لڑکیاں چاہے اپنی ہوں چاہے پرائی، ان سب کے لیے اس کا بھی خیال رکھو کہ ان کو ضروری ہنر بھی آجائیں، لیکن قرآن کے ختم ہونے تک ان سے دوسرا کام مت لو،...... جو لڑکیاں تم سے پڑھنے آویں ان سے اپنے گھر کا کام مت لو، نہ ان سے اپنے بچوں کی ٹہل کراؤ، بلکہ ان کو بھی اپنی اولاد کی طرح رکھو، دوسروں کی چیز جب برت چکو یا جب برتن خالی ہو جائے فوراً واپس کردو، اگر اتفاق سے کوئی اس وقت لے جانے والا نہ ہو تو اس کو اپنے برتنے کی چیزوں میں ملا جلا کر مت

www.abulhasanalinadwi.org

رکھو، بالکل علاحدہ اٹھا کر رکھ دو، تاکہ وہ چیز ضائع نہ ہو، ویسے بھی بلا اجازت کسی کی چیز برتنا گناہ ہے، جس آدمی کو پہچانتی نہ ہو اس کے سامنے کسی شہر یا قوم کی برائی مت کرو، شاید وہ آدمی اسی شہر یا قوم کا ہو، پھر تم کو شرمندہ ہونا پڑے۔"

اس طرح کی کوتاہیاں ہمارے اندر اتنی عام ہیں کہ عام وخاص شاید ہی کوئی ہو جو ان میں مبتلاء نہ ہو، ایک بڑے مشہور وجید واعظ ومصنف عالم مجھ سے خود فرماتے تھے کہ کسی سفر میں وہ جلاہوں کی کچھ مذمت کرنے لگے، اتفاق سے ایک ذی عزت و ذی علم جلاہے پاس ہی بیٹھے تھے، آخر ان بے چارے سے رہا نہ گیا اور اپنے کو ظاہر ہی کردیا، پھر ہمارے مولانا پر جو گزری گزری!

لوگوں کو بزرگوں کے تبرکات کی بہت خواہش ہوتی ہے، اس کی ایک سہل تدبیر انھیں عام نصیحتوں کے ذیل میں تحریر فرمادی گئی ہے کہ "عرب میں دستور ہے کہ جو کسی بزرگ سے کوئی چیز تبرک کے طور پر لینا چاہتے ہیں تو وہ چیز اپنے پاس سے لاکر ان بزرگ کے پاس رکھتے ہیں کہ آپ اس کو ایک دو روز برت کر کے ہم کو دے دیجیے، اس میں ان بزرگ کو تردد نہیں کرنا پڑتا، ورنہ اگر بیس آدمی کسی بزرگ سے ایک ایک کپڑا مانگیں تو ان کی گٹھری میں تو ایک چیتھڑا بھی نہ رہے۔"

خود حضرت کے ہاں بھی خدام ومعتقدین نے یہ سہل نسخہ سیکھ لیا تھا اور اس سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔

بہشتی زیور کا اصل مقصد تو دینی اعتبار سے اسلامی زندگی کے سارے ضروری ابواب کا احتوا ہے، لیکن جس طرح اس خیال سے کہ کلام مجید پڑھ لینے کے بعد یہ کتاب عورتوں کی ضروری تعلیم کے لیے بھی بالکلیہ حاوی و کافی ہوجائے اور "کوئی دوسری کتاب نہ ڈھونڈھنی پڑے، شروع میں الف، با، تا، لگادیا گیا" اسی طرح آخر

www.abulhasanalinadwi.org

میں حساب کتاب وغیرہ کی تمام ضروری باتیں اور ضروری طریقے درج فرما دیئے گئے ہیں، حتیٰ کہ ڈاک خانہ تک کے کچھ عام قواعد لکھ دیئے گئے ہیں، اور ایسے مسائل بھی جن کی ریل کے سفر میں ضرورت پڑتی ہے، نیز بعض ایسی کتابوں کے نام جن کے دیکھنے سے عورتوں کو نفع یا جن کے دیکھنے سے نقصان ہے، کیونکہ آج کل ہر قسم کی اور ہر کس و ناکس کی کتابیں، فضول قصے کہانی خصوصاً ناول وغیرہ پڑھنے کا عام عارضہ عورتوں تک میں سرایت کر گیا ہے، جس کا ضرر معلوم ہے۔

غرض اس دسویں حصہ پر اصل بہشتی زیور ختم و مکمل ہو جاتا ہے، لیکن اس کے بعد ایک گیارہویں حصہ بہشتی گوہر کا (جس میں زیادہ تر ایسے مسائل ہیں جن کا خاص کر مردوں سے تعلق ہے) اضافہ فرما کر اس کتاب کو مردوں عورتوں سب کی شخصی و خانگی زندگی کی دینی اصلاح کے لیے کافی ووافی بنا دیا گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

دو سب سے زیادہ اہم تجدیدی خصوصیات

اوراق بالا میں بہشتی زیور کا جو ذرا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اس میں حضرت جامع المجدد دین کے رنگ تجدید کی دو خصوصیات سب سے زیادہ اہم اور قابل توجہ ہیں۔

اسلام اور مسلمان دور حاضر میں جس درجہ ناموافق و نامساعد حالات سے دوچار ہیں، ساڑھے تیرہ سو سال کی تاریخ میں شاید ہی کوئی عہد دین اور دینی زندگی کے لیے اتنی آزمائش اور فتنوں کا آیا ہو، جس سیاست وحکومت کا دنیا میں غلبہ ہے وہ نہ صرف غیر اسلامی بلکہ سرے سے حق و باطل کسی دین سے بھی اس کو عملاً سروکار نہیں، نہ اس کے اصول وقوانین میں خدا و آخرت سے تعلق وتصور کا گزر، بلکہ بے دینی کی تعلیم و ترویج اس کا لازمہ ہے، تہذیب وتمدن، تعلیم وتربیت سب کا مطمح نظر خالص دنیا طلبی رہ گیا ہے، خود مسلمان بھی ہر جگہ حاکم ومحکوم کے ساتھ اسی تہذیب نو کے دھارے میں بہے چلے جارہے ہیں، حد یہ کہ دین کا نام جو کچھ لیا جاتا ہے وہ بھی زیادہ تر دنیا ہی کے کام کے لیے، ان حالات میں اگر اسلام کے دینی احکام وتعلیمات بالکلیہ کسی خاص سیاسی وسماجی، تعلیمی ومعاشی نظام ہی کے تابع ہوتے تو افراد کے لیے انفرادی وخانگی زندگی میں اسلام کا نام لینے کی بھی اب گنجائش نہ تھی، اور "لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا" کی تکلیفی وسعت واستطاعت کا دروازہ کسی نفس یا فرد کی انفرادی زندگی کے لیے کھلا نہیں رہ گیا تھا۔

اس خاص نظر سے اگر بہشتی زیور کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مخالف اجتماعی ماحول میں بھی عقائد واعمال، دیانات ومعاملات، اخلاق ومعاشرات

www.abulhasanalinadwi.org

کی اسلامی تعلیمات کا بہت بڑا حصہ انفرادی استطاعت و ہمت ہی کا طالب و تابع ہے، البتہ ذرا مردانہ ہمت کا، جس میں انشاء اللہ مجاہدہ کا اجر مزید برآں ہوگا، قلب و قالب کی ساری طاعات اور افراد کی پوری حیات میں معدودے چند چیزیں ایسی نکلیں گی جن میں اس درجہ نامساعد اجتماعی و سیاسی حالات بھی ہاتھ پاؤں باندھ کر کسی فرد مسلمان کو ارتکاب معصیت و نافرمانی پر مضطر کر رہے ہوں، بلاشبہ سیاسی و اجتماعی حالات و نظامات بھی اگر اسلامی تعلیمات پر مبنی ہوں تو نہ فقط ان تعلیمات پر صد فی صد عمل ممکن ہوتا ہے، بلکہ افراد کی تکلیفی استطاعت و وسعت کے لیے کم و بیش ہر طاعت میں تیسیر و سہولت ہو جاتی ہے، اور اس لیے نہ صرف غیر اسلامی نظامات کو رضا و رغبت کے ساتھ قبول کر لینا جائز نہیں بلکہ حسب استطاعت جان و مال سے انقلاب کی سعی واجب ہے۔

لیکن اس سعی میں بھی بجا طور سے کامیابی اور حق تعالیٰ کی نصرت کی توقع جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ اگر پہلے نہیں تو ساتھ ہی ساتھ طاعات کے اس بہت بڑے حصہ کا حق ادا ہوتا رہے جو افراد کی انفرادی وسعت و سعی پر منحصر ہے، اور جو (جیسا کہ اوپر جا بجا حسب موقع متنبہ کیا جا چکا) نہ حکومت الٰہیہ کے قیام پر موقوف ہے نہ کسی پاکستان کے وجود پر نہ کسی سیاسی انقلاب پر، یہی نہیں بلکہ قرب و ولایت صدیقیت و شہادت کا کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ مقام و مرتبہ اسلامی تعلیمات کی رو سے ایسا نہیں ہے، جو ان ناموافق سے ناموافق حالات میں بھی حاصل نہ کیا جا سکتا ہو یا کرنے والے کر نہ رہے ہوں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت اور ملت بیضاء کی کیسی سماحت و سہولت ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ نہ سیاسی و سماجی نظامات کا ہر شخص کے لیے اپنی انفرادی زندگی میں انفرادی طاقت سے الٹ دینا ممکن ہے اور نہ ایسی صورت میں دینی کمالات کا دروازہ ہر ہر متنفس کے لیے یکساں طور سے زندگی کے موافق و ناموافق تمام حالات میں کھلتا رہتا۔

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن ہم مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ نہ دین کی سچی طلب اور نہ صحیح فہم، نتیجہ یہ ہے کہ سارا زور وہی لادینی (Secular) رنگ کی سیاسیات وقومیات حاضرہ پر صرف ہوتا ہے، پاکستان بن گیا، بظاہر اسلامی دستور وقانون کا نفاذ بھی اصولاً منظور ہو گیا، لیکن جن پر یہ قانون نافذ ہوگا، خود ان کے اندر اس کے قبول واتباع کی قابلیت و صلاحیت پیدا کرنے کی شاذ ہی کسی کو فکر ہوگی، حد یہ کہ حضرات علماء تک کو ابھی حال ہی میں سننے میں آیا کہ فکر ہے تو یہ ہے کہ اسلام کا قانون بنایا جائے، اور اس کے لیے کوئی مجلس بھی بنائی گئی ہے، یہ وہی بات بات میں مجلس آرائی اور کمیٹی وکمیشن سازی کی ماڈرن وبائی بیماری ہے، الحمدللہ کہ اسلام کا قانون بنا بنایا ہے، صرف نفاذی و عملی جزئیات کے لیے کچھ اچھے فقیہ ومتقی ساتھ ہی زمانہ شناس علماء کی ایک مستقل مجلس کی ضرورت ہے جو حکومت کی اعانت کرتی رہے، سب سے مقدم ضرورت خود مسلمانوں کو مسلمان بنانے کی ہے کہ وہ دل وجان سے اس قانون کی اطاعت کریں، ورنہ وہی آج کل کی سی لادینی حکومت کا حال رہے گا کہ قانون پر قانون بنتے رہتے ہیں اور خود قانون بنانے اور چلانے والے ہی اپنی نفسانی ودنیاوی اغراض وجاہی ومالی مقاصد کے لیے ان کو توڑتے رہتے ہیں ...... رشوت ستانی ہی وغیرہ مفاسد کو لیجیے کہ آزاد ہندوستان اور پاکستان میں اس کی بھی کتنی آزادی اور بڑھ گئی ہے، پاکستان ہی کے متعلق روایت سنی تھی کہ ایک ''قائد اعظم'' کے علاوہ باقی ساری حکومت کے عوام و خواص میں چپراسیوں سے لے کر وزراء تک مشکل ہی سے کچھ اللہ کے بندے ہوں گے جو راشی ومرتشی نہ ہوں، اور کیوں نہ ہوں جب اس دنیا کے مالی وجاہی نفع وضرر کے آگے نہ اس سے بڑھ کر کسی نفع کی توقع ہے، نہ کسی ضرر کا اندیشہ، تو آخر کوئی چھوٹا بڑا آدمی اپنی اس نقد چھوٹی بڑی ذاتی منفعت ومضرت سے کیوں روگردانی کرے، ادھار تو وہی رکھے گا جس کو معقول سود بلکہ سود در سود کی امید ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

جب تک اس دنیا کا کوئی دین یا اس زندگی کے مستقبل کی کسی "خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى" آخرت کی خیر و فلاح انسان کے پیش نظر نہ ہو اس وقت تک اس دنیا کی خیر و فلاح تو الگ رہی، اس کو روز بروز سراپا شر و فساد بننے بنانے سے نہ کسی حکومت و قانون کی طاقت روک سکتی ہے اور نہ کسی جمہوریت و اشتراکیت کی خیال پرستی یا آئیڈیالوجی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر شے اپنے مقام و حدود میں رہ کر ٹھیک رہ سکتی ہے، دنیا بھی دین ہی کے حدود و قیود میں رہ کر ٹھیک رہ سکتی ہے، اور یہی اس حدود شکن عہد کے مجدد کی تجدید کا سب سے نمایاں وصف ہے، کم از کم مسلمانوں خصوصاً علماء کو تو یہ بات سمجھنا ہی چاہیے کہ اہم و اقدم کام افراد و عوام کے اندر دین کا یہی بنیادی ذہنی و قلبی انقلاب پیدا کرنا ہے، پھر انشاء اللہ اس بنیاد پر ہر عمارت استوار اٹھے گی اور استوار رہے گی، اسی کو حضرت مجدد وقت نے فرمایا کہ "میرے ہاتھ میں حکومت ہو تو سب سے پہلے دس سال تک مسلمانوں کو صرف پورا مسلمان بنانے کی فکر و تدبیر کروں۔"

دین کی قطع و برید

دوسرا بہت بڑا ظلم جو اسلام پر خود مسلمانوں کے ہاتھ سے ہوا، وہ اس کی قطع و برید، چیر پھاڑ یا حصے بخروں میں تقسیم اور "كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ" کی وبا ہے۔

کسی نے نرے بے جان ایمان پر تکیہ کر رکھا ہے، جن میں بعض نئے مجددین کی جرأت یہاں تک بڑھی کہ ایمان بالرسالت تک ضروری نہیں، نجات کے لیے بس توحید یا لا الٰہ الا اللہ کافی ہے، محمد رسول اللہ پر ایمان ضروری نہیں، مجدد وقت علیہ الرحمہ نے اسی خوش فہمی پر اپنے ایک وعظ "احسان الاسلام" میں متنبہ فرمایا ہے کہ:

"ہمارے روشن خیال حضرات کے نزدیک اسلام کی حقیقت ایسی

www.abulhasanalinadwi.org

ہے کہ نہ اس میں کچھ منہیات ہیں نہ مامورات، کسی منہی عنہ سے منع کرو تو کہتے ہیں کیا اس سے ایمان جاتا رہا، مولویوں نے خواہ مخواہ تنگی کردی ہے، اجی اسلام بہت وسیع چیز ہے، بس لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہوگئے اور اسلام کامل ہوگیا، ایک حدیث یاد کر رکھی ہے کہ "من قال لا إلٰه إلا الله فدخل الجنة" سبحان اللہ اچھا ست نکالا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا بس کافی ہے، اور اعمال کی کیا ضرورت، بے شک حدیث صحیح ہے مگر جو مطلب آپ سمجھے وہ اس کا مطلب ہی نہیں۔"

اور پھر صحیح مطلب ایک عام فہم مثال سے اس طرح واضح فرمایا کہ نکاح میں مثلاً صرف ایجاب وقبول ہوتا ہے، اور نان ونفقہ وغیرہ دیگر واجبات کا صراحۃً کوئی ذکر نہیں ہوتا، تو اب اگر نکاح کے بعد بیوی شوہر سے مطالبہ کرے کہ:

"غلہ لاؤ، کپڑا لاؤ، گھی لاؤ، یہ لاؤ وہ لاؤ، تو آپ کہتے ہیں کہ بیوی تو پاگل ہوگئی ہے، کیسی لکڑی، کیسا غلہ، کیسا گھی، میں نے ان چیزوں کی کہاں ذمہ داری لی ہے، اس نے کہا کہ آخر تم نے ایجاب وقبول پر کہا نہ تھا کہ میں نے قبول کیا، وہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ غلہ وغیرہ بھی قبول کیا ہے، میں نے تو فقط تجھے قبول کیا تھا، غرض جھگڑا اس قدر بڑھا کہ محلّہ کے لوگ فیصلہ کرنے کے لیے جمع ہوگئے، ان میں آپ بھی ہیں، اب بتائیے کیا فیصلہ کریں گے؟ کیا یہ فیصلہ نہ کریں گے کہ روٹی کپڑا سب اس سے دلاویں گے اور کہیں گے کہ ارے احمق! بیوی قبول کرلینا اس کی تمام ضروریات کو قبول کرلینا ہے، اس کے لیے

www.abulhasanalinadwi.org

مستقل معاہدہ کی ضرورت نہیں۔"

"بس لا الہ الا اللہ کے معنی بھی یہی ہیں، اب ذرا سنبھل کر کہیے گا، اس مختصر کلمہ نے تمام باتوں کو لے لیا ہے، لہٰذا جب (مثلاً) وضع خلاف شرع ہوگی، تو ایک جز لا الہ الا اللہ کا چھوٹا، تو مولوی اہل محلّہ کے مثل ہیں، اور یہ اس نادان کے مثل ہے جو کہتا ہے کہ میں نے لا الہ الا اللہ کہا تھا یہ کہاں کا جھگڑا نکالا ہے کہ وضع خلاف شرع نہ رکھو، داڑھی مت منڈاؤ یا مت کٹاؤ، مونچھیں مت بڑھاؤ، نماز پڑھو، روزہ رکھو۔"

ایک وعظ بنام تفصیل الدین میں ایک اور پرلطف واقعہ سے اس کی توضیح و تنویر فرمائی ہے کہ:

"رامپور میں ایک طالب علم نے مجھ سے کسی ضرورت کے لیے وظیفہ پوچھا، میں نے کہہ دیا "لاحول" کثرت سے پڑھا کرو، کچھ دنوں بعد پھر ملے اور کہا نفع نہیں ہوا، میں نے اتفاقاً پوچھ لیا کہ تم نے کس طرح پڑھا، تو کہتے ہیں کہ لاحول لاحول، میں نے کہا تمہاری اس لاحول پر بھی لاحول، تو اگر اس طالب علم کا یہ سمجھنا صحیح تھا تو ان لوگوں کی دلیل بھی صحیح ہوسکتی ہے (جو "من قال لا إلــه إلا الله فـدخل الجنة" سے دیگر عقائد و اعمال کا کیا ذکر ایمان بالرسالت تک کو خارج کردیتے ہیں) مگر کون نہیں جانتا کہ لاحول ایک پوری دعا کا پتہ ہے، یعنی لاحول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، جیسے الحمد، قل هو الله وغیرہ سورت کا، یا الـم پورے سیپارے کا، اسی طرح حدیث میں

www.abulhasanalinadwi.org

لا الٰہ الا اللہ پورے کلمہ کا پتہ ہے بلکہ پوری شریعت کا، اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو شخص مسلمان ہو جائے وہ جنتی ہے، اب یہ شریعت کے دوسرے مقامات سے پوچھو کہ مسلمان ہونا کسے کہتے ہیں۔" (۱)

"اب تمہارے ہی اجلاس میں فیصلہ کراتا ہوں کہ مثال مذکور کی طرح اس شخص کا محض لا الٰہ الا اللہ کو کافی سمجھ لینا صحیح ہے، ذرا بھی عقل سلیم ہوگی تو کون کہے گا کہ صحیح ہے...... یہ تو امت جدیدہ کا مذاق تھا، اب قدیم مذاق والوں کو لیجیے، ان میں جو بڑے دیندار کہلاتے ہیں انھوں نے یہ کیا کہ نماز روزہ کرلو، حور و قصور کا اعتقاد کرلو، بس اسلام اس میں منحصر ہو گیا، آگے رہے معاملات، اخلاق، تہذیب، معاشرت، تمدن اس کو سمجھا کہ اسلام میں تو ہے نہیں، پھر یا تو اس کو متروک کر دیا اور اگر کسی نے اس کا اہتمام کرنا چاہا تو بس غیر قوموں سے لینا شروع کر دیا، افسوس ہمارے گھر میں کیا نہ تھا جو دوسروں سے دریوزہ گری کی گئی، بس ایسی مثال ہے کہ ایک ٹوکرا روٹیوں کا سر پر ہے اور بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر
تو ہمیں جوئی لب ناں در بدر

صرف توحید

اسی طرح ایک "نئے محقق" فرمانے لگے کہ:

"مسلمان ہونے کے لیے صرف توحید کافی ہے، اعتقاد رسالت

---

(۱) ص/۶۵

www.abulhasanalinadwi.org

کی ضرورت نہیں...... میں نے کہا کہ اگر توحید کا عقیدہ کافی بھی تسلیم کرلیا جائے، تو بھی وہ عقیدہ بدوں اعتقادِ رسالت متحقق نہیں ہوتا، وجہ یہ کہ توحید کی حقیقت خدا کو ذات وصفات میں کامل سمجھنا ہے اور منجملہ صفات باری تعالیٰ کے صدق بھی ہے، اگر کوئی (معاذ اللہ منہا) خدا کو جھوٹا سمجھے، تو وہ بوجہ انکار صفت کمال صدق کے توحید کا منکر ہے، ایک مقدمہ تو یہ ہوا، دوسرا مقدمہ یہ ہوا کہ خدا نے ہمیں خبر دی ہے کہ "محمد رسول اللہ" (یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں) تو جس نے دل سے اس کا یقین نہ کیا تو اس نے خدا کو جھوٹا جانا تو وہ توحید اسلام کا بھی منکر ہوا، جواب کے لیے دس برس کی مہلت ہے، اس کے بعد ان صاحب کی حالت اچھی ہوگئی، الحمدللہ۔"

بعضے روشن خیال خالی عمل کے گن گاتے پھرتے ہیں اور عمل سے مراد زیادہ تر آج کل کے رنگ کی تمدنی وسیاسی جدوجہد یا ایسے اخلاقی اعمال ہوتے ہیں، جن کا کچھ نہ کچھ نفع دنیاوی زندگی اور اس کے کاروبار میں نظر آتا ہے، باقی نماز روزہ اور عبادات و ریاضات کی چنداں اہمیت نہیں یا معاذ اللہ ان کے انکار و استخفاف کی نوبت ہے، ایسوں کو اپنے ایمان ہی کی خبر لینا چاہیے، کوئی صرف نماز روزہ اوراد و وظائف کو دین جانتا ہے، معاملات واخلاق کو بالائے طاق کر رکھا ہے، اور معاشرت تو گویا دین میں داخل ہی نہیں، کسی کا محض جوارح اور ظاہر کے خشک اعمال پر زور ہے، اور قلب و باطن سے بے فکری ہے، کسی کے نزدیک ظاہری اعمال، صورت شکل، وضع قطع کا دین سے کوئی واسطہ نہیں، اعمال میں اس کتر بیونت کو ایک جگہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اعمال کو غیر ضروری نہیں سمجھا مگر:

www.abulhasanalinadwi.org

''ان میں اختصار کیا کہ کچھ اعمال کو لے لیا اور بہت سے چھوڑ دیئے، اس میں طبائع مختلف ہیں، بعض کو عبادات بدنیہ آسان ہیں اور مالیہ مشکل، انھوں نے نماز روزہ، تسبیح ونوافل کو اختیار کیا، مقدس صورت بنالی، مگر ایسے مقدس ہیں کہ نہ فرض حج ادا کرتے ہیں نہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، نہ معاملات میں احتیاط کرتے ہیں، ان کا لین دین نہایت خراب ہے، بعضے ایسے ہیں جن کو مال خرچ کرنا آسان ہے، وہ حج بھی کرتے ہیں زکوٰۃ وخیرات بھی دیتے ہیں مگر جان کا خرچ کرنا دشوار ہے، اس لیے نماز روزہ سے جان چراتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو طاعات بدنیہ و مالیہ دونوں کو بجا لاتے ہیں مگر طاعات قلب کو چھوڑ رکھا ہے، ظاہر میں بڑے مقدس ہیں مگر دل میں تکبر، حسد، ریا، عجب بھرا ہے، محبت وخشیت الٰہی برائے نام ہے، بعض نے ان اخلاق کا بھی اہتمام کیا ہے مگر معاشرت گندی ہے، تو اس طرح ہمارے بھائیوں نے اعمال کا ست نکال لیا ہے، مگر بھائیو! ست کا ست نہیں نکلا کرتا، دین تو سارا کا سارا خود ہی ست ہے، اس کا ہر جز ضروری ہے اب اس کا ست اگر نکالو گے تو وہ ست نہ ہوگا بلکہ اجزائے ضروریہ کا فوت کرنا ہوگا، جیسے کوئی انسان کا ست نکالنا چاہے تو اس کا ایک ہاتھ کاٹ دے اور ایک پیر، اور ایک آنکھ پھوڑ دے اور ایک کان بند کردے تو کہا جائے گا کہ ضروری اجزا کو حذف کرکے آدمی کو بے کار بنادیا۔''(۱)

---

(۱) تفصیل الدین ص/۵۹

www.abulhasanalinadwi.org

صرف اصول اسلام

کوئی اپنے زعم میں اصول اسلام کا حامل ہے، اور فروع کو محقرات امور میں شمار کرتا ہے، بھول چوک کی اور بات ہے ورنہ اگر فروع قصداً ترک وتحقیر کی چیز تھی تو شارع نے ان کی اتنی تعلیم وتفصیل ہی کیوں فرمائی، بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں پر سخت تہدید یا بڑے بڑے عذاب وثواب کی ترہیب وترغیب کیوں فرمائی، مثلاً "جو شخص وضع قطع میں کسی قوم کی شباہت اختیار کرے وہ انھیں میں سے ہے" یا فرمایا کہ "اللہ کی لعنت ہو ایسے مردوں پر جو عورتوں کی شباہت بناتے ہیں، اور ایسی عورتوں پر جو مردوں کی شباہت بناتی ہیں۔"

پیشاب میں بے احتیاطی کی نسبت فرمایا کہ "عذاب قبر اکثر اس کی بدولت ہوتا ہے" یا فرمایا کہ "مسواک کرکے دو رکعتیں پڑھنا ان ستر رکعتوں سے افضل ہیں جو بے مسواک کیے پڑھی جائیں" اسی طرح فرمایا کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو اگر خبر ہوتی کہ اس میں کتنا گناہ ہوتا ہے تو چالیس سال تک اس کے نزدیک کھڑا رہنا سامنے نکل جانے کے مقابلہ میں بہتر ہوتا، بظاہر یہ باتیں کیسی چھوٹی معلوم ہوتی ہیں، پھر مسلّم مسئلہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں یا صغائر پر اصرار یعنی ان کو عمداً اور برابر کرتے رہنا کبائر یعنی بڑے بڑے گناہوں کا درجہ رکھتا ہے، بالکل ایسی مثال ہے کہ اگر کسی عدالت یا دفتر میں یہ ہدایت لگی ہو کہ شور وغل نہ مچانا، فرش یا دیواروں پر تھوکنا نہیں، تو خواہ اس کے لیے تعزیرات میں کوئی بڑی سزا نہ بھی مقرر ہو، پھر بھی اگر کوئی شخص برابر یہ حرکتیں جان بوجھ کر کرتا رہے تو کیا حاکم کی انتہائی ناراضی کا باعث نہ ہوگی اور کان پکڑ کر نکلوا نہ دے گا۔

www.abulhasanalinadwi.org

خود فراموشی

پھر کسی کو ساری دنیا کے مسلمانوں کی نام نہاد اصلاح کا غم ہے، اور سارا اسلام یہی ہے، اگر نہیں غم ہے تو خود اپنی اصلاح یا اپنے اہل و عیال کی اصلاح کا، کچھ ایسے بھی ہیں کہ خود اپنی جنت کی تو فکر ہے باقی سارے مسلمان کیا خود اپنے بال بچوں کی جہنم کا بھی اندیشہ نہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر بالید و باللسان کیا معنی بالقلب کے اضعف الایمان کا جو تقاضا ہے کہ خدا کے نافرمانوں سے کم از کم تعلقات میں کمی اور بے زاری کا ہی اظہار ہو، اس کا احساس تک نہیں بلکہ اس کا نام ''رواداری'' ہے، باقی اکثریت تو عوام و خواص سارے مسلمانوں کی ایسی ہو رہی ہے کہ ''کل حزب بما لدیھم فرحون'' سے بھی معاملہ آگے نکل گیا ہے، یعنی دین کی دراصل کوئی طلب اور اس کی طرف توجہ نہیں رہ گئی ہے، کچھ مردہ اور خود تراشیدہ رسوم اور مسلمانوں کے نام کے سوا باقی اسلام سے اور کوئی کام نہیں رہ گیا۔

اسلام کی دینی و دنیوی برکات سے محرومی

دین سے اس عام بے پروائی اور جو کچھ رہا سہا دین ہے اس کی بھی طرح طرح سے قطع و برید اور چھیڑ چھاڑ کا خمیازہ اس کے سوا ہو ہی کیا سکتا تھا کہ اسلام کے دینی و دنیوی، انفرادی و اجتماعی تمام ثمرات و برکات سے ہم محروم ہو جائیں، اگر کسی شخص کے ظاہری جسم و جوارح ہاتھ پاؤں، آنکھ کان وغیرہ میں سے کوئی غائب یا ناقص ہو جائے یا باطنی اعضاء قلب و دماغ وغیرہ کچھ ماؤف و معطل ہو جائیں تو ایسے شخص سے ظاہراً و باطناً کامل انسان کے کمالات و آثار کیسے رونما ہوں گے، اسی طرح اگر کسی مشین کے پرزے کچھ غائب کچھ ناتمام یا فرسودہ ہو جائیں تو یا تو وہ سرے سے بے کار ہو کر رہ جائے گی یا اس کی ناقص مصنوعات کی بازار میں پرسش نہ ہوگی، اسلام بھی ایک

www.abulhasanalinadwi.org

عضوی کل یا نظام (آرگنیزم) یا ایسی مشین ہے جس میں پوری حیات انسانی کے سارے چھوٹے بڑے اعضاء یا پرزے بالکل ٹھیک اپنی اپنی جگہ لگے ہیں، اگر کوئی بھی ان میں سے غائب یا ناکارہ ہوجائے تو اسی اعتبار سے پورا مجموعہ ناقص یا متاثر ہوگا، پھر اس مشین یا مجموعہ کا کیا حال ہوگا جس کے اکثر پرزے یا اجزاء ناکارہ یا ناقص ہوکر رہ گئے ہوں، ہماری بدحالی بھی کچھ اسی حال کو پہنچ گئی ہے کہ یا تو اسلام سے سرے سے کوئی سروکار نہیں، نہ دنیا کے لیے نہ آخرت کے لیے، یا اس کی کاٹ چھانٹ نے افراد و جماعت سب کے اسلام کی صورت ایسی مسخ کردی ہے کہ نہ اپنوں کے لیے اس میں دین و دنیا کی اصلی قوت و برکت رہ گئی ہے نہ غیروں کے لیے کوئی کشش و رغبت بلکہ الٹے اس طرح کی قدرتی نفرت پیدا ہوگئی ہے جیسے کسی لولے، لنگڑے، کوڑھی آدمی سے باوجود اس کے آدمی ہونے کے پیدا ہوجاتی ہے!

www.abulhasanalinadwi.org